188837

UNIVERSAL
LIBRARY
OU_188837
UNIVERSAL
LIBRARY

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ۹۲۲.۵۹۵ Accession No. ۱۴۰۵

Author احسان یگانہ، زرتشت اعظم

Title زرتشت اعظم کا دوسرا ان

This book should be returned on or before the date last marked below.

جملہ حقوق محفوظ

پانچویں صدی قبل مسیح کی ایک تاریخی داستان

Checked 1975

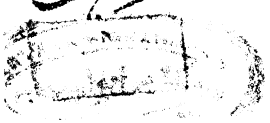
زرشت عظیم کا رومان

مترجمہ:-

سیّد احسان علی شاہ بی۔ اے

ناشرین:- عالمگیر بک ڈپو۔ بازار سید مٹھا۔ لاہور

بار اوّل



حافظ محمد عالم پرنٹر و پبلشر نے عالمگیر الیکٹرک پریس لاہور میں چھپوا کر سید مٹھا
بازار سے شائع کیا۔

تعارف

از جناب عبدالرحیم شبلی، بی کام مدیر خیام و عالمگیر لاہور

جب سلطنتِ اشوریہ کی عظمت و شوکت کا سورج غروب ہو گیا تو میدیا اور فارس کے بادشاہوں کا ستارہ انتہائی عروج پر آکر چمکنے لگا۔ بنوکد نذرِ اعظم آندھی کی طرح اُٹھا، بجلی کی طرح یروشلم کی پہاڑیوں میں آکر کڑکا اور وادیٔ نیل کو اپنی فتوحات کے سیلابِ آتشیں میں بہا کر لے گیا۔ اِس کے بعد سائرس (خورس) بادشاہ آیا جس نے بابل کے کھنڈروں پر اپنی صولت و حشمت کا ایوان تعمیر کیا۔ پھر کیمبیسس اور دارا طوفان بن کر اُٹھے اور آناً فاناً فارس سے لیکر مصر کی وادیوں تک چھا گئے۔

اِس زمانہ میں مجوسیت کا شیرازہ بکھر چکا تھا۔ آتش پرستوں کی وحدت پارہ پارہ ہو چکی تھی۔ وہ مقدس آگ سرد پڑ چکی تھی جس کے گرد پجاری پُراسرار بھجن گا گا کر "نورِ مطلق" کو پہچاننے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ "اہرمنی" قوتیں "یزدانی" قوتوں پر غالب آچکی تھیں اور حقیقت کا مہر نیمروز تاریکی و ظلمت کے بادلوں میں روپوش ہو چکا تھا۔ پجاریوں نے نور السّموات والارض کی طرف سے آنکھیں پھیر کر اندھیرے اور ظلمت کو اپنا معبود بنا لیا۔ وہ ہر وقت بھنگ کے نشہ سے بدمست رہتے اور گناہ و معصیت کی کوئی ایسی وادی نہ تھی جس کی شب و روز سیر کرنا وہ اپنا منشائے وجود اور منتہائے حیات قرار نہ دے چکے ہوں۔

آخر اکباتانا کے قلعے سے ایک نیک فطرت نوجوان نکلا جس نے مجوسیوں کی اصلاح کا بیڑہ اُٹھایا، لوگوں کو خیر اور نیکی کی طرف بُلایا اور اپنے جوشِ عمل سے مجوسیت کے مُردہ پیکر میں زندگی کی لہر دوڑا دی۔ اُس کے پیہم عمل و جہاد کا نتیجہ

یہ ہُوا کہ فارس کے آتشکدے دوبارہ گرم ہو گئے۔ اہرمنی قوتیں کمزور ہو کر ہلاکت و تباہی کے غار میں جا گریں۔ تاریکی و ظلمت کے بادل چھٹ گئے اور رُوحانیت کا مُسکراتا ہُوا آفتاب مطلع شہود پر جلوہ گر ہو کر انسانیت پر اپنی سکون بخش تجلیاں دوبارہ بکھیرنے لگا۔

جب زرتشت نے عہد طفولیت کے منازل طے کر کے شباب کی وادی میں قدم رکھا تو اسرائیلیوں کے نبی دانیال نے اُسے اپنے سایۂ عاطفت میں لے لیا۔ دانیال نبی تصوّف اور رُوحانیت کی طرف مائل تھے چنانچہ زرتشت نے بھی اُن کا اثر قبول کیا۔ اُس کا دماغ شاعرانہ تھا۔ لیکن فلسفہ اور علم نجوم کے مُطالعہ نے اُسے حقیقت شناسی کی طرف راغب کیا۔ اور وہ کائنات کے اسرار و رموز کو سمجھنے کی کوشش کرنے لگا۔ دانیال نبی نے اُسے وہ حقائق بھی پڑھائے جن کو حواسِ خمسہ کے ذریعہ سے دریافت نہیں کیا جا سکتا۔

جب دانیال نبی راہیٔ عدم ہو گئے تو زرتشت کے دماغ میں ایک طوفان برپا ہو گیا۔ وہ حقیقت کا متلاشی تھا۔ اُس کے دل میں کئی ایسے سوالات پیدا ہوئے جن کا اطمینان بخش جواب اُسے نہ مِل سکا۔ چنانچہ ایک روز وہ حق کی تلاش میں نکل کھڑا ہُوا۔ اور ایک غار میں آگ روشن کر کے مراقبہ کی حالت میں بیٹھ گیا۔ آخر اُس کی چشم بصیرت روشن تر ہوئی، نورِ مطلق کی تجلیوں نے اُس کے دل و دماغ کے تاریک گوشوں کو منوّر کر دیا اور وہ اُن لاحل عقدوں کو سُلجھانے کے قابل ہو گیا جو مُدّت سے اُسے پریشان کر رہے تھے۔

زیرِ نظر کتاب کے مُطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ زرتشت نے سب سے پہلی بات

یہ معلوم کی کہ انسان محدود ہے اِس لئے جب تک اس کی رُوح جسم کی قید سے آزاد نہ ہو وہ عقلِ کُل یا الوہیت کے لامتناہ میں مدغم نہیں ہوسکتی۔ اِس کے بعد زرتشت نے انسان کے اجزائے ترکیبی پر غور کیا تو اُسے معلوم ہوا کہ انسان سات اجزا سے مرکب ہے۔ یعنی فانی جسم۔ قوتِ حیات۔ یزدانیت۔ نفسانیت۔ انانیت۔ ادراک۔ اور رُوح اِسی مراقبے کی حالت میں اُس کی قوتِ متصوّرہ کائنات کی وسعتوں کا جائزہ لینے لگی اور اُس نے سوچنا شروع کیا کہ وہ کونسی قوت ہے جو کائنات کے ذرّے ذرّے میں ساری و جاری ہے اور جس نے دُنیا میں حرکت اور زندگی پیدا کر رکھی ہے۔ آخر وہ سمجھ گیا کہ کائنات عبارت ہے دو چیزوں سے۔ ایک طرف نور ہے اور دوسری طرف ظلمت۔ ایک کا نام "یزداں" ہے دُوسری کا "اہرمن"۔ لیکن جب اُس نے تاریکی اور نور کی تقسیم کا ذرا گہری نظر سے مُطالعہ کیا تو اُسے معلوم ہوا کہ وہ روشنی جو ہمیں نظر آتی ہے دراصل تاریکی کی ایک صیقل شدہ صُورت ہے۔ اور اصل نور ہماری نگاہوں سے پوشیدہ ہے اور یہ کائنات دراصل اُسی "مطلق نور" کا پرتو یا سایہ ہے۔

زرتشت اعظم کی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے کہ جب تک انسان دُنیا میں ہے وہ دُنیاوی علائق سے علیحدہ نہیں رہ سکتا۔ اُسے اپنے ساتھیوں کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہیئے جو کُل کا ایک ذرّہ دُوسرے ذرّے کے ساتھ کرسکتا ہے۔ وہ "آرمزد" یعنی فرشتۂ مسرّت کا قائل تھا۔ اُس نے فانی ہونیکی حالت میں فانی چیزوں سے محبّت کرنے کا درس دیا۔

جب زرتشت نے "نورِ مطلق" کو پہچان لیا اور وہ کائنات کے اسرار سے واقف ہوگیا تو تین برس بعد وہ اپنے ساتھیوں میں واپس آگیا۔ اور اپنی زندگی کے آخری سانس تک پجاریوں کی اصلاح و تربیت میں منہمک رہا۔ بعض مؤرخوں کے نزدیک اُس کا زمانہ ۵۵۰ ق م کے لگ بھگ تھا۔

اِس دلچسپ کتاب میں زرتشت اعظم کی زندگی کے اِرد گرد ایک دلآویز رُومان تعمیر کیا گیا ہے اور یہ مُصنّف کا اِنتہائی کمال ہے کہ اُس نے زرتشت اعظم کے بلند کیریکٹر کو کہیں بھی داغدار کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اور منظر کشی، کردار نگاری اور اسلوبِ بیان کے لحاظ سے وہ آرٹ کی اِنتہائی بلندیوں پر پرواز کرتا نظر آتا ہے۔

مجھے مسرّت ہے کہ اِس بلند پایہ ناول کے مُصنّف کو سیّد احسان علی شاہ جیسا مشّاق اور کُہنہ مشق مترجم مِلا ہے۔ ورنہ بہت ممکن تھا کہ وہ تمام خوبیاں زائل ہوجاتیں جو شاہ صاحب نے اپنے ترجمہ میں بوجوہ احسن برقرار رکھی ہیں۔ جناب احسان کے اِس ترجمے کی سب سے بڑی خصوصیّت جس نے مجھے متاثر کیا، یہ ہے کہ آپ نے مُصنّف کی تحریر کا خلاصہ پیش نہیں کیا بلکہ اُن تمام جزئیات وتفصیلات کو اُردو کا جامہ پہنا دیا ہے جن کی طرف فاضل مُصنّف قارئین کا ذہن منتقل کرنا چاہتا ہے۔ اور یہ آسان کام نہیں۔ جن لوگوں کو انگریزی سے اُردو میں ترجمہ کرنے کا اتفاق ہوا ہے وہ جانتے ہیں کہ "متعلق فعل"، "ضمائر" اور "اسمِ صفت" کے لحاظ سے اُردو زبان ابھی عہدِ طفولیّت میں ہے اِس لئے اگر انگریزی کے "ملتف" اور "پیچ در پیچ" جملوں کا ترجمہ کرنے کی کوشش کی جائے تو وہ بے معنی

اور نا قابلِ فہم ہو کر رہ جاتے ہیں۔

جناب احسان کے ترجمے کا کمال یہ ہے کہ آپ نے پیچ در پیچ جملوں کا ترجمہ بھی کیا ہے اور اس کے باوجود وہ معنی و مفہوم کے اعتبار سے انگریزی عبارت کی بہ نسبت بہتر نظر آتے ہیں۔ احسان خود ایک سحر طراز ادیب اور افسانہ نویس ہے اس لئے وہ افسانہ اور ناول کی پیچیدگیوں کو خوب سمجھتا ہے اور اُن پر حاوی ہو جانا اُس کے لئے چنداں مشکل نہیں۔ الغرض یہ ترجمہ اب ترجمہ نہیں رہا۔ بلکہ "اصل" معلوم ہوتا ہے۔ اور اس کے لئے لائق مترجم مستحق تبریک ہے۔ اُمید ہے کہ آپ کی دُوسری تصانیف کی طرح یہ کتاب بھی درجۂ مقبول و معروف ہو گی۔

لاہور، ۸ر اگست ۱۹۴۱ء

شبلی، بی کام

(۱)

بابل کے شاہی محل کا کمرۂ طعام دُلہن کی طرح سجا ہوا تھا کیونکہ آج شہنشاہ بلیشزار اپنے اُمرا کے ہمراہ شراب و رباب سے شغل کرنے کو تھا۔ دعوت کا اِنتظام مکمل ہو چکا تھا!

وسیع و عریض کمرے میں ایک سرے سے لیکر دُوسرے سرے تک سونے کی چادروں سے مڑھی ہوئی لکڑی کی دیو پیکر میزیں بچھی تھیں جن پر ہر وہ چیز موجود تھی جس کے لئے انسانی دماغ میں خواہش پیدا ہو سکتی ہے۔ سونے، شیشے اور شنجرف کے خوبصورت جام، نایاب پھُولوں اور پھلوں سے لدی ہوئی بڑی بڑی طشتریاں قرینے سے چُنی تھیں اور اِن سب سے بڑھکر غروب ہوتے ہوئے آفتاب کی آخری شعاعیں کمرے کے بالائی جھروکوں میں سے ہوتی ہوئیں سنگ مرمر کے چمکیلے فرش کو چھو رہی تھیں، دیواروں کے شفاف سُرخ رنگ پر اِن شعاعوں کی عکاسی اپنے رنگ نچھاور کر رہی تھی اور ان میں سے بعض اُس عظیم الہیئت مجسمہ کے زرتار کپڑوں پر محبت بھرے بوسے ثبت کرتی ہوئی معلوم ہوتی تھی جو اس سارے منظر پر چھایا ہوا محسوس ہوتا تھا۔

فلک شکوہ بنو کدنضر اعظم سر پر تین شہنشاہیوں کا تاج پہنے دائیں ہاتھ میں قوت و صولت کی شمشیر برہنہ اور بائیں ہاتھ میں ابابیت اور زندگی کا پیمانہ تھامے اپنے قاموں کے نیچے جنگی

قیدیوں کی گردنیں دبائے بیٹھا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کی آنکھیں اپنے پر آنے والی افتاد کو دیکھنے کی منتظر ہیں۔ پھولوں پھلوں اور بیش قیمت بادۂ لعلیں کی مشام نواز خوشبوئیں اس کے بڑے بڑے نتھنوں میں ایک سنسنی سی پیدا کرتی ہوئی معلوم ہوتی تھیں اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ مسرت اور نفرت کی ملی جلی ایک ہلکی سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر کھیل رہی ہے۔

اس کوہ پیکر عمارت کے دونوں پہلوؤں میں بڑے بڑے چمکدار ستونوں والے برآمدے تھے جن میں لاتعداد غلام اور قیدی دعوت کے حسن میں اضافہ کرنے کے لئے متعدد قسم کے پھول لیکر ادھر اُدھر پھر رہے تھے اور آپس میں پارسی، ہندی اور مصری زبانوں میں گفتگو کر رہے تھے۔ ان مختلف النوع آوازوں کے پہلو بہ پہلو اُن مہذب لوگوں کی زبان بھی سُنائی دیتی تھی جو اپنے زرد رنگ اور عقاب جیسی تیز نگاہوں کی وجہ سے ان دُھندلی رنگت اور بھدّے خطّ و خال والے غلاموں سے ممتاز نظر آتے تھے ——— اُن غلاموں سے جو حکومت کے لئے نہیں بلکہ محکومیت کی قحبیوں سے زخمی ہونے کے لئے ہی پیدا ہوا کرتے ہیں۔ یہ سب لوگ شام کے بڑھتے ہوئے دُھندلکے میں دعوت کا اِنتظام کرتے پھر رہے تھے اور سورج کی زرد زرد شعاعیں کبھی کبھار ایک مقہور غلام کے معمولی سفید کپڑوں میں زردوزی کا ایسا نفیس کام کرتی تھیں کہ یہی ذلیل کپڑے شہزادے کے ملبوسات کی ہمسری کرنے لگتے تھے۔ ہر ایک میز کی مناسب جگہ پر تین تین مرمر کے اونچے شمع دان رکھے ہوئے تھے جن میں بھدّے تنے سے لیکر نازک سرے تک شاخیں نکلی ہوئی تھیں۔ اِن شاخوں پر جگہ جگہ پیتل کی خوشنما کٹوریاں رکھدی گئی تھیں جن میں خوشبودار تیل اور موم میں بتیاں ڈوبی پڑی تھیں۔ کمرے کے عین قلب میں ایک بلند جگہ پر شاہی تخت رکھا گیا تھا۔ تخت کے گرد و پیش کے ستون قدرے فاصلے پر نصب کئے گئے تھے

اور اس طرح بائیں اور دائیں طرف کی دیواروں کے درمیان ایک چھوٹا سا کمرہ بن گیا تھا جس پر لکڑی کے بڑے بڑے شہتیر چھت کی طرح ڈال دیئے گئے تھے۔ دیواروں کا رنگ سُرخ تھا ـــــ ایسا سُرخ اور چمکدار کہ دیواروں کے پلستر پر کسی نایاب مرمر کی ایک ہی سِل کا گمان ہوتا تھا۔ دیواروں سے ذرا پرے ہٹ کر ستونوں سے نیچے کی دیوار پر ہنوز نذرِ اعظم کی فتیا المثال فتوحات، جشن، قیدیوں اور اس کے درباری امراء اور وزراء کی تصاویر کندہ تھیں لیکن تختِ شاہی کے قریب نہ تو کوئی ستون تھا نہ کسی قسم کی تصویر ہی موجود تھی البتہ ابتدا سے لیکر انتہا تک ایک ہی قسم کا رنگ چڑھا تھا۔ تخت کے قریب بچھی ہوئی میز پر خالص مرمر کا شمعدان تھا جو دوسرے شمعدانوں سے فن کارانہ حُسن کے اعتبار سے بہت زیادہ خوبصورت اور جاذبِ نظر تھا اس کی شاخوں پر پیتل کی بجائے خالص عنبر کے سونے کی کٹوریاں دھری تھیں۔ لیکن ابھی روشنی نہیں کی گئی تھی کیونکہ سورج ابھی تک پوری طرح غروب نہیں ہوا تھا نہ دعوت ہی کا وقت آیا تھا۔

کمرے کے شمالی کونے میں ہنوز نذرِ اعظم کے طلائی بُت کے سامنے خالی جگہ چھوڑ دی گئی تھی۔ جہاں سنگِ مرمر کا صاف شفاف فرش اپنے پورے حُسن کی نمائش کر رہا تھا۔ دو متنفس آہستہ آہستہ چلتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے اور طلائی شہنشاہ کے قریب کھڑے ہو کر اس کے چہرے کی طرف تکنے لگے۔

اِن دونوں کے درمیان ایک طویل عُمر کا فاصلہ تھا۔ ان میں سے ایک طبعی عُمر کی آخری منزلوں تک پہنچا ہوا تھا اور دوسرا ایک سفید رنگ کا چھوٹا سا خوبصورت لڑکا تھا جس کی عُمر چودہ برس سے زیادہ نہ تھی!

بوڑھا آدمی ابھی تک مضبوط معلوم ہوتا تھا اور اس کی داڑھی اور سر کے سفید براق بال

اُس کے مضبوط چہرے اور بلند پیشانی پر شیر کی ایال کی طرح بکھرے ہوئے تھے۔ تفکر و تدبر کی وہ گہری لکیریں جنہیں عُمر کی زیادتی نے اور بھی گہرا بنا دیا تھا ماتھے کی یکساں وسعتوں پر بکھری ہوئی تھیں۔ اس کی بوڑھی آنکھوں سے اب بھی ایسے شعلے لپکتے محسوس ہوتے تھے جو وقت کے دبیز پردوں کو خاکستر بنا کر عدم میں چھپے ہوئے اسرار کو بے نقاب کرنے کی قوت رکھتے ہیں۔ اس کے بائیں ہاتھ میں اس کے سفید براق لبادے کی چنٹیں سمٹی ہوئی تھیں اور دائیں ہاتھ میں آبنوس اور ہاتھی دانت کا ایک خوشنما عصا تھا جس پر یہودی طرزِ تحریر میں مقدس حروف کندہ تھے۔ بوڑھے نے مجسمے کے چہرے سے آنکھیں ہٹا کر پُرمعنی نگاہوں سے اپنے ساتھی کی آنکھوں میں دیکھا گویا آنکھوں ہی آنکھوں میں اُسے اُن خیالات کے اظہار کی دعوت دے رہا تھا جو اس وقت اِن دونوں کے قلوب میں ہیجان بپا کئے ہوئے تھے۔

لیکن نوجوان لڑکے نے زبان تک نہ ہلائی نہ اس کے طرزِ عمل ہی سے معلوم ہوا کہ وہ کچھ کہے گا، بلکہ ساکت و صامت دونوں ہاتھ سینے پر باندھے ہوئے کندرِ اعظم کے بڑے بڑے خدوخال کو بغور دیکھتا رہا۔

وہ چودہ سال کا ایک سرو قد چھریرے بدن کا نوجوان تھا جس کے چہرے مہرے سے بہادری کے آثار نمایاں تھے اس کی جلد سفید تھی اور اس کی رگوں میں ایک شجاع قوم کا خالص خون دوڑ رہا تھا۔ اس کے چہرے کی رنگت سفید تھی جس میں اُٹھتی ہوئی جوانی کے گرم خون نے شنجرف کی آمیزش کر دی تھی۔ اس کے سُنہرے رنگ کے گنجان بال جوانی کی ملائمت کو جلو میں لئے بل کھاتے ہوئے اس کے کندھوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ اس کے مطمئن چہرے پر دیوتاؤں کا سا روپ تھا جس پر صغر سنی کی معصومیت قیامت بن کر کھیل رہی تھی۔ نیلی آنکھیں جن میں سے ایک ماتیر روح جھانک رہی تھی۔ کچھ اداس سی معلوم ہوتی تھی لیکن مرمر جیسی سفید پیشانی کی حسین سطحوں پر

تشویش یا قلبی ہیجان کا کوئی نشان نہ تھا۔ ایک سفید رنگ کا جُبّہ زیب تن تھا جس کے حاشیے پر سُنہرے رنگ کے بیل بُوٹے کاڑھے گئے تھے اور سفید رنگ کا سُوتی ایرانی پائجامہ تھا جس پر مختلف رنگین ریشمی ڈوروں سے پھُول وغیرہ کڑھے تھے۔ اس کے سر پر ململ کی چھوٹی سی مخروطی ٹوپی تھی جس کے بالائی کنارے کلف سے سخت کر دیئے گئے تھے۔ اِس ٹوپی پر چاندی اور سونے کی تاروں سے نہایت نفیس کام بنا ہُوا تھا۔ لیکن بوڑھے کے سر پر اس کے سفید بالوں کے سوا کچھ نہ تھا اور اس کا سفید لبادہ اس کے لباس کی تمام جزئیات کو آغوش میں سمیٹے ہوئے تھا۔

اس نے پھر اپنے ساتھی کی طرف دیکھا اور یہودی زبان میں کہا:۔

"بنوکد نذر اعظم اپنے اجداد کے ساتھ جا ملا اور اس کے بیٹے نے بھی وہی رستہ اختیار کیا۔ اب بنونانند بیلشزار تختِ حکومت پر متمکن ہے لیکن میں ابھی تک زندہ ہوں۔ جب بنوکد نذر نے ہماری سلطنت ہم سے چھینی اور غلامی کا طوق ہماری گردنوں میں ڈال کر ہمیں ایک ذلیل قیدی کی طرح بابل میں لایا اُس وقت بھی میں موجود تھا۔ اور اب جبکہ اس کا پوتا حکومت کی باگ ڈور ہاتھ میں لئے ہے میں یہ تمام مصائب برداشت کر رہا ہوں۔ چوہتر سال ــــ کتنا طویل عرصہ! زرتشت! میں آج تک مصائب ہی برداشت کرتا رہا ہوں اور شاید چند سال اور مجھے اسرائیلیوں کا نام زندہ رکھنا پڑے۔"

بوڑھے آدمی کی آنکھوں میں ایک خاص چمک پیدا ہو گئی اور اس کے جسم میں قیامت کی قوت انگڑائیاں لیتی ہوئی نظر آنے لگی۔

"دانیال نبی! خدائے قدوس کے مقدس راہب! یہ تو فرمائیے کہ آج یہ سونے کا بُت خلاف معمول مُسکراتا ہُوا کیوں نظر آتا ہے؟ کیا اُس خواب کی میعاد پوری ہو گئی جو آپ نے شوشان میں دیکھا تھا اور کیا بادشاہ کی رُوح مسرور ہے؟ میرے خیال میں آج سے قبل تو

اِس مجسمہ کا چہرہ ایسا پاکیزہ دکھائی نہیں دیتا تھا ـــــ مجھے یقین ہے کہ اِس دعوتِ نوشانوش نے اِسے بھی خوش کر دیا ہے ـــــ بادشاہ کا چہرہ بشاش معلوم ہوتا ہے۔"

"ایسا نہیں ہے بلکہ اِسے اپنی نسل اور سلطنت کی بربادی پر متاسف ہونا چاہیئے۔" دانیال نبی نے نفرت آلود لہجے میں کہا۔ "ان کے دِن پورے ہو چکے۔ موت اِن کے دروازے پر دستک دینے کے لئے ہاتھ اُٹھا رہی ہے۔ اور وہ لمحہ بہت قریب ہے جب بابل کے پتھروں کو بیلشزار کے کائنات سوز گناہوں سے پناہ مانگنے کے لئے چلّانے کی ضرورت نہ رہے گی ـــ اور نہ ہی بابل کے لوگوں کو بال کے آگے پیشانی گھسٹنی پڑے گی کہ وہ بنوکدنضر کو دوبارہ زندہ کر دے یا کوئی پارسی یا میڈی حاکم بھیجے جس کے ہاتھوں میں بدکاری کی تلوار کی جگہ اِنصاف کا ترازو ہو۔"

"اُستادِ محترم! کیا حضور نے یہ سب باتیں ستاروں کی جبیں پر کندہ دیکھی ہیں یا رات کی تاریکی میں خواب کی صورت میں ملاحظہ فرمائی ہیں۔" لڑکا معمر نبی کے قریب آ گیا اور دھیمی لیکن پُراثر آواز میں بولا۔ مگر دانیال نے اپنا سر جُھکا کر آبنوسی عصا پر ٹیک لیا اور کافی دیر تک اِسی طرح کسی گہرے خیال میں مستغرق رہا۔

"مَیں نے بھی ایک خواب دیکھا ہے۔" زرتشت نے چند لمحے توقف کے بعد کہا۔ "یہ خواب میرے ذہن پر بُری طرح سے حاوی ہے یہاں تک کہ میری طبیعت میں ایک عجیب قسم کی بےچینی پیدا ہو گئی ہے۔ وہ خواب کچھ اِس قسم کا ہے۔" وہ رُک گیا اور کمرے کے آخری سرے پر محرابدار دروازے میں دیکھنے لگا۔ مشرقی میدانوں کو الوداعی بوسے دیتا ہوا آتشیں سورج اپنی ساری تابانیاں اس پر مرتکز کر رہا تھا اور زرتشت عمارت کے دُھندلکے میں سمٹی ہوئی میزوں، اشیائے خوردنی اور اِدھر اُدھر انہماک سے پھرتے ہوئے ملازموں کے درمیان ایک

نمایاں شخصیت معلوم ہونے لگا۔ لیکن دانیال اُسی طرح اپنے عصا پر جُھکا رہا۔ نہ اس نے کوئی بات کہی اور نہ ہی اس کے انہماک میں کوئی نمایاں فرق پیدا ہُوا۔

"مَیں نے دیکھا" زرتشت بولا۔ "چاروں طرف تاریکی مسلط ہے اور فضا جنگی نعروں اور ہتھیاروں کے ٹکرانے کی آواز سے گونج رہی ہے۔ بہادروں کے فاتحانہ نعرے ہر طرف سنائی دے رہے ہیں اور پہلوان ایک دُوسرے پر فتح پانے اور اپنی طاقت و عظمت کا سکّہ بٹھانے کے لئے لڑ رہے ہیں۔ پھر یکایک منظر بدل گیا۔ دِن کی روشنی رات کی تاریکی پر غالب آگئی اور مَیں نے دیکھا کہ بیسیوں، سینکڑوں نہیں ہزاروں مرد اور حسین عورتیں پا بجولاں کسی دُور افتادہ مُلک کی طرف جا رہے ہیں۔ اور مَیں نے ایک لڑکی کا چہرہ دیکھا۔ اس کا چہرہ آپ کی قوم کی حسین ترین عورت جیسا خوبصورت تھا۔ میرا دِل دھڑک اُٹھا۔ مَیں بیقرار ہو گیا اور قریب تھا کہ مَیں ایک قیدی کی حیثیت سے اس کے ساتھ ہو لوں کہ یکایک تاریکی کا ایک دَل بادل اُٹھا اور آن کی آن میں ساری کائنات کو محیط ہو گیا وہ حسین صورت اسی تاریکی میں کھو گئی اور دوبارہ نظر نہیں آئی۔ یہی وجہ ہے میرا دِل اب تک مضطرب ہے اور مَیں تمام دِن پریشان حال مارا مارا پھر رہا ہوں۔"

لڑکے کی آواز فرطِ گریہ سے کانپ اُٹھی۔ سُورج میدان کے انتہائی گوشوں میں خاموشی سے ڈُوب گیا اور دُور سے موسیقی کا ایک طوفان اُمنڈتا ہُوا سا محسوس ہونے لگا۔

دانیال نے اپنا سر آہستہ آہستہ اٹھایا اور متوحش نگاہوں سے اپنے نوجوان ساتھی کا چہرہ دیکھا!

"کیا تم نبی بن سکتے ہو؟" اُس نے پوچھا۔ "تم جو حسین عورتوں کو خواب میں دیکھتے ہو اور عورت ذات کی محبت میں دیوانہ ہو گئے ہو؟ میرے بچے! کیا تمہارا یہی خیال ہے کہ جوانی کے تُند و تیز طوفانوں میں عورت کا ہاتھ تمہیں سہارا دے سکتا ہے اور کیا غرور و نخوت کے آسمان گیر نعروں میں

خدائے آسمانی کی آواز سُنائی دے سکتی ہے؟ پیشینگوئی کرو! اگر تم میں خوابوں کی تعبیر بتانے کی قوت ہے تو اپنے اِس خواب کو معنی پہناؤ! آؤ چلیں! بادشاہ آیا چاہتا ہے اور آج کی رات کا تھوڑا سا حصّہ ڈاکوؤں اور اپنی روح کو عیاشی کی بھینٹ چڑھانے والوں کے لئے وقف ہے ہمارا اس میں کوئی حصّہ نہیں۔ بس نے بھی ایک خواب دیکھا ہے۔ چلو چلیں!"

مغنیس نبی سیدھا کھڑا ہوگیا۔ اس نے دائیں ہاتھ میں اپنا عصا تھاما اور آگے آگے چلنے لگا۔ زرتشت نے اُسے بازو سے پکڑ لیا گویا اسے رُک جانے کے لئے کہہ رہا ہے۔

"اُستادِ محترم بتائیے" اس نے گڑگڑا کر ملتجیانہ انداز سے کہا۔ "اپنا خواب کہہ سُنائیے۔ شاید ہم دونوں کے خواب ایک دُوسرے سے ملتے ہوں۔ شاید اِس مُلک میں فساد اور جنگ کے طوفان پھر اُٹھیں"۔

لیکن دانیال نبی خاموشی سے چلتا رہا اور پارسی زرتشت بھی اس کے ساتھ ساتھ کمرے سے باہر نکل گیا۔ وہ موجودہ حالات اور آنے والے واقعات کے متعلق غور کر رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس کے اِس خواب کا کیا مطلب ہے اور اس کے دوست اور اُستاد کی خاموشی کیا معنی رکھتی ہے۔

شام کا ہلکا ہلکا دُھندلکا رات کی گہری تاریکی میں ڈوب گیا۔ شمعدان جلائے گئے اور دُھندلی دُھندلی گرم روشنی کے پہلو بہ پہلو مشام نواز خوشبوؤں نے بڑھکر کمرے کے ہر ذرّے پر تسلّط جما لیا۔ میزوں کی لامتناہی قطاروں کی انتہائی حدود تک دعوت کا سامان مکمل ہو چکا تھا اور باغ میں سے موسیقی اور باجوں کی آواز کمرے میں داخل ہو کر میزوں پر منڈلاتی ہوئی محسوس ہونے لگی گویا مہمانوں کے استقبال کے لئے آگے آگے چلی آ رہی ہے۔ بانسریوں اور نفیریوں کی سامعہ نوازیاں اور طبل کی گمک قریب تر آگئی۔ ان سب سے بڑھکر شینار کے بہترین

گویوں کی آواز سُنہری دُھوپ کے دیوتا بال کو مقدس بھجنوں کے درمیان اُسے الوداع کہہ رہی تھی۔

پہلے بال کے پُجاری دو دو کی ٹولی بناتے ہوئے داخل ہوئے۔ یہ سفید لبادے اور سفید پائجامے پہنے سر پر پُجاریوں کی ٹوپی اوڑھے ہوئے تھے اور ان کی لمبی لمبی ڈاڑھیاں ریشم کے لچھوں کی صورت میں ان کے سینوں پر بکھری ہوئی تھیں۔ ان کے درمیان بڑا پُجاری ایک خاص وقار کے ساتھ آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتا ہوا آ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں زمین پر گڑی ہوئی تھیں اور اس کے ہاتھ مقدس انداز میں سینے پر بندھے ہوئے تھے۔ بڑے پجاری کا سانولا چہرہ سیاہ مرمر کی طرح خاموش اور مطمئن تھا۔ ان کے دونوں طرف قربانی کی رسوم ادا کرنے والے اپنے پیشے کے خاص ہتھیاروں چھڑی، کلہاڑے، رسّی اور طشتری میں سلگتی ہوئی آگ کے ساتھ مسلح چلے آ رہے تھے۔ ان کے ہاتھ اُن لوگوں کے خون میں رنگے ہوئے تھے جنہیں ابھی ابھی قربان کیا گیا تھا۔ بال کے یہ پُجاری مضبوط جسم اور وسیع پیشانیوں والے شاندار لوگ تھے ـــــ قربانی کے طاقت بخش گوشت اور سرور انگیز شرابوں سے جو اُن کی روزانہ خوراک تھی یہ لوگ خوب توانا ہو گئے تھے۔

پُجاریوں کے بعد شہر کے سو منتخب سازندوں کا جھرمٹ تھا جو دس دس کی ٹولی میں ایک دُوسرے کے پیچھے ایک عجیب قسم کے لرزہ خیز ترنّم کے زیر و بم سے موسیقی کی موجیں اُچھالتے ہوئے آہستہ آہستہ چلے آ رہے تھے۔ جب سازندے کمرے میں داخل ہوئے تو سیمیں زیورات اور حیرت انگیز شکل کے باجوں پر شمعدانوں میں سے دُھندلی روشنی نکل نکل کر جگمگانے لگی۔

ان کے عقب میں گویّوں کا گروہ تھا۔ ان میں عاشور کے بہتر بھجن گانے والے دوسو کمسن لڑکے سو نوجوان اور سو عمر رسیدہ مرد شامل تھے۔ یہ سب دس دس کی قطاریں ساز کی

گیتوں پر گاتے اور ایک ساتھ قدم اُٹھاتے سمندر کی موجوں کی طرح بڑھے چلے آرہے تھے!

"دِن پر حکومت کرنے والا قوی، اپنی شان و عظمت میں نرالا اور اپنی تپش پر مغرور۔"

دُنیا کی تاریکیوں میں روشنی کے بڑے بڑے قمقمے پھینکتا ہُوا موت کو زندگی میں بدلتا ہُوا۔

کھیت اور پگڈنڈی پر بیجوں کو بلند قامت درختوں میں بدلتا ہُوا۔ انسان کے دِل کو اپنی مسرّت سے مسرور کرتا ہُوا شفق پر سوار ہُوا۔

بال ـــــ شہزادہ ـــــ شہنشاہوں کا شہنشاہ!

اس کے شعلہ آب بال۔ نور کے فوارے اور اس کی داڑھی کے لمبے لمبے بال۔

بل کھا کر جان پرور تپش کے بادل بن گئے اور آسمانوں کو روندتے ہوئے ساری کائنات پر بکھر گئے۔

کون ہے جو اس کے خوفناک اور دہشت افزا چہرے کی تاب لاسکے جب وہ زمین کو نگل لیتا ہے۔

جب وہ اِنسان اور حیوان سے ناراض ہو کر پیچ و تاب کھاتا ہے اور قُربانی کی طلب فرماتا ہے۔

بال ـــــ شہزادہ ـــــ شہنشاہوں کا شہنشاہ!

وہ اپنی تین آسمان گیر الاؤ میں صبح سے دوپہر اور دوپہر سے شام تک سارا آسمان طے کر لیتا ہے۔

اور آخر آسمان کے آخری کنارے پر دعوت اور قُربانی قبول کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔

پھر وہ اُس گلابی شراب کے اُس گہرے اور کف در دہن سمندر پر چلتا ہے جو مغرب میں ہے۔

نیبنار اس کے سامنے بچھا ہُوا ہے ـــــ دسترخوان کی طرح بچھا ہُوا ہے اور عاشور اس کی جگہ ہے۔

بال ـــــ شہزادہ ـــــ شہنشاہوں کا شہنشاہ!

اس کے لئے تازہ گوشت لاؤ، اسے آگ پر بھونو اور اس پر نمک چھڑکو۔

اس کے لئے شراب کی رُوح انڈھیلو، مٹکوں کے مٹکے اور جام پہ جام اُس شراب کی رُوح جو خاص اُسی کے لئے تیار کی گئی ہے۔

گاؤ ـــــ اور گاؤ ـــــ اس کی مدح کے گیت، اس کی عظمت کے گیت، تاکہ وہ مسرور ہو ـــــ ہماری قربانیوں کو چکھے اور ہمارے شام کے گیت سُنے۔

بال ـــــ شہزادہ ـــــ شہنشاہوں کا شہنشاہ!

اس طرح! جب وہ شام کے وقت آرام فرماتا ہے تو دُنیا پر اس کی بارش ہونے لگتی ہے۔

آسمان کی بلندیوں پر جہاں اس کے قدم اسے لیکر گئے ہیں اس کے نقوشِ پا ابھی تک جگمگا رہے ہیں۔

جہاں دِن نے اس کا رُوح پرور لمس محسوس کیا وہاں رات بھی ستاروں میں پھوٹ پڑی۔

یہ آسمانی پھول ہیں، غُنچوں کے ہار ہیں جو اس کے تاج کے لئے گوندھے گئے ہیں۔

بال ـــــ شہزادہ ـــــ شہنشاہوں کا شہنشاہ!

خوش آمدید، زمین کے شہنشاہ خوش آمدید، بیلشزار خوش آمدید ـــــ ابد تک زندہ رہو۔

مقدس دیوتاؤں کی اولاد، قوموں کے شہزادے، دُنیا کے حاکم۔

اے دُنیا والو جُھک جاؤ ڈرو اور پرستش کرو، جُھک جاؤ اور اپنی بندگی کا اعتراف کرو۔

بال کا شہزادہ بادشاہوں کا بادشاہ!

ساز ندے اور گویئے ساز بجاتے اور بھجن گاتے آہستہ آہستہ پُجاریوں کی طرح مجسّمہ کے قریب ہو کر خالی جگہ پر کھڑے ہو گئے۔ لیکن بڑا پُجاری تن تنہا سب سے نچلی سیڑھی پر کھڑا رہا۔

اِن دو رویہ صفوں کے درمیان شاہی جلوس گذرا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سفید کناروں کے درمیان سونے، لعل اور جواہر کا ایک متلاطم سمندر بہہ رہا ہے۔ بابل کے ایک ہزار عظیم المرتبت اُمراء دس دس کے پُرشکوہ گروہوں پر منقسم تھے اور ان سب کے درمیان شاہ بیلشزار اپنے مُشکی گھوڑے پر متمکن تھا۔ اس کے سر پر سفید ململ کا سہ گانہ بادشاہوں کا مرصع تاج، تھا اور دائیں ہاتھ میں سلطنت کی طلائی شمشیر تھی! اُمراء اور بادشاہ کے عقب میں توانا غلام تھے جو اپنے مضبوط کندھوں پر پالکیاں اُٹھائے ہوئے تھے جن میں اسیریا کی حسین ترین عورتیں بیٹھی تھیں۔ سب سے آخر میں محافظ نیزہ برداروں کا ہجوم تھا جو طلائی زرہ بکتروں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ان کے کشادہ سینوں پر شاہی نشانات لگے ہوئے تھے اور اُن کی ڈاڑھیاں سپاہیانہ انداز میں ترشی ہوئی تھیں۔

جب نور کے گلے والے لوگوں نے مقدّس بھجن کا آخری دُہرا پُرسوز آواز میں گایا اُس وقت شاہ بیلشزار مجسّمہ کے سامنے آ چکا تھا۔ یہاں پہنچ کر اس نے راسیں کھینچ لیں اور اپنے گھوڑے پر

بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔ جب بڑے پجاری کے اشارے پر موسیقی بند کر دی گئی تو اُمرا، وزرا اور پجاری بادشاہ کے سامنے اِس طرح جھک گئے جس طرح دانوں سے بھرے ہوئے پودے ہوا کے سامنے اپنے اپنے کھیتوں میں سرنگوں ہو جاتے ہیں۔ اُمراء، سازندے، گویّے، نیزہ بردار سب یکلخت سجدے میں گر گئے۔ کہاروں نے اپنا بوجھ زمین پر رکھ دیا اور شہنشاہ کی قوت و عظمت کے سامنے سرنگوں ہو گئے۔ پالکیوں میں بیٹھی ہوئی حسین عورتوں نے اِتنا سر جھکایا کہ ان کے خوبصورت چہرے باریک دوپٹوں کی اوٹ میں چھپ گئے۔

کمرے کا ہر متنفس سرنگوں تھا اور بادشاہ اپنے گھوڑے پر بے حس و حرکت ایک پُرشوکت مجسّمے کی طرح بیٹھا تھا۔ شمعدانوں میں سے نکلتی ہوئی روشنی کی دُھندلی دُھندلی شعاعیں اس کے چہرے پر کھیل رہی تھیں جس سے اس کی تنفّر آمیز مُسکراہٹ اور بھی بھیانک بن گئی تھی اور اس کی اندر کو دھنسی ہوئی آنکھیں سائے میں آ گئی تھیں۔

ایک لمحہ کے لئے محل کے ہر ذرّے پر خاموشی مسلّط رہی اور ہلکی ہلکی نسیم صبحگاہی اپنے جھونکوں میں گلاب کی مست خوشبوئیں سمیٹے اِس خاموش اور سربسجدہ ہجوم پر سے اِس طرح گذرتی رہی گویا زمین بھی بیلشزار کی قوت و عظمت کا اعتراف کرنے کے لئے خوشبوئیں بھینٹ کر رہی ہے۔

چند لمحے توقف کے بعد لوگوں نے سجدے سے سر اُٹھائے اور دونوں طرف سمٹ کر کھڑے ہوئے۔ بادشاہ گھوڑے پر سوار سیڑھیوں تک پہنچا اور گھوڑے سے اُتر کر دعوت کی طرف چلا۔ بڑا پجاری اس کے پیچھے پیچھے تھا اور اس کے بعد اُمراء، رؤسا، شہزادے اور حسین عورتیں دھیرے دھیرے سیڑھیوں پر چڑھتے ہوئے ایک پُرشکوہ سمندر کی لہروں کی طرح دعوت کی طرف بڑھے اور پھر لاتعداد میزوں پر بکھر گئے۔ یہانتک

کہ ہنوکلدنذرِ اعظم کے عظیم الجثہ مجسمہ تک جا پہنچے۔ یکایک مجسمے کے قریب سے رُوح نواز گانے کی دھیمی آوازیں سُنائی دینے لگیں۔ غلام اور مُلازم اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر تیزی کے ساتھ آنے جانے لگے۔ سیاہ فام حبشی غلاموں نے پام کے پتّوں کے پنکھے ہلائے ـــــ دعوت شروع ہوئی۔

یہ ایک شاندار شاہانہ دعوت تھی جس میں آنے والے لوگوں کے دل خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے اور اسیریا کی حسین عورتیں اپنی آنکھوں سے ایسے میٹھے اور پیارے افسانے کہہ رہی تھیں جو آج سے پہلے کبھی بھی سُنائی نہیں دیئے تھے اور جو انسانی جذبات مشتعل کرنے میں مشرقی شراب سے کہیں تیز اور قوی تھے۔ یہاں تک کہ سیاہ فام بادشاہ بھی جس کا جسم اور آنکھیں بے اعتدالی کی حد تک بڑھی ہوئی عیاشی کی نذر ہو چکی تھیں مُسکرایا۔ یہ ٹھیک ہے کہ پہلے اس کی یہ مُسکراہٹ زہر خند کی حدوں سے متجاوز نہ ہو سکی تھی تاہم آہستہ آہستہ شراب کے لمبے لمبے گھونٹوں نے اسے حقیقتاً بے فکرا اور مسرور بنا دیا۔ مئے گلفام نے اس کے رگ و پے میں جوانی کی قوتیں بھر دیں، اس کی انگلیاں پہلے سے زیادہ مضبوط ہو گئیں، اور کئی دفعہ اپنے قریب بیٹھی ہوئی حسین شہزادی کے کاکل مشکیں کو کانپتی ہوئی انگلیوں سے چھیڑتا رہا۔ اس کی کسی بات نے بیلشزار کے ذہن میں ایک نئے خیال کی تخلیق کی!

"کیا آج جشنِ فتح نہیں" اس نے یکلخت اپنی ڈوبتی ہوئی رُوح میں بالیدگی محسوس کر کے بلند آواز سے کہا، اور سب لوگ بادشاہ کے الفاظ سُننے کے لئے خاموش ہو گئے۔ "کیا آج کا دن وہی مُبارک دن نہیں جب میرے آقا نے اسرائیلیوں کے دانت کھٹے کئے تھے اور ان کے زر و جواہر سمیٹ لئے تھے، وہ پیالہ میرے سامنے حاضر کیا جائے جو ان کافروں کے مندر میں رکھا تھا تاکہ میں اس میں شراب پیوں اور دیوتاؤں کے دیوتا بال کی درگاہ میں شراب

نذر کروں!"

مہتمم مال خانہ شاہ کے تیور دیکھ کر سمجھ چکا تھا کہ کیا حکم ہونے کو ہے۔ اِس لئے اس نے تمام انتظام پہلے ہی کر رکھا تھا۔ چنانچہ شاہنشاہ کی زبان سے الفاظ ابھی ادا ہی ہوئے تھے کہ اُن کی تعمیل بھی ہوگئی۔ غلاموں کی ایک طویل قطار اپنے سفید رنگ کے کپڑوں سے شاہی تخت کے چوگردہ کھچی ہوئی سُرخ رنگ کی دیوار کے خلاف ایک لطیف تضاد پیدا کرتی ہوئی انواع و اقسام کے ظروف ہاتھوں پر اُٹھائے مؤدّبانہ تخت شاہی کے سامنے کھڑی ہوگئی۔

"اراکین محفل میں یہ سارے پیالے بانٹ دیئے جائیں" بادشاہ نے بلند آواز سے فرمایا "یہاں تک کہ میرے معزز مہمانوں میں سے ہر ایک کو ایک ایک پیالہ یا ایک ایک صراحی پہنچ جائے"

ارشادِ عالی کی تعمیل فوراً عمل میں آئی۔ شہنشاہ کے مخصوص ساقی نے ایک خاص ادا سے عقیدت کے ساتھ پھر کر اُس بڑے قدح کو شراب سے لبالب بھر دیا جو شاہنشاہ کے ہاتھوں میں تھا۔ غلاموں نے بعجلت تمام ہر مہمان کے ساغر و مینا کو شراب معطر سے چھلکا دیا۔

اِس عرصے میں اُمراء اور شہزادوں نے پیالوں کی عجیب و غریب ساخت کا مضحکہ اُڑایا اور چند حریص نگاہوں نے سونے اور چاندی کی مقدار اور فن کاری کے کمال کو للچائی ہوئی نگاہوں سے دیکھا۔ اِس طرح بیت المقدّس کے پاکیزہ ظروف محفل کے ہر مرد اور ہر عورت کے ہاتھوں میں پہنچ گئے۔ اِس کے بعد شاہ بیلشزار اپنے دونوں ہاتھوں میں وہ عظیم الہیئت قدح تھامے ہوئے اُٹھا اور اس کے ساتھ ہی محفل کا ہر فرد سرو قد کھڑا ہوگیا تاکہ دیوتا بال اور اس کے شہزادے بیلشزار کی شان کے صدقے میں شراب پی جائے۔ دفعتہً لطیف خوشبوؤں سے لدی ہوئی فضا میں ایک بلند آہنگ نغمہ گونجا اور غلاموں نے پھول کی عطر بار مِن بتیوں

اور خوشبودار عرق کی بارش کر دی۔

دروازے پر موت کا بھیانک فرشتہ بابل کے پتھروں پر اپنی خونچکاں تلوار تیز کر رہا تھا۔ لیکن بیلشزار اپنے اندھے غرور کے نشے میں گم بیت المقدس کا ظرف اطہر اپنے ناپاک ہاتھوں میں لئے کھڑا تھا۔ چند لمحوں کے بعد اس نے اپنی بلند ترین آواز میں امیروں، شہزادوں اور نازنینوں کے گروہ کو مخاطب کیا جو کمرۂ طعام کی وسیع و عریض میزوں کے اردگرد کھڑی تھیں۔

"میں۔ بیلشزار، شاہِ بابل اپنے بزرگوں کی چھت تلے کھڑا ہو کر یہ اعلان کرتا ہوں کہ میں یہ شراب بال دیوتا کی شوکت و حشمت کے نام پر پیتا ہوں اور اسی کے نام پر انڈیلتا ہوں۔ وہ بال جو سب سے بڑا خدا ہے جس کے سامنے شمال اور جنوب، مشرق اور مغرب کے دیوتا آندھی میں ناچتے ہوئے ناچیز ذرّاتِ ریگ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ وہ بال جس کی کائنات گیر قوتوں کے سامنے مصر کے چھوٹے دیوتا ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اور جس کے عظمت و جلال کو دیکھ کر اسرائیلیوں کا خدا میرے آقائے محترم بنوکد نذر اعظم کے زمانہ میں کانپ اٹھا اور ذلیل ہو گیا۔ بابل کے امیرو اور شہزادو! ہم تمہیں، تمہاری بیوؤں اور تمہاری نازک اندام کنیزوں کو حکم دیتے ہیں کہ تم بھی اسی طرح اپنے دیوتا بال اور اپنے بادشاہ بیلشزار کی قوت و شوکت کے نام پر شراب پیو اور انڈیلو!"

یہ کہہ کر وہ ایک کونے میں چلا گیا اور شراب کے چند قطرے مرمریں فرش پر گرا دیئے پھر وہ پلٹا اور حاضرینِ محفل کی طرف منہ کر کے پیالے کو ہونٹوں سے لگا شراب کے لمبے لمبے گھونٹ پینے لگا۔ لیکن محفل میں سے ایک بلند آہنگ غلغلہ اٹھا!

"جگ جگ جیو میرے شاہ! جگ جگ جیو شاہنشاہوں کے شاہ! اے قوی

دیوتا بال کے شہزادے ابد تک تیری حکومت قائم رہے۔" یہ فلک گیر شور کوہ پیکر ستونوں کے درمیان معلق شدہ مہکی ہوئی ہواؤں کو چیرتا ہوا بلند چھت تک پہنچ گیا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بادشاہ کی حمد و ثنا کے یہ ترانے دیواروں اور چھتوں کو لرزائے دیتے ہیں۔

بیلشزار نے آہستہ آہستہ اُس بڑے قدح میں بھری ہوئی شراب کا آخری قطرہ پی لیا۔ اُس کی نیم باز آنکھیں گلہ پھاڑتے ہوئے ہجوم کو دیکھ رہی تھیں اور وہ شاید اپنی توصیف و ثناء کا شور سُن سُن کر اپنی عادت کے مطابق پیالے کی اوٹ میں ناک بھوں چڑھا رہا تھا۔ شراب پی کر اس نے آہستہ سے پیالہ ایک طرف رکھ دیا اور اوپر دیکھا۔ لیکن دیکھتے ہی وہ ڈگمگا گیا، اس کا رنگ فق ہو گیا وہ گرا چاہتا تھا کہ اس نے گھوم کر اپنے پیچھے کھڑی ہوئی ہاتھی دانت کی کرسی کا بازو پکڑ لیا۔ اب وہ کھڑا تھا۔ لیکن اُس کا ایک ایک عضو شدّتِ خوف سے کانپ رہا تھا، اس کے گھٹنے ایک دُوسرے سے ٹکرا رہے تھے، اس کی آنکھیں اُبلی پڑتی تھیں اور خوف نے اس کے چہرے پر لتنے گہرے نقوش بنا دیئے تھے، خوف کی شدّت سے اس کا چہرہ اس قدر متغیر ہو گیا تھا کہ پہچاننا مشکل ہو گیا۔

اُسے اپنے مقابل کی سُرخ دیوار پر ایک مضبوط ہاتھ کی اُنگلیاں دیوار پر کچھ لکھتی ہوئی نظر آتی تھیں۔ اس کی آنکھیں دھوکا نہیں کھا رہی تھیں۔ مضبوط گرہ دار اُنگلیوں کی ہر جنبش کو نمایاں طور پر دکھا رہی تھیں۔ آنکھوں کو چندھیا دینے والی روشن اُنگلیاں اپنا کام کرتی رہیں اور سامنے کی سُرخ دیوار پر بڑے بڑے آتشیں حروف کندہ ہو گئے۔ یہ بھڑکتے اور لپکتے ہوئے شعلے غضبناک بجلیوں کی طرح دیکھنے والوں کی بصارت پر

جھٹپٹے معلوم ہوتے تھے۔ حروف میں سے لپکتے ہوئے شعلوں نے اِس مسرور و مطمئن جماعت کو خوف اور دہشت کے حاویہ میں جھونک دیا۔ وہ دہشت سے منجمد ہو گئے کیونکہ وہ زبردستی ایک ایسی ہستی کے روبرو بُلا لئے گئے تھے جس کا سایہ بدیت ہے، موت ہے!

مجمع پر موت کی سی ہمہ گیر خاموشی مسلط ہو گئی اور اسی جامد فضا میں وہ خوفناک ہاتھ اپنا ہولناک پیغام کندہ کر کے غائب ہو گیا۔ لیکن وہ آتش بہ پیراہن حروف اب بھی دہکتے ہوئے انگاروں کی طرح دیوار پر موجود تھے اور اپنی خیرہ کن روشنی سے آنکھوں میں اُترے جاتے تھے۔

یہ تھے وہ حروف جو چالڈی زبان میں کندہ کئے گئے تھے۔

س و ٹ م م۔ اِ پ ک ن ن ۔ ن ر ل ا ا۔

آخر آہستہ آہستہ بادشاہ کی قوتِ گویائی پھر عود کر آئی اور اس نے وحشی درندوں کی طرح چنگھاڑ کر حکم دیا کہ تمام منجموں، جوتشیوں اور رمالوں کو حاضر دربار کیا جائے بادشاہ سخت خائف تھا اور اُسے ڈر تھا کہ کوئی نہ کوئی خوفناک حادثہ عنقریب ظاہر ہونیوالا ہے۔

"جو شخص بھی اِس زہرہ گداز تحریر کو پڑھے گا" اس نے بدلی ہوئی اور ٹوٹی ہوئی آواز میں کہا۔ "اور ہمیں اس کا مطلب سمجھانے میں کامیاب ہو گا، سُرخ خلعت اور طلائی زنجیر سے سرفراز کیا جائیگا اور وہ سلطنت میں بادشاہ سے تیسرے درجے کا آدمی متصور ہو گا۔"

اِس عام گڑبڑی اور ابتری میں عاملوں کو شاہنشاہ کے سامنے پیش کر دیا گیا۔

(۲)

دانیال نبی اپنی انتہائی پیرانہ سالی کے زمانے میں مادیا کے شہر اکبانتا میں سکونت پذیر تھا۔ اس نے قلعۂ شہر کی سات دیواروں کے اندر ایک بلند چٹان پر اپنے لئے ایک مینار بنوایا تھا۔ جس کے شمال میں گھنے جنگلات سے ڈھکی ہوئی پہاڑیاں، جنوب میں میدان، مشرق میں دریا اور مغرب میں کوہِ زاغراز تھا۔ اس کی زندگی تقریباً ختم ہو چکی تھی اور وہ سو کے لگ بھگ تھا۔ آج سے سترہ سال قبل اس نے بابل کے کمرۂ طعام میں کندہ شاہ آتشیں حروف کا مطلب بیان کیا تھا اُسی رات کو مغرور بنونا نذر بیلشزار موت کے گھاٹ اُتارا گیا تھا اور سلطنت اشوریہ آخری ہچکی لے کر ہمیشہ کے لئے ماضی کے خوفناک دُھندلکوں میں روپوش ہو گئی تھی۔ سیرس اور کیمبیسس کے زمانۂ حکومت میں اُسے متعدد دفعہ صوبائی حکومت کا بوجھ اپنے کندھوں پر اُٹھانا پڑا تھا اور عرق ریزی و دماغ سوزی کرنا پڑی تھی۔ لیکن اتنی جسمانی اور دماغی مشقت اور اتنی عمر کے باوجود اس کا ذہن آئینے کی طرح صاف تھا اور اس کی آنکھوں میں اب بھی وہی رُوحانی چمک چمکتی ہوئی نظر آتی تھی۔ البتہ عمر نے اس کے وقیع جثہ پر تھوڑا بہت اثر کیا تھا۔ وہ تناور جسم قدرے اور جُھک گیا تھا اور چال میں بھی سُستی پیدا ہو گئی تھی۔

وہ شمالی اکبانتا میں اپنے خود ساختہ مینار پر رہتا تھا۔ قلعہ کے رہائشی محلات کے عین قلب میں اس نے اِس مینار کی بُنیادیں اُستوار کی تھیں۔ منزل پر منزل بنی۔ ستونوں کی لاتعداد قطاریں قائم کی گئیں، سیاہ مرمر کے متعدد چھجے بنائے گئے اور مینار کو بُنیاد سے لے کر اس کی بلند ترین چوٹی تک نقش و نگار سے اِس طرح مرصّع کیا گیا کہ اِس سخت اور شفاف کوہِ مرمر کا ہر پہلو سیاہ جواہر سے جڑا ہُوا معلوم ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ دوپہر کے سُورج کی شعلہ زائیاں اِسے ہیروں کی طرح جگمگا دیتیں اور رات کے وقت چاند کی نرم نرم چاندنی اِس میں سیاہی، ائل چمک پیدا کر دیتی تھی۔

قلعہ کی مہتم بالشان عمارات میں معمر نبی کے خاندان کے افراد متمکن تھے ان کے ہمراہ دُوا اور خاندان بھی تھے جنہوں نے بیت المقدس کی تعمیرِ نو کے وقت، جس کے احکام قیصر نے جاری کئے تھے، بیت المقدس میں جانے کی بجائے دانیال نبی کے ساتھ رہنا پسند کیا تھا اور اس کے ساتھ ہی مادیا میں چلے آئے تھے۔ اِنہی لوگوں کے ساتھ زرتشت بھی تھا جو اب عمر کی اکتیسویں بہار میں قدم رکھ رہا تھا۔ نوجوان زرتشت اب قلعہ اور فوج کا کماندار تھا یہیں محلات کے ایک علیحدہ حصّے میں جو اپنے شاداب باغ اور لطیف و نفیس مینا کاری کے باعث سارے قلعے میں سب سے زیادہ خوبصورت تھا خاندان جوہیاکیم کی آخری نشانی، نوشتہ رہتی تھی۔ وہ مادیا کی حسین ترین عورت تھی۔ اس کی رگوں میں شاہی خُون موجزن تھا لیکن اس کا بے پناہ حُسن شاہی خاندان کو کہیں پیچھے چھوڑ گیا تھا۔ وہ بابل کی تباہی کے دِن پیدا ہوئی تھی اور دانیال نبی اُسے اپنی مُنہ بولی بیٹی بنا کر سوسنشان میں لے آیا تھا اور یہاں سے وہ اکبانتا میں چلا آیا تھا۔ مقدس نبی کے خاندان کی بیویوں نے اِس حسین غنچے کو پال پوس کر ایک شاداب پھُول بنا دیا تھا۔ اس کی بچپن کی بھولی بھالی آنکھیں اب حیرت کا اظہار نہیں

کرتی تھیں بلکہ اِن کالی کالی آنکھوں میں غرور و تمکنت کا جلال تھا جب آنکھیں جُھکاتی تو اُس کی وہ لمبی لمبی پلکیں جو بھاری بھاری بھوٹوں پر نیزہ برداروں کی قطار کی طرح کھڑی تھیں اس کے گندم گون گالوں کو چھونے لگتیں۔ اس کے خدوخال پر شاہانہ وقار کانپتا ہوا سا محسوس ہوتا تھا۔ بادی النظر میں اس کا ناک نقشہ بالکل سیدھا سادا معلوم ہوتا تھا لیکن ناک کی جڑ کے قریب ایک غیر معلوم سا جُھکاؤ قدرے گولائی لئے ہوئے نتھنے اور موٹے موٹے ہونٹ جن میں خون کا نازک مدّ و جزر نمایاں طور پر نظر آ رہا تھا اس کے یہودی النسل ہونے کا ناقابل تردید ثبوت پیش کر رہے تھے۔

یہودا کی تمکنت مآب شہزادی نہشتہ اپنے اعضا کی ہر حرکت اپنے افعال کے ہر پہلو اور اپنے الفاظ کے ہر حرف سے شہزادی معلوم ہوتی تھی۔ جب وہ اپنے مغرور سر کی جنبش سے کسی خیال کی تائید یا تردید کرتی تو اس کی ہر جنبش سے شاہانہ جلال ٹپکتا تھا یہاں تک کہ خود زرتشت اس کے باوقار ہاتھوں کے ہر اشارے پر اس طرح جُھک جاتا گویا خود بادشاہ اسے اپنی مکمل شوکت و سطوت میں حکم فرما رہا ہے۔ یہی نہیں مقدس نبی بھی جو اپنے بلند و بالا مینار پر بیٹھا اُس زندگی کے متعلق غور و فکر کیا کرتا تھا جو اُسے عنقریب ملنے والی تھی نہشتہ کی مقناطیسی قوتوں سے غیر متاثر نہ رہا تھا اور جب نہشتہ اپنی کنیزوں اور غلاموں کے جھرمٹ میں گھری ہوئی اُس کے حجرے میں آتی تو وہ بھی مُسکرا کر اپنا جھریوں سے بھرا ہوا ہاتھ آگے بڑھا دیتا۔ وہ عمر کے لحاظ سے مقدس نبی کے سارے خاندان میں چھوٹی تھی اور شاہنشاہ یہوداکم کی آخری نشانی سمجھی جاتی تھی۔ معمر نبی اور حاکم قلعہ اس کو عزیز جانتے اور محبت کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس لڑکی کا شاہی خاندان سے تعلق تھا۔ وہ خود غایت درجہ کی حسین تھی اور پھر خود اس کے اپنے خاندان میں سے تھی۔ اسیریا کی تعلیم نے دانیال نبی کے دماغ میں اُسی

ملک کے خیالات پیدا کر دیئے تھے۔ وہ مادتوں پارس کی فتحمند قوم کی مجاہدانہ یلغاروں میں برابر کا حصے دار رہا تھا اور اس نے ان بادشاہوں کے زیر ہدایت کئی صوبوں میں حکومت کی تھی لیکن اس کے باوجود وہ یہودا کا ایک سچا سپوت تھا۔ وہ اپنی قومی عظمت پر نازاں تھا اور اپنی قوم کی چھوٹی چھوٹی غیر اہم شاخوں سے مکمل ہمدردی رکھتا تھا یہی وجہ تھی کہ وہ موجودہ حالات میں اپنے آپ کو اپنی قوم کا بزرگ اور رعایا کا بادشاہ تصور کرتا تھا۔

شام کی سُرخی آہستہ آہستہ زغراز کی سیاہ پہاڑیوں کے دامن میں سمٹ کر چھپ گئی۔ آسمان سرد اور سفید نظر آتا تھا اور میدان ایک اُداس سے رنگ میں رنگے گئے تھے۔ آہستہ آہستہ دُھندلکے نے ان پر اپنا تسلط جمایا اور دھیرے دھیرے تاریک سے تاریک تر ہوتا گیا۔ محل کے ملحقہ باغ میں ہزاروں پرندوں نے گانا شروع کیا ـــــ وہ گانا جو صرف مشرق کے پرندے طلوع و غروب کے وقت گانا جانتے ہیں یہاں تک کہ ان کی ملی ہوئی آوازیں نغمات و موسیقی کا ایسا متلاطم سمندر بن گئیں جس میں یاس و حرماں کے سارے تنکے ایک ایک کر کے بہہ جاتے ہیں۔

نہشتہ کھلے راستے پر یکہ و تنہا ٹہل رہی تھی۔ شامِ گرما کی خشک اور گرم ہوا میں برودت نام کو بھی نہ تھی اس لئے سری نگر کی ایک نہایت نفیس و لطیف سُرخ رنگ کی چادر کے ہوتے ہوئے بھی وہ اُسے اپنے جسم کے قریب نہ لانا چاہتی تھی۔ اس کے بالائی لباس کی نازک نازک چنٹیں اس کے گھٹنوں کے اِرد گرد پھولوں کے ڈھیر کی طرح جمع ہو گئی تھیں لیکن پتلی سی کمر پر جڑاؤ سونے کی بیش قیمت پیٹی نے ان کو باصرہ سوز ہونے سے بچا لیا تھا۔ لمبی آستینوں کو کلائیوں پر جواہر کے ٹکڑوں نے تھام لیا تھا لیکن وہ پھر بھی بڑھ کر اِتنی لمبی ہو گئی تھیں کہ وہ حسین ہاتھ تقریباً سارے کا سارا اس میں چھپ گیا تھا۔

گھٹنوں کے نیچے سینڈل کے حسین فیتے شروع ہو جاتے تھے جو بڑھتے بڑھتے اس کے ٹخنوں تک پہنچتے اور پھر لاتعداد بل کھا کر ایک حسین و جمیل سینڈل میں بدل جاتے تھے جس کی اونچی طلائی ایڑی اور جواہر نگار فیتے اُن نازک پاؤں کی لطافتوں میں اور اضافہ کر دیتے تھے۔ اس کے سر پر سفید براق ململ کا ایک حسین و جمیل تاج رکھا تھا جس کی سلوٹوں کو قابو میں رکھنے کے لئے ایک بیش قیمتی ہیرا لگایا گیا تھا۔ اس تاج کے پہلوؤں سے اس کی فقید المثال کالی کالی لہراتی ہوئی زلفیں نکلتیں اور بحرِ ظلمات کی بیتاب موجوں کی طرح بل کھاتی ہوئیں اس کی کمر سے کہیں نیچے تک لٹک جاتیں۔

اِس باغ میں ایک چھوٹی سی بارہ دری تھی جس میں سے مشرقی میدان نظر آتے تھے۔ نہشتہ کسی گہرے خیال میں ڈوبی ہوئی آہستہ آہستہ اُس بارہ دری کی طرف چلدی۔ بارہ دری میں پہنچ کر وہ سنگ مرمر کی ایک چھوٹی سی سِل پر بیٹھ گئی اور اپنی حسین آنکھوں سے مشرقی میدان کی ساکن وسعتوں کا نظارہ کرنے لگی۔ شام کی سکوں زائیاں آہستہ آہستہ اپنا اثر کرنے لگیں۔ پرندے بڑھتی ہوئی تاریکی کو دیکھ کر خاموش ہو گئے اور چاند نے وسیع میدانوں کے انتہائی کونے سے اُبھر کر دریا کو پُراسرار رنگوں میں رنگ دیا۔ چند لمحوں بعد گلاب کے تختے سے تنہا بلبل کا دم بدم بڑھتا ہوا، کانپتا ہوا، ٹوٹتا ہوا اور پھر ملکوتی شان سے بلند ہوتا ہوا نغمہ باغ کی معطر فضا میں رقص کرنے لگا۔ باغ کی نرم رَو ہوائیں اس کے چہرے کو گدگدا رہی تھیں۔ موتیے، گلاب اور نسرین کی لطیف خوشبوؤں نے اس کے حواس پر نشہ سا چھڑک دیا تھا اور جب طلسماتی چاند کے شاندار قرص نے افق سے اُبھر کر اپنی سحر آفریں شعاعوں سے نہشتہ کی خوبصورت آنکھوں کو بوسہ دیا تو نہشتہ کی رگ رگ میں ایک نغمہ انگڑائیاں سا لیتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ شہزادی کے ہونٹوں سے خود بخود ایک گیت

گویا اُبل پڑا اور وہ اپنی قومی زبان میں، نیچی سُروں کے ساتھ محبت کا ایک پُرانا گیت گانے لگی ـــــ ایک ایسا گیت جس کا لطیف زیر و بم مشرقی میدانوں کی دبی گھُٹی آہوں سے مشابہ تھا۔

اے میرے محبوب! جب رات کی تاریکی میں حرارت پیدا ہو جائے تو
میرے پاس آ ـــــ آ
اُٹھ اور رات کے وقت میرے پاس جلدی سے چلا آ ـــــ آ
مَیں رات کی تاریکی میں اس کا اِنتظار کر رہی ہوں اور صحرا کی ریت اُڑ اُڑ کر میرے خیمہ کے کھلے ہوئے دروازے کی طرف بڑھی آ رہی ہے جو صحرا کی طرف ہے!
میرے کان تاریکی میں اس کے قریب آتے ہوئے قدموں کی چاپ سُننے کے متمنی ہیں۔
میری آنکھیں اس کا راستہ دیکھ رہی ہیں۔ مَیں پلک سے پلک نہیں جھپکاتی تاکہ جب وہ آئے تو مجھے محوِ انتظار پائے۔
جب میرا محبوب آئیگا تو ایسا معلوم ہوگا کہ سُورج کی پہلی کرن پھُوٹ نکلی ہے۔
جس طرح مُسافر شفق کے سمندر کو بھی اجنبی شہر تصوّر کر لیتا ہے۔
ہاں ہاں! میرا محبوب آسمان سے گرتی ہوئی شبنم کی طرح آتا ہے۔
شبنم کو گرتے کس نے دیکھا ہے لیکن وہ ابرِ باراں کے فرحت ناک چھینٹوں کی طرح ہر ذرّے میں زندگی بھر دیتا ہے۔
اپنے ہاتھ میں نرگس کے پھُول لاتا ہے، اس کے داہنے ہاتھ میں لاتعداد چیزیں ہوتی ہیں۔

اس کی پیشانی پر گلاب کے بڑے بڑے پھول ہوتے ہیں۔ شینار کے گلاب کا تاج اس کے سر پہ ہوتا ہے۔

شام کی ہوائیں اس کے لئے بربط بجاتی ہیں۔ تاریکی گانا گاتی ہے۔ جہاں بھی وہ جاتا ہے اس کی شیریں نزاکت اس کے ساتھ ہوتی ہے۔

اس کی نغمہ بار آواز آہستہ آہستہ ہلکی ہوگئی اور آخر ایک لطیف گنگناہٹ میں تبدیل ہو کر خاموش ہوگئی۔ لیکن بلبل اب بھی بوڑھے چاند کو محبت کا نغمہ سنا رہی تھی۔ نہشتہ ساکت و جامد مرمر کی سل پر بیٹھی تھی کہ جھاڑیوں میں سرسر کی آواز پیدا ہوئی اور بارہ دری کو آنے والی سڑک پر تیز تیز قدموں کی چاپ سنائی دی۔ گندمی رنگ کی حسینہ آواز سن کر چونک سی پڑی لیکن فوراً ہی ایک دلفریب مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر لرز گئی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تو نہیں البتہ اپنا ہاتھ دھیرے دھیرے اپنی پشت کی طرف مرمر کی سل پر بڑھا دیا، جہاں اُسے یقین تھا کہ اس کے محبّ کا ہاتھ اس سے مل جائیگا۔ ہاتھ کی ہر جنبش میں فتح کا غرور اور محبت کی نرمی تھی۔ پارسی شہزادہ جلدی جلدی آیا اور محبوبہ کے ہاتھ پر دھیمے سے اپنا ہاتھ رکھ کر اس کی حسین آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے کے لئے قدرے آگے کو جھک گیا۔ شہزادی چند لمحوں تک اس کی طرف دیکھے بغیر اپنے سامنے تکتی رہی پھر دفعتہً پلٹی اور اپنی آنکھوں کی ساری کائنات زرتشت کی آنکھوں میں ڈال دی۔ گویا جب تک ممکن تھا اس نے استقبالیہ جذبات کو روکے رکھا تھا اب وہ اُن تمام خیالات کو یکلخت ظاہر کر دینا چاہتی ہے۔

"آپ کو تو نہیں بُلایا تھا میں نے" اس نے زرتشت کو سر سے لے کر پاؤں تک دیکھتے ہوئے کہا۔ لیکن جب اُس نے اپنے ہاتھ، اپنے بازوؤں اور اپنی آنکھوں سے اسے

اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کی تو وہ سمٹ کر ایک آدھ انچ اس سے پرے کھسک گئی۔

"اس کے باوجود میرے دل کی ملکہ! مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ تم مجھے بُلا رہی ہو" زرتشت نے جواب دیا۔ "میں نے سُنا کہ تم اپنی مادری زبان میں میٹھے میٹھے گیت گا رہی تھیں ـــــ اور میں چلا آیا۔ کیونکہ تم نے مجھے بُلایا تھا۔"

"تو آپ کو یہ ناز ہونے لگا کہ یہ سب کچھ آپ ہی کے لئے گایا جا رہا تھا" نہشتہ نے ہنس کر کہا۔ "میرے گیت میں تو صحرا اور خیموں کا اور اُڑتی ہوئی ریت کا ذکر تھا۔ یہ سب یہاں کہاں ہے؟"

"تم نے کہا تھا کہ تمہارا محبوب ہاتھ میں گلاب کے پھول لایا ہے۔ اور یہ دیکھو گلاب کے پھول۔ میں ان پھولوں سے تمہارے سر کا تاج بناؤں گا۔ بناؤں؟ اچھا نہیں۔ نہیں تو میری ملکہ کا تاج خراب ہو جائے گا ـــــ اچھا یہ تمہیں لے لو اور جس طرح چاہو انکا استعمال کرو۔"

"لے لیتی ہوں اور ـــــ اور ـــــ میں نے ہمیشہ اپنی مرضی کی ہے۔"

"تو پھر ان پھولوں کو پیش کرنے والے کو بھی قبول فرمائیے ملکہ!" زرتشت نے اپنا بازو اس کی کمر میں ڈالتے ہوئے کہا۔ نہشتہ نے زرتشت کا حسین چہرہ دیکھا۔ وہ شاید اُس کے خوبصورت خدوخال کو پسندیدہ نظروں سے دیکھتی تھی اور اس پسندیدگی کی سب سے بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ زرتشت اُس ایسا گندم گوں نہ تھا بلکہ سُرخ و سفید رنگت کا آدمی تھا۔

"میرے خیال میں بہت دنوں سے اُسے اپنا چکی ہوں۔" اس نے جواب دیا۔

"ابھی نہیں ـــــ آپ نے اُسے پوری طرح سے قبول نہیں فرمایا ملکۂ عالیہ!" زرتشت نے ہلکی آواز میں کہا اور اس کے چہرے پر چاندنی کی چاندنی میں مرمر کی طرح سفید معلوم ہوتا تھا نرم و نازک کی ایک خفیف سی جھرجھری چھا گئی۔ نہشتہ نے ایک ہلکی سی آہ لی اور اپنا حسین سر

اس کے کندھے پر ٹیک دیا جہاں اس کے سُرخ لبادے کی سمٹی ہوئی چنٹیں سر اور طلائی سینہ بند کے درمیان ایک نرم تکیئے کا کام دے رہی تھیں۔

"میرے دل کی ملکہ! مجھے آج ایک عجیب خبر سُنانا ہے" زرتشت نے کہا۔ اس کی آواز میں رنج و غم کروٹیں لیتا ہوا معلوم ہوتا تھا اس لئے نہشتہ چونک سی پڑی اور ہراساں نگاہوں سے اپنے محبّ کا چہرہ دیکھنے لگی۔ "نہیں نہیں! ڈرو مت۔ میرا خیال ہے کہ اس میں کوئی ایسی خطرناک بات نہیں ہے۔ لیکن سلطنت میں بڑے بڑے تغیرات ہوئے ہیں اور میرا خیال ہے کہ ابھی اور ہوں گے۔ سات شہزادوں نے مل کر سمودس کو قتل کر دیا ہے اور اس کی جگہ شاہ گستاسپ کے بیٹے دارا کو شاہی تخت پر بٹھا دیا ہے۔"

"وہی نا جو پچھلے سال یہاں آیا تھا" نہشتہ نے جلدی سے کہا۔ "وہ تو کوئی ایسا اچھا نہیں ہے۔"

"ہاں شکل صورت کے اعتبار سے تو واقعی اچھا نہیں" زرتشت نے جواب دیا "لیکن وہ بہادر اور انصاف پسند ہے۔ اس کے علاوہ اس نے مجھے سوشان میں جانے کا حکم ــــ"

"تمہیں" نہشتہ نے یکلخت زرتشت کے دونوں کندھوں پر ہاتھ رکھ کر اس کی آنکھوں کے عمق میں ٹٹولتے ہوئے چیخ کر کہا۔ زرتشت کا چہرہ چاند کے بالکل سامنے تھا اور نہشتہ اس طرف مُنہ موڑے کھڑی تھی اس لئے زرتشت کے خدوخال کا خفیف ترین تغیر اُسے صاف نظر آجاتا تھا۔ زرتشت مُسکرایا "تم ہنستے ہو" اس نے گرج کر کہا "تم میرا مذاق اُڑاتے ہو۔ مجھ سے جُدا ہونے پر تم خوش ہوتے ہو ــــ"

وہ پلٹ کر مُنہ دوسری طرف پھیرنے ہی کو تھی کہ زرتشت نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے "میں اکیلا ہی نہیں ہوں" اس نے جواب دیا "سلطانِ عالی نے یہ حکم بھی فرمایا ہے کہ میں جو ہیاکیم کے

تمام رشتہ داروں کو اپنے ساتھ سوشان لے جاؤں۔ ہاں معمر نبی، ہمارے آقائے محترم اس حکم سے مستثنےٰ کر دیئے گئے ہیں کیونکہ شاہِ والاجاہ کا خیال ہے کہ معمر نبی عمر کے اعتبار سے اتنے کمزور ہو گئے ہیں کہ سفر کی صعوبتیں برداشت نہیں فرما سکتے۔ اس لئے وہ یہیں رہیں گے اور ہم سب یہودا کی حسین ترین اور محبوب ترین شہزادی کو ساتھ لیکر شہنشاہ دارا کی خسروانہ عنایات کے سائے تلے سوشان پہنچ جائیں گے۔"

نہشتہ خاموش ہو گئی۔ اس کا ہاتھ آہستہ آہستہ زرتشت کی گرفت سے آزاد ہو کر نیچے ڈھلک گیا۔ اس نے مڑ کر خواب آلود نیم باز آنکھوں سے دریا کی طرف دیکھا جس پر پورے چاند کی سحر زا شعاعیں اس طرح رقص کر رہی تھیں گویا رو پہلی سانپ کے شانوں پر ناچ رہی ہوں۔

"تم خوش ہو نا؟" زرتشت نے پوچھا۔ وہ مرمر کی سل کی طرف پیٹھ کئے ایک کہنی کا سہارا لئے کھڑا تھا اور اس کا دایاں ہاتھ بے پروایانہ انداز میں اس کی کمر کے گرد لپٹی ہوئی طلائی پیٹی کے بھاری پھندنوں سے کھیل رہا تھا۔ وہ نہشتہ اور دانیال نبی کو یہ خبر سنانے کے لئے قلعے سے آیا تھا اس لئے پورے ہتھیاروں سے سجا ہوا تھا۔ اس کا سنہرے حاشیے والا زرہ بکتر سرخ رنگ کے بھاری لبادے میں نصف کے قریب چھپا ہوا تھا، اس کی تلوار اس کے پہلو میں لٹک رہی تھی اور اس کے سر پوش کو اس کے سر پر خود رکھی ہوئی تھی جس پر جگہ جگہ سونے کے پترے جڑے ہوئے تھے۔ خود کی پیشانی پر پروں والے پہیے کا نشان تھا جس کو شاہانِ فارس نے اسیریا کی فتح کے بعد اپنے قومی نشان میں شامل کر لیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کا سرو قد تو جسم اس طریقے سے بنایا گیا ہے جس میں بے پناہ قوت اور بے انتہا تیزی جمع کی جا سکتی ہے۔ اس کے سراپا میں ایک لچکدار قوت کا احساس ہوتا تھا ایک ایسی

قوت اور تیزی کا احساس جو کسی فولادی چلّہ چڑھی کمان کو دیکھکر ہوتا ہے۔ وہ سبک حرکات جن کی قوت اور نزاکت بیان نہیں کی جا سکتی اور وہ بے مثال تیزی جو اُس وقت کے لوگوں میں موجود تھی جبکہ دُنیا جوان تھی سب کی سب گویا سمٹ کر زرتشت میں جمع ہو گئی تھی۔ اس میں اعضا کی وہ مکمل اور یکساں مناسبت موجود تھی جو آرام میں حُسن اور کاہلی میں حرکت کی ایک نرالی شان پیدا کر دیتی ہے۔

یہودا کی شہزادی اور حسین پارسی اکٹھے کھڑے تھے۔ وہ دونوں خوبصورت تھے لیکن پھر بھی ایک دُوسرے سے مختلف ـــــ ان میں عمرانی اور نسبی اختلاف صاف ظاہر تھا ـــــ سامی اور ایرین نسل کا اختلاف۔ جنوبی علاقوں کی رہنے والی نسل پر صحرا کی ہواؤں نے صدیوں تک اپنا رنگ چڑھایا تھا مصر کے بادشاہوں نے طوق و سلاسل پہنا کر یہ رنگ قبول کرنے پر مجبور کر دیا تھا اور آخر یہ لوگ شاہِ خاور کی دستی کتاب بن کر رہ گئے تھے جس کے ہر عضو پر اس کا رنگ غالب تھا۔ اس کے مقابلے میں شمال کی سفید نسل تھی جس کی کھال پر شمال کی برفانی ہواؤں نے اپنا اثر کیا تھا اور اس میں برف ایسی سفیدی اور فولاد جیسی مضبوطی بھری تھی۔

"تم یہ سُن کر خوش ہوئی ہو نا!" زرتشت نے نہشتہ کے چہرے کی طرف دیکھکر اُس کے بازو پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ شہزادی نے اس کے سوال کا کوئی جواب نہیں دیا تھا بلکہ خواب آلود آنکھوں سے دریا کی طرف مُڑ مُڑ کر تکتی رہی تھی۔

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ بولا چاہتی ہے، پھر خاموش ہو گئی۔ کچھ جھجکی اور اس کے سوال کے جواب میں دوسرا سوال کر دیا۔

"زرتشت ـــــ تم مجھ سے واقعی محبت کرتے ہو" وہ کہتے کہتے پھر رُک گئی اور جب

زرتشت نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اُس کی ملائم جلد پر ایک پُرحسرت طویل بوسہ ثبت کیا تو اُس نے دوسری طرف مُنہ پھیر کر کہا "محبت کے کیا معنی ہیں"۔

زرتشت جواب دینے سے پہلے چند لمحوں تک خاموش رہا پھر اس نے اپنا شاہانہ جسم سیدھا کیا، نہشتہ کا خوبصورت سر اپنے سینے سے لگایا، اس کی کمر میں ہاتھ ڈالا اور مشرق کی طرف آنکھیں جما کر بولا۔

"سُنو! میرے دل کی ملکہ! مَیں جو تمہاری محبت کے نشے میں چُور ہو رہا ہوں تمہیں محبت کے معنی سمجھاتا ہوں۔ یہاں سے بہت دُور افق کی اُس رنگین منزل میں جہاں روحیں بستی ہیں۔ بیرونی آسمانی کے اثیری بُعد میں جہاں ستاروں کے ذرات مل کر دھندلکا بناتے ہیں ہم دونوں کی رُوحیں خدائے پاک کے حکم سے زندگی سے آشنا ہوئیں اور ایک دُوسرے سے مل گئیں۔ اس سے پہلے کہ زمین ہمارے لئے مقدر ہو ہم ایک ہو چکے تھے۔ اِس سے پہلے کہ ہماری زندگی امروز و فردا کے پیمانے کی محتاج ہو ہم ایک تھے اور اُس وقت تک ایک رہیں گے جب وقت کی قیدیں مٹ جائیں گی۔ پھر عقلِ کُل نے ہم دونوں کی رُوحوں کو ستاروں سے لیا کچھ مُدّت کے لئے فانی جسم میں مقید کر کے دُنیا میں بھیج دیا۔ باوجودیکہ اِسی خاکی پیرہن نے ہماری غیر فانی نظروں کو دھندلا کر دیا ہے اور ہم صاف طور پر ایک دوسرے کو پہچاننے سے قاصر ہیں تاہم ہم جانتے ہیں کہ ہم صبح ازل سے ایک تھے۔ ہماری محبت کسی طرح بھی کم نہیں ہوئی۔ بلکہ روز افزوں ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ہمارے فانی جسم ہماری غیر فانی روح کی طرح رنج و راحت کا احساس رکھتے ہیں۔ مَیں تمہارے لئے مصائب برداشت کرنے کے قابل ہوں اور اس میں مسرت محسوس کرتا ہوں۔ مَیں چاہتا ہوں کہ اگر کوئی ایسا وقت آ پڑے تو تمہارے قدموں پر زندگی قربان کر دینے کے لئے میرا انتخاب عمل میں آئے تاکہ مَیں

تمہیں اپنی محبت کی گہرائی بتا سکوں۔ تم کبھی میری محبت پر بے اعتمادی کا اظہار کرتی ہو اور کبھی اپنی ذات پر۔ شبہات محبت کے لئے زہر ہلاہل سے کم نہیں ہوتے۔ محبت آغاز سے لیکر انتہا تک ہے بلکہ انتہا سے بھی ماوریٰ۔ محبت اتنی غیر فانی، اس قدر عظیم، اور اتنی مکمل ہے کہ اس کے مقابلے میں ہماری یہ دُنیاوی زندگی محض ایک معمولی واقعہ سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔ یوں سمجھ لو کہ ہم دونوں کو ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے ہوئے ستاروں کی ایک دُنیا سے آسمانی تجلی کے ایک لامتناہی راستے پر چل کر دوسری دُنیا میں پہنچنا ہے اور یہ خاکی دُنیا محض ستانے کی جگہ ہے ـــــ یہ کچھ بھی نہیں یہ ہماری دُنیاوی زندگی۔ اِس سے پہلے کہ ہماری محبت کی عمر کچھ دن ہو ہماری یہ زمین جس پر ہم پیر جمائے کھڑے ہیں، یہ چیزیں جن کی موجودگی ہماری قوتِ احساس کی رہینِ منّت ہے ہمارے یہ جسم جن کو ہم اتنا توانا اور خوبصورت تصوّر کرتے ہیں مٹ چکے ہونگے۔ ان کے اجزا منتشر ہو کر موت کے اُن بے نشان ڈھیروں میں ہوں گے جن کا پتہ ماضی کے کسی کونے میں نہیں ملتا۔ لیکن ہم اُس وقت بھی جوان ہوں گے، ہمارا حُسن اُس وقت بھی بے مثال ہوگا اور ہم اپنے غیر فانی عشق میں بے خود ہوں گے۔"

نہشتہ نے حیران نظروں سے اپنے محبّ کی آنکھوں میں دیکھا اور پھر اپنا سر اس کے سینے پر رکھ دیا۔ زرتشت کے بیباک خیالات ہمیشہ نمناک پیمائی کرنے کی کوشش کرتے ہوئے معلوم ہوتے تھے اور وہ ہمیشہ اپنے بے خوف تخیلات کی مدد سے نہشتہ کو کسی پُراسرار حسین و رُوحانی وادی میں لیجانا چاہتا تھا۔ وہ ایک لمحے کے لئے کچھ خوفزدہ سی ہوگئی لیکن پھر اپنے طریقے پر بولی۔

"مجھے زندگی سے محبت ہے" اُس نے کہا "میں تم سے اس لئے محبت کرتی ہوں کیونکہ تم زندہ ہو

نہ اس لئے کہ تم ایک رُوح ہو جس کو ہاتھ پیر باندھ کر کچھ دنوں کے لئے زبردستی اِس دُنیا میں پھینک دیا گیا ہو۔ مَیں اِس نرم شیریں زبان سے محبّت کرتی ہوں، اس کے رنگین افق سے محبّت کرتی ہوں، اس کے اُداس شفق سے محبّت کرتی ہوں، مجھے اِس آفتاب سے محبّت ہے جو اپنے طلوع و غروب میں یکساں طور پر حسین اور شاندار ہے، مجھے چاند سے محبّت ہے اس کے گھٹتے اور بڑھتے ہوئے جسم سے محبّت ہے، مجھے ریحان و نسرین، گلاب اور چمپا کی خوشبُو سے عشق ہے۔ دِن کی رفیع الشان روشنی، حرارت اور سبزی کا شوکت و تجمل، ہوا کے پرندوں کی موسیقی آفرینیاں اور میدان میں کام کرتے ہوئے مزدوروں کی نغمہ باریاں، ٹہڈی دل کی گنگناہٹ اور شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کس قدر پیاری ہوتی ہے۔ سونے کی چمک دمک اور سُرخ مخمل کی آب و تاب۔ تمہارے عجیب و غریب محافظوں کے قدموں کی چاپ اور صبحدم اُن کے طنبوروں کی لرزہ خیز صدائیں کتنی موہنی ہوتی ہیں۔ تاریک رات کا مخملیں گداز، ہاتھی دانت جیسی اُجلی چاندنی میں بُلبُل کا ترنّم، گلاب کی جھاڑیوں میں سرسراتی ہوئی ہوائیں اور میرے باغ میں سوتے ہوئے پھُولوں کی معطر سانسیں کس قدر سہانی ہیں۔ مجھے تو اُلّو کی اُس چیخ سے بھی محبّت ہے جو مقدّس نبی کے مینار پر بیٹھ کر کراہتا ہے اور مَیں تو چمگادڑوں کی اُس پھڑپھڑاہٹ کو بھی دل و جان سے چاہتی ہوں جو دیوانہ وار میرے دروازے کے پردے سے سر پھوڑتی ہیں۔ مَیں ان سب چیزوں سے محبّت کرتی ہوں کیونکہ دُنیا کا ہر ذرّہ جو ان ہے اور ہمارے لمس کو محسوس کر کے لچک جاتا ہے، دُنیا میں زندہ رہنا ہمارے لئے باعثِ فخر ہے۔ مَیں تم سے محبّت کرتی ہوں نہ رتشت کیونکہ تم دُوسرے مردوں سے کہیں زیادہ حسین، کہیں زیادہ توانا اور کہیں زیادہ بہادر ہو۔ پھر تم بھی مجھ سے محبّت کرتے ہو اور اس محبّت کے لئے اپنی زندگی تک کو

قربان کر دینے پر تیار ہو۔ میرے محبوب کاش مجھ میں دُنیا کے سارے ترنم سما جائیں، کاش ہوائیں اپنی نغمہ باریاں مجھے مستعار دیدیں اور میں اُن مترنم الفاظ میں تمہیں اپنے محبت بھرے دِل کا حال سُناؤں۔ تمہیں سُناؤں کہ مجھے تم سے کتنی محبت ہے!"

"میری شہزادی! شیرینی اور فصاحت کی تو اب بھی کمی نہیں ہے" زرتشت نے کہا، "تمہاری آواز سے زیادہ مترنم آواز اور تمہاری زبان سے زیادہ فصیح زبان کی ضرورت ہی نہیں۔ تمہاری محبت اپنے رنگ میں خاص ہے اور میری محبت اپنے رنگ میں یہ دونوں مل کر ایک فقید المثال محبت میں بدل جائیں گی۔ ٹھیک ہے نا؟ آؤ اپنے عہد نامے پر دوبارہ مُہریں ثبت کریں۔ محبت موت سے قوی ہے، یہ تمہارے اُستاد کا قول ہے۔"

"اور رقابت قبر سے زیادہ سنگدل ہے، یہ بھی تو اُنہی کا قول ہے" نہشتہ نے کہا۔ اِن دونوں کے ہونٹ ایک بیقرار تڑپ کے ساتھ آپس میں پیوست ہو گئے۔ اسوقت نہشتہ کی آنکھوں میں شعلے رقص کر رہے تھے۔ "زرتشت مجھے حسد و رقابت کی طرف لے جانے کی کوشش نہ کرنا ــــ کبھی مت کرنا یہ کوشش۔ ورنہ میں سراپا ظلم بنجاؤنگی ــــ اتنی ظالم بن جاؤنگی کہ تم اس کا خیال بھی نہیں کر سکتے۔"

زرتشت اپنی ریشمین ڈاڑھی کی اوٹ میں ایک گہری ہنسی ہنسا۔ قلبی مسرت کی گدگداتی ہوئی ہنسی جس نے چاند کی مکمل خاموشی کو چونکا سا دیا۔

"بنوکد اور بال کی قسم! تمہیں اس دُنیا میں حسد محسوس کرنے کی کوئی وجہ نہیں" اس نے کہا۔

"اپنے چھوٹے دیوتاؤں کی قسم مت کھاؤ۔ تمہیں معلوم نہیں میں معمولی سی بات پر

بگڑ جاتی ہوں" نہشتہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

"میں وہ معمولی سی بات کبھی نہ ہونے دونگا" پارسی نے جواب دیا۔ "اور جہاں تک اُن چھوٹے دیوتاؤں کا تعلق ہے وہ آجکل کے زمانے میں کم از کم قسمیں اُٹھانے کیلئے کافی ہیں۔ لیکن اگر تمہیں یہ سوگند پسند نہیں تو میں ہر اُس دیوتا یا ہر اُس چیز کی قسم کھانے کو تیار ہوں جس کا حکم تم دو گی"

"قسم کھاؤ ہی مت۔ ورنہ تم پھر اِس قسم پر مُہر ثبت کرنے کی کوشش کرو گے" نہشتہ نے اپنا نصف چہرہ چادر سے ڈھانپتے ہوئے کہا۔ "یہ بتاؤ کہ ہمیں سفر کب شروع کرنا ہے۔ معمول کے مطابق ہم نے باتیں تو بہت کی ہیں لیکن مطلب کی بات ایک بھی نہیں ہوئی۔ اب فوراً ہی چل دینا ہے یا دُوسرے حکم کا انتظار کرنا ہے؟ شاہ دارا اب محفوظ ہیں؟ دربار میں کونسا امیر سب سے زیادہ قوی ہوگا۔ اُن سات شہزادوں میں سے ایک یا ان کا بوڑھا باپ؟ کیا تمہیں اِن تمام تغیرات کے متعلق کوئی بات معلوم ہے؟ تم ایک مُعزز امیر ہو، اعلیٰ عُہدے دار ہو اور تمہیں اِن سب چیزوں کی خبر رہتی ہے پھر تم نے آج تک یہ سب کچھ مجھ سے کیوں چھپائے رکھا"

"تمہارے سوالات مجھ پر اِس طرح جھپٹ پڑے ہیں جس طرح کبوتر اُس نازنین پر جھپٹ پڑتے ہیں جو انہیں اپنے ہاتھ سے دانہ دُنکا کھلاتی ہے" زرتشت نے مُسکرا کر کہا "میں حیران ہوں کہ پہلے کسے کھلاؤں۔ بادشاہ سے تو مجھے پوری پوری اُمید ہے کہ وہ بڑا توانا اور عظیم الشان حاکم ثابت ہوگا اور تاج و تخت کو بڑے مضبوط ہاتھوں سے تھامے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بادشاہ بننے سے بہت پہلے مشرقی سمندر سے لے کر مغرب کی ہولناک پہاڑیوں تک رعایا کو عزت اور محبت کی نگاہوں سے دیکھتا تھا۔

لیکن اس خبر کے آنے سے پہلے ایسا شبہ گذرتا تھا کہ ساتوں شہزادے سلطنت کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے آپس میں بانٹ لیں گے۔ اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ بادشاہ سلامت تمہاری قوم کے کسی آدمی کو اپنی مصاحبت میں لے لیں گے۔ ان ساتوں شہزادوں سے یہ بہتر رہے گا۔ اب ہمارے یہاں سے چلنے کے متعلق تو بات یہ ہے کہ ہمیں جلد از جلد چل دینا چاہئے ورنہ سلطانِ معظم ہمارے سوشان پہنچنے سے پہلے جنوب کے صوبے ستاخر میں تشریف لے جائیں گے جہاں وہ سرما کے لئے محل بنوانا چاہتے ہیں۔ اس لئے میری شہزادی تم سفر کے سامان سے لیس ہو جاؤ تاکہ کوئی چیز یہاں نہ بھول جائے اور وقت پڑنے پر تمہیں کسی چیز کی ضرورت پریشان نہ کر دے۔"

"مجھے آج تک کسی چیز کی کمی محسوس نہیں ہوئی" نہشتہ نے قدرے غرور اور تملق میں کہا۔

"اور جب تک میری محبوبہ میرے ساتھ ہے مجھے بھی کسی چیز کی کمی محسوس نہیں ہوتی" پارسی نے جواب دیا۔ "اب چاند کافی بلندی پر پہنچ چکا ہے، مجھے یہ خبر اپنے آقا مقدس نبی کی خدمت میں پہنچانی چاہئے۔"

"اتنی جلدی" نہشتہ نے طنز کے لہجے میں کہا اور منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

"میں تو یہ چاہتا ہوں کہ ہم ایک لمحے کے لئے بھی جدا نہ ہوں" زرتشت نے نہشتہ کو اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہا لیکن نہشتہ اس سے پرے ہٹ گئی اور اس نے اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

"الوداع ــــ شب بخیر میری شہزادی! ــــ میری روح کی روشنی" اس نے اس کے گندم گوں گال پر ایک محبت بھرا بوسہ ثبت کیا۔ "شب بخیر!" اور تیز تیز قدموں سے بارہ دری کے باہر چلا گیا۔

"زرتشت ـــــ شہزادہ زرتشت!" نہشتہ نے مُنہ موڑے بغیر بلند آواز سے پُکارا۔ وہ واپس آگیا۔ نہشتہ نے اپنی دونوں باہیں اس کے گلے میں حمایل کر دیں اور بے جگر ہو کر اس کے چہرے پر بوسوں کی بارش کر دی۔ چند لمحوں کے بعد اس نے آہستہ سے اُسے پرے ہٹا دیا۔

"جاؤ ـــــ میرے دل! ـــــ بس اتنا ہی کام تھا" اس نے زیرِ لب کہا۔ اور وہ اُسے سنگِ مرمر کی بارہ دری میں کھڑا چھوڑ کر چلا گیا۔ چاند آہستہ آہستہ آسمان کی بلندیوں پر چڑھتا رہا اور اس کی تیز روشنی زردی میں بدلتی گئی۔ بُلبُل کا محبت بھرا نغمہ سوزِ عشق کی طویل اور میٹھی چیخوں اور رنج و راحت کی ملی جُلی روپہلی شکایتوں کی صُورت میں پھولوں کی ٹہنیوں اور مرمریں بارہ دری کی سفید دیواروں پر سے سُنائی دیتا رہا۔

(۳)

مقدّس نبی کے حجرے میں چاند کی شعاعیں سنگ مرمر کے فرش پر محوِ رقص تھیں لیکن اس کے پہلو بہ پہلو یہودی طرز کا سات مُکھ چراغ دھندلی دھندلی حرارت بیز روشنی پھیلا رہا تھا۔ گو چراغ کی روشنی دھندلی ہی تھی تاہم اس سے اُس پھٹے ہوئے کاغذ کے حروف نمایاں طور پر نظر آ رہے تھے جو مقدّس نبی کی گود میں پڑا تھا۔ معمر نبی کی بھنویں تنی ہوئی تھیں اور اس کے چہرے کی موٹی موٹی جھرّیاں چراغ کی روشنی میں نظر آ رہی تھیں، وہ عمر طبعی کی آخری منزلوں پر پہنچ چکا تھا اور اس کی حرارتِ غریزی گھٹتے گھٹتے اتنی کم ہو گئی تھی کہ ایسی گرمی کے موسم میں بھی وہ بڑے بڑے گدوں میں بیٹھا تھا۔ اس کا طویل و عریض سُرخ چغہ اس کے اِرد گرد لپٹا ہوا تھا اور اس کی ڈاڑھی اس چغے میں چھپ گئی تھی۔

زرتشت مربع دروازے پر لٹکے ہوئے بھاری پردوں کو اُٹھا کر اندر داخل ہوا اور اپنے بچپن کے اُستاد اور جوانی کے بہترین دوست کے سامنے مؤدّبانہ جُھک گیا۔ معمر نبی نے اپنی آنکھیں اُٹھائیں اور جب اُن مقدّس آنکھوں نے شاندار فوجی لباس میں ملبوس افسر کے سراپا کو بغور دیکھ لیا تو معمر نبی کے کرخت خط و خال پر ایک مسکراہٹ سی چھا گئی۔ زرتشت نے اپنا چمکدار خود سر سے اُتار کر ہاتھ میں لے لیا۔ اس کے لمبے لمبے بال نورانی

ہالہ کی طرح اس کے کندھوں پر بکھر گئے اور ریشمیں داڑھی کے گچھے سے لپٹ گئے۔ اس کی نیلی مائل سیاہ آنکھیں آقا کی چمکدار آنکھوں سے بے محابا اُلجھ گئیں۔

"ابد تک زندہ رہو خدا کے برگزیدہ نبی!" اس نے سلام کرتے ہوئے کہا۔ "ایک بہت ضروری خبر آپ کی خدمت میں پہنچانا چاہتا ہوں اگر اجازت ہو تو اسی وقت گوش گذار کر دوں بصورتِ دیگر کسی اور وقت حاضرِ خدمت ہوں گا۔"

"زرتشت! میرے دائیں ہاتھ پر بیٹھ جاؤ اور جو کچھ کہنا چاہتے ہو بے باکانہ کہو۔ کیا تم میرے بچے نہیں ہو جس کو خدائے قدوس نے میرے بوڑھے ہاتھوں کی لاٹھی بنا کر مجھے عطا کیا تھا؟"

"بزرگ باپ! میں آپ کا غلام ہوں اور آپ کے گھرانے کا ادنیٰ خادم ہوں" زرتشت نے مقدس نبی سے کچھ فاصلے پر ایک مرصع کرسی پر بیٹھتے ہوئے جواب دیا۔

"کہو بیٹا! — کیا خبر لائے؟"

"سوشان سے ایک سفیر اُڑتا ہوا آیا ہے۔ اُس کے پاس خط بھی تھے اور زبانی پیغام بھی! اس نے بتایا ہے کہ سات شہزادوں نے سمردیس اور اُس کے خاندان کے تمام افراد کو قتل کر دیا ہے۔ اور اس کی جگہ شاہِ گستاسپ کے بلند نہاد فرزند دارا کو تختِ شاہی پر متمکن کر دیا ہے۔"

"تعریف اُس خدا کی جس نے ایک انصاف پسند حاکم کو تجویز فرمایا" مقدس نبی نے زاہدانہ انداز میں کہا۔ "اسی طرح بدی کی رات سے نیکی کا سورج طلوع ہوتا ہے اور خون کی ندیوں سے آخر نور ستی ہے۔"

"درست ارشاد ہوا آقائے محترم!" زرتشت نے کہا "یہ بھی لکھا ہے کہ شاہ دارا

(عُمر دولت پائیدہ باد) یقیناً میدیا اور پارس کے مشترکہ تخت کو مضبوطی سے سنبھالیں گے، وہی سفیر چند خطوط بھی لایا ہے جن پر شاہِ اور نگ پناہ کی مُہر اور دستخط ثبت ہیں۔ اِن خطوط میں میرے لئے یہ حکم تحریر ہے کہ مَیں یہودا کے بادشاہ جوہیاکیم کے خاندان کے سب افراد کو ساتھ لے کر سا شورہ میں حاضر ہوں تاکہ بادشاہِ معظم ان لوگوں کی معقول خاطر و عزّت کریں۔ لیکن وہ خاطر و عزّت کیا ہوگی اس کے متعلق مجھے کوئی علم نہیں۔"

"کیا کہہ رہے ہو تم؟" معمر نبی چونک کر اُٹھ بیٹھے اپنی کالی کالی آنکھوں سے زرتشت کو گھورتے ہوئے بولے "کیا بادشاہ اِس بُڑھاپے میں مجھ سے میری اولاد چھین لینا چاہتا ہے؟ کیا تم میرے بچے نہیں ہو؟ کیا نہشتہ میری بچی نہیں ہے؟ مجھے دوسروں کی تو کچھ ایسی پروا نہیں لیکن نہشتہ میری آنکھ کا تارا ہے۔ وہ میری ضعیفی کے صحرا میں ایک نازک پھول ہے۔ یہ کیا کیا ہے بادشاہ نے؟ وہ کہاں لے جانا چاہتا ہے میری بچی کو؟"

"حضورِ مکرم متوحش نہ ہوں" زرتشت نے مقدّس نبی کو اِس طرح ایکا ایکی غمگین ہوتے ہوئے دیکھ کر نیک نیّتی کے ساتھ کہا۔ "حضورِ مکرم متوحش نہ ہوں۔ یہ جُدائی تھوڑے ہی عرصے کے لئے ہے۔ چند ہفتوں کے بعد حضورِ مکرم کے تمام اعزا آپ کے پاس آجائیں گے اور ــــ مَیں بھی!"

"تھوڑا عرصہ! ــــ چند ہفتے۔ میرے بچے یہ تھوڑا عرصہ اور یہ چند ہفتے تمہارے لئے حقیقتاً کوئی وقعت نہیں رکھتے۔ لیکن مَیں اِنسانی عُمر کے آخری لمحوں تک پہنچ چکا ہوں۔ اگر تم میری بچی نہشتہ کو مجھ سے چھُڑا کر لے گئے تو بہت ممکن ہے کہ مَیں اُسے دوبارہ نہ دیکھ سکوں اور نہ شاید تمہیں۔ بہت ممکن ہے کہ تم لوگوں کے لوٹنے سے بہت پہلے مَیں

یہاں سے چلا جاؤں اور پھر نہ آسکوں۔ تم جا سکتے ہو کیونکہ تم ابھی جوان ہو لیکن مَیں تو قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہوں۔ میرے لئے اُمید رکھنا بے معنی ہے۔"

"جو کچھ بھی ہو بادشاہ کے احکام کا پورا ہونا سخت ضروری ہے" نوجوان نے جواب دیا۔ "لیکن مَیں آپ کے سر کی اور اپنے سر کی قسم کھا کر حضور کو یقین دلاتا ہوں کہ شہزادی کو کوئی تکلیف نہ ہونے دوں گا۔ اور خدا کرے کہ اگر ان پر کوئی ایسی اُفتاد پڑے جو خطرناک ہو تو وہی اُفتاد مجھے بھی سمیٹ لے۔ دیکھئے اب مَیں نے قسم کھالی ہے اب آپ کو متفکر نہ ہونا چاہئے۔"

لیکن معمر نبی نے اپنا سر جھکا لیا اور اپنے چہرے کو دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ لیا وہ ضعیف العمر تھے اور بے اولاد۔ انہوں نے زرتشت اور نشتہ کو اپنے بچّوں کی طرح پالا تھا اور ان دونوں کو دِل و جان سے چاہتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ دربارِ پارس سے پوری طرح آگاہ تھے اور جانتے تھے کہ جب ایک دفعہ یہ دونوں نوجوان سازشوں کے بھنور میں پھنس گئے تو واپس آنا ان کے لئے ناممکن ہو جائیگا۔ اور اگر بالفرض یہ لوگ واپس آ بھی گئے تو ان کی ذہنیت اس درجہ زہر آلود ہو جائیگی اور ان کے نظریات میں اتنا انقلاب آجائیگا کہ یہ وہ نہ رہیں گے جو اب ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ انہیں اِس جُدائی کے خیال سے سخت صدمہ ہوا یہاں تک کہ وہ عظیم الشان شخصیت اپنے بچّے کے سامنے رونے لگی۔ جواں سال زرتشت اپنی نشہ پرور جوانی کے باوجود اُس مقدّس زاہد سے جُدا ہوتے وقت بے چین ہو گیا جس نے تیس سال تک اُسے اپنے بیٹے کی طرح سینے سے لگائے رکھا تھا۔ مصر کی لڑائیوں کے وقت وہ چند مہینوں کے لئے مقدّس دانیال سے جُدا رہا تھا۔ اس کے سوا وہ ہمیشہ سائے کی طرح

اپنے اُستاد کے ساتھ رہا۔ چھبیس سال کی عمر میں اُسے حاکم قلعہ کا ممتاز عہدہ مل گیا تھا، اور اُس وقت سے لیکر آج تک مسلسل وہ اپنے آقا کے مفید مشوروں سے مستفید ہوتا رہا تھا۔ ماحول کے اثرات نے زرتشت کو زبردستی سپاہی بنا دیا تھا۔ وہ زرہ بکتر اور دوسرے ہتھیاروں سے خوب سجتا تھا لیکن اس کے باوجود اس کی فطرت کے دو خاص پہلو ایسے تھے جو اس کی سپاہیانہ خصوصیات پر پوری طرح سے حاوی تھے۔ اس نے ابھی شباب کی وادیوں میں قدم رکھا ہی تھا کہ دانیال نبی نے اُسے اپنے سایۂ عاطفت میں لے لیا اور اس کی رگ وپے میں صوفیانہ عقاید کی وہ محبت سرایت کر گئی جو خود دانیال نبی کے لئے مخصوص تھی اور جس کی مدد سے انہوں نے اسیریا اور پارس کے درباروں میں عزت و توقیر حاصل کی تھی۔ نوجوان کا شاعرانہ دماغ منطق و فلسفہ اور ..... علم ریاضی کے مطالعہ سے اتنا پختہ ہو چکا تھا کہ وہ بڑے سے بڑے مسئلہ کو بڑی آسانی سے سمجھ جاتا اور شروع ہی اتنا زیرک اور ہوشیار ثابت ہوا تھا کہ اس کے اُستاد نے اس سے بڑی بڑی اُمیدیں باندھ رکھی تھیں۔ دانیال نبی نے اپنے پُرشوق شاگرد کو زاہدانہ طریقے سے علم حاصل کرنے، حواس خمسہ سے معلوم نہ ہونیوالے حقائق کی چھان بین کرنے اور رُوح یا عقلِ عظیم کا ایک ہمہ گیر اور لاہوتی عقلِ کُل میں سمٹ کر تحلیل ہو جانے کا فلسفہ پڑھایا تھا۔ شریف النفس زرتشت فطرتاً جنسی اور حسی لذایذ سے متنفر تھا اور ہمیشہ ایک ایسا نصب العین مرتب کرنا چاہتا تھا جس کے ذریعے آسمانی قوتوں کا صحیح علم حاصل ہو جائے اور اُس علم کی برکت سے زمین کی قوتوں میں عظیم الشان کام کرنے کی طاقت پیدا ہو جائے۔

دربار کے پُرشکوہ ماحول میں نوجوان پارسی اپنی عمر کے سال گذارتا رہا۔ وہ اپنی

جرأت اور بے باک سچائی، اپنے فقید المثال حُسن اور اپنی زندگی کے ہر مسئلے پر اُستادانہ عبور رکھنے کی بدولت اپنے ہم عمروں میں سب سے ممتاز تھا۔ ان سب سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ وہ عورتوں سے نفرت کرتا تھا اور آج تک کسی نے یہ کہنے کی جرأت نہ کی تھی کہ وہ کسی عورت سے محبت کرتا ہے۔ وہ سیرس کا ایک منہ لگا مصاحب تھا۔ صرف یہی نہیں بلکہ شاہ کیبیس جس کی زندگی گناہوں اور تاریک افعال میں گھری ہوئی تھی اور جس کے چاروں طرف چاپلوس اور ناعاقبت اندیش مصاحب تھے اِس نوجوان کی خوبیوں اور خداداد قابلیتوں کا معترف تھا۔ اس نے جہاں دانیال نبی کو اکبانتا کے قلعے میں مینار تعمیر کرنے کی اجازت دی وہیں زرتشت کو بھی اعلیٰ عہدے پر فائز کر دیا۔ بہت ممکن ہے کیبیس کا یہ خیال ہو کہ اکبانتا جیسے دُور افتادہ مقام میں زرتشت اور دانیال نبی جیسے انصاف پسند اور غریب نواز حاکموں کی موجودگی حکومت کے لئے مفید ثابت ہو۔ دارالسلطنت کے گرد و نواح میں جتنے صوبے تھے سب کے سب بادشاہ کی بدافعالیوں کی نذر ہو چکے تھے اس لئے بہت ممکن تھا کہ اکبانتا جیسے دُور افتادہ صوبے میں زرتشت اور دانیال نبی جیسے عادل اور غریب نواز حاکموں کی موجودگی حکومت کے لئے زیادہ مفید ہو۔

شاہی محل کے اس رفیع الشان حجرے کی تنہائیوں میں معمر نبی نے اپنے اوقات کا بیشتر حصہ اُن مضامین کے مطالعہ کے لئے وقف کر دیا جو تمام عمر ان کا مخصوص موضوعِ فکر رہے تھے اور جن کے علم نے انہیں اِس فقید المثال عروج پر پہنچا دیا تھا۔ اسی حجرے میں وہ فلسفی سپاہی زرتشت کے نقطہ رس ذہن کی تکمیل میں مصروف رہتے اور جتنا وقت اُسے مل سکتا فلسفہ کی تعلیم میں صرف کرتے تھے۔ وہ عام طور پر اسی حجرے میں مقیم رہتے تھے یا کبھی کبھار غلاموں کے کندھوں پر سوار ہو کر نیچے باغ میں چلے آتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ

انہیں قلعے کی باتوں کا علم بہت کم ہوتا تھا اور جب زرتشت اپنے اقوال و افعال سے اپنے خیالات کا اظہار کرتا تو انہیں حیرت ہوتی۔

اب زرتشت کے خیالات میں ایک نئی چیز پیدا ہو گئی تھی۔ اس کی زندگی کے کئی سال حسین نہشتہ کے قرب میں گذرے تھے۔ بیس سال کی عمر میں اس نے نہشتہ کو ایک بچے کی طرح لوریاں دی تھیں، جب وہ کچھ بڑی ہوئی تو اُسے پڑھایا اور اس کے ساتھ کھیلتا رہا۔ اس کے دیکھتے دیکھتے ننھی لڑکی بڑی ہو کر ایک باوقار، غصیلی نازنین بن گئی جو اپنے ساتھ کھیلنے والوں پر اس طرح حکومت کرتی تھی جیسے شیرنی دوسرے پالتو جانوروں پر کرتی ہے۔ تھوڑا عرصہ اور گذرا اور مشرق کی گرم ہواؤں نے سولہ برس کی عمر میں نہشتہ کے اکھڑ اور چنچل بچپنے کو ..... دلفریب جوانی میں بدل دیا۔ وہ گلاب کے عنبر بیز قطعے میں کھڑے تھے اور زرتشت نہشتہ کی بات پر ہنس رہا تھا کہ یکایک اس نے اپنے دل کو تڑپتا ہوا محسوس کیا۔ اس نے محسوس کیا کہ اس کے رخسار کبھی گرم ہو جاتے ہیں اور پھر خود بخود سرد پڑ جاتے ہیں۔

وہ شخص جس نے دُنیا کو غائر نظروں سے دیکھا تھا جس کی عمر کا بیشتر حصہ شاہی دربار میں گذرا تھا، جس نے ایک خشک فلسفی کی طرح انسانی فطرت کے ہر پہلو کا مطالعہ کیا تھا اور جو جانتا تھا کہ انسانی فطرت کا بے باک پہلو انسان کے ہر شعبۂ عمل پر حکمرانی کرتا ہے اپنے دل کی اُلجھنوں کو پہچان گیا۔ اُسے ایسا محسوس ہوا کہ کسی غیر مرئی ہاتھ نے ایک کاری زخم لگایا ہے جو اس کے جسم کو، اس کی رُوح کو اور اس کے دل کو زخمی کرتا ہوا اس کے غرور کو دو نیم کر گیا ہے۔ وہ کئی کئی دن تک پائین اور نخلستان گلاب کی جھاڑیوں کے سائے میں تن تنہا بے مثال فلسفے کے اُس مضبوط تار و پود کو یکجا کرنے کی کوشش کرتا رہا جس کو اس نے اپنے لئے ایک ناقابلِ شکست

حصار کی صورت میں قائم کیا تھا اور جس کے متعلق اس کا خیال تھا کہ دُنیا کی حسین ترین عورت بھی اس میں قدم دھرنے کی جرأت نہ کرے گی۔ لیکن ایک ہی دن میں ایک عورت کے ہاتھوں اور اس کی سحر زا نظروں نے اس کے خیالات کا شیرازہ منتشر کر دیا تھا۔ اُسے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اس کی ساری کائنات ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی ہے اور اُسے بھی دُنیا کے معمولی آدمیوں کی طرح محبت کی تکالیف برداشت کرنا پڑیں گی اور ایک لڑکی کے امیر افزا الفاظ کے لئے اپنا دل چبانا پڑے گا۔ وہ اس سانولی رنگت کی شہزادی سے بچنا چاہتا تھا اور بہت ممکن تھا کہ وہ اس زناٹہ جادو کے اثر سے محفوظ بھی رہتا لیکن ایک دن وہ مرمر کے چبوترے پر کھڑا اپنے ڈوبتے ہوئے دل کو لعن طعن کر رہا تھا کہ شہزادی بھی اُسی جگہ آ گئی۔ دونوں کی آنکھیں ایک دوسرے سے چار ہوئیں۔ اور دونوں کے رگ و پے میں نئی زندگی دوڑ گئی اُن کی آنکھوں میں نئی چمک تھی۔ اُس دن سے وہ ایک دوسرے پر دیوانہ وار عاشق ہو گئے تھے۔ ایسا عشق جو دیوتاؤں کی اولاد کے سوا کسی کو نصیب نہیں ہو سکتا۔ لیکن معمر نبی کے کانوں تک اپنی محبت کی خبر پہنچانا ان کے لئے ناممکن تھا۔ یہی نہیں بلکہ وہ محل کے کسی دوسرے فرد کے سامنے بھی یہ اعتراف نہ کر سکے کہ سنگ مرمر کے چبوترے پر جب چودھویں کا چاند اپنے سیلاب نور کی بارشیں کر رہا تھا اُس وقت ان دونوں نے اپنے آپ کو ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے کے حوالے کر دیا تھا۔ زرتشت جانتا تھا کہ معمر نبی اُسے فلسفہ اور دینیات کا ماہر بنانا چاہتے ہیں اور وہ کسی طرح بھی برداشت نہ کر سکیں گے کہ وہ شخص جس کو ایک فقید المثال ولی اور صوفی بنانے میں انہوں نے اپنی عمر عزیز کا بہترین حصہ صرف کیا ہے عام دُنیا پرست انسانوں کی طرح شادی کی الجھنوں میں گرفتار ہو کر ذلیل ہو جائے۔ اس پر مستزاد اُسے یہ بھی علم تھا کہ نشستہ یہودا کے شاہی

خاندان کی آخری نشانی ہے اور مقدس نبی ایک سچے اسرائیلی ہونے کی حیثیت سے یہ کبھی بھی برداشت نہ کرسکیں گے کہ ان کے معزز خاندان کی معزز شہزادی ایک ایسے آدمی کے ساتھ مناکحت کی زنجیروں میں منسلک کردی جائے جو شریف، نجیب، صادق اور عالی دماغ ہونے کے باوجود ایک غیر قوم اور غیر مہذب ملک فرد ہے۔ یہ درست ہے کہ زرتشت نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ دانیال نبی کے فلسفہ کا مطالعہ کرنے میں صرف کیا تھا اور وہ علم استدلال جو دانیال نبی نے چلڈان کے فلسفیوں سے سیکھا تھا وہ بھی اُسے ازبر ہوگیا تھا۔ لیکن اس کے باوجود اس کے خیالات اپنے تھے اور ان پر کسی بیرونی اثر کا شائبہ تک نہ تھا۔ وہ اسرائیلی نہیں تھا اور نہ بنی اسرائیلی بننے کی اس نے کبھی کوشش کی تھی۔ وہ نہ تو بُت پرست تھا، نہ ہی مجوسی، گوتم کے فلسفے نے بھی اس کے ذہن پر کوئی اثر نہ کیا تھا۔

اِن میں سے کوئی سی ایک وجہ بھی شادی کے لئے مُہلک ہوسکتی تھی اور جب یہ دونوں وجہیں مِل گئیں تو پھر شادی کا خیال ناممکن بن گیا۔ اِس کے علاوہ پچھلے سات مہینوں میں جب سلطنت کا شیرازہ بکھرتا نظر آتا تھا کمزور اور بُزدِل شہزادہ کی مراعات پر اعتبار کرکے ایسی خطرناک شادی میں کُود پڑنا دیوانگی تھی۔ دانیال نبی نہشتہ کے محافظ اور اس کے نیک و بد کے ذمہ دار تھے، مادیا میں ان کا سکّہ چلتا تھا اور دربار میں ان کا اثر و رسوخ تھا۔ ایسے حالات میں نہشتہ ان کی اجازت کے بغیر شادی نہیں کرسکتی تھی۔ اِس لئے زرتشت ہر ممکن طریقے سے اپنے دل کی عزیز ترین خواہش کو اُس وقت تک جب تک کہ آیندہ حالات میں کوئی خوشگوار اور مناسب تبدیلی پیدا نہ ہوجائے دل کے تاریک ترین گوشوں میں چھپائے رکھنے پر مجبور تھا۔ لیکن یہ دونوں باہر عام طور پر ملتے رہتے تھے۔ زرتشت قلعہ کا

کپتان ہونے کی حیثیت سے اُسے اُن باغوں کے تخلیوں میں بھی ہر روز مل سکتا تھا جو نہشتہ اور اس کے خاندان کے دوسرے افراد کے لئے مخصوص تھے اور جن کی نگہداشت میں بڑا اہتمام برتا جاتا تھا۔

لیکن اب وہ موقع قریب آتا معلوم ہوتا تھا اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ محبت کے ان شیدائیوں کے لئے حالات سازگار ہونے کو ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ یہ دونوں اپنی اپنی جگہ مسرور اور مطمئن تھے۔ چند معمولی سوالات و جوابات کے سوا یہ دونوں سفر کے متعلق کسی تفصیل میں نہیں گئے۔ نہشتہ دربار کی شان و شوکت اور رونق و عظمت دوبارہ دیکھنے کے خیال سے بہت خوش ہوئی تھی۔ وہ بچپن ہی سے دربار میں رہی تھی اور وہ مسرت آگیں رونق ابھی تک اس کے ذہن سے محو نہیں ہوئی تھی یہی وجہ تھی کہ اکبانتا کی تنہائی اس کے لئے سوہانِ روح تھی اور اگر زرتشت نہ ہوتا تو شاید وہ اپنے آپ کو ایک مجبور قیدی سے زیادہ نہ سمجھتی لیکن اس نے اپنی مسرت کو زرتشت پر ظاہر نہ ہونے دیا۔ زرتشت کچھ اُس سے کم خوش نہ تھا۔ اُسے محسوس ہوتا کہ دربار میں پہنچتے ہی دارا کی بے غایت عنایات اور اس کا شاہانہ جلال اُن تمام رکاوٹوں کو یکدم ہٹا دیگا جو اسے نہشتہ سے شادی کرنے سے روکے ہوئے ہیں۔ لیکن اس کی شرمیلی طبیعت یہاں بھی آڑے آئی۔ باوجودیکہ اُسے یقین تھا کہ اس طرح نہشتہ اور وہ شادی کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے وہ اس راز کو نہشتہ پر ظاہر نہ کر سکا۔

لیکن اس خوشی کے باوجود جب وہ معمر نبی کے سامنے گیا تو اُسے یہ دیکھکر سخت افسوس ہوا کہ نہشتہ کی جدائی معمر نبی کے لئے مصیبت کا پہاڑ بن کر آئی ہے۔ آج اُس عمر میں پہلی دفعہ یہ احساس ہوا کہ مقدس نبی اُس سے اپنی منہ بولی بیٹی نہشتہ کی بہ نسبت کم محبت نہیں کرتے۔ جب سرد مہر اور حقیقی محبت سے ناآشنا انسان ایک محبت کرنے والے اور گرم جوش

اِنسان کے بالمقابل ہوتے ہیں تو ان کے دِل میں ایک حیرت انگیز انقلاب محسوس ہوتا ہے۔ زرتشت بھی دانیال نبی کے سامنے بیٹھا اس انفعال انگیز انقلاب کو محسوس کر رہا تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ معمّر نبی نے اس پر اتنی مہربانیاں کی ہیں اور ان کی محبّت اتنی سچّی اور بے لوث رہی ہے کہ جس کا بدل وہ نہیں دے سکا اور احسان فراموش ثابت ہُوا ہے ضمیر کی اس لعنت ملامت کے ساتھ اس خیال نے کہ وہ شہنشاہ دارا کی مدد سے اپنے محسن اور اُستاد کی اجازت کے بغیر نشتہ سے شادی کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اُسے اور بھی تڑپا دیا اور وہ خود اپنی نظروں میں اپنے آپ کو ذلیل اور احسان فراموش سمجھنے لگا۔

چند لمحوں تک کمرے پر خاموشی مسلط رہی۔ آخر معمر نبی نے دفعتہً اپنا سر اُٹھایا اور گدیلوں پر لیٹ کر اپنے ساتھی کی طرف دیکھنے لگا۔

"تمہیں کوئی افسوس ـــ کوئی رنج نہیں" انہوں نے درد و کرب میں ڈُوبی ہوئی آواز سے پُوچھا۔

"حضورِ مکرّم غلام کے ساتھ ناانصافی فرما رہے ہیں" زرتشت نے رنج و غم کی شدّت سے بھنوؤں کو سکوڑتے ہوئے جواب دیا۔ "ایک دِن کے لئے بھی حضورِ مکرّم سے جُدا ہو کر خوش رہنے کا خیال غلام کی احسان فراموشی کی دلیل ہے۔ لیکن حضورِ مکرّم متوحش نہ ہوں اِس سے پہلے کہ زغراز کی پہاڑیوں سے بھیڑوں کے غلّے سرما کی شدّتوں سے پناہ حاصل کرنے کے لئے اُتریں ہم آپ کے پاس آجائیں گے"۔

"تو قسم کھاؤ کہ تم سردیوں سے پہلے آجاؤ گے" معمّر نبی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"مَیں قسم تو نہیں کھا سکتا" زرتشت نے جواب دیا۔ "حضور خود سمجھ سکتے ہیں کہ مَیں شہنشاہ دارا کے ہاتھوں میں ہوں۔ مَیں قسم کیسے کھا سکتا ہوں"۔

"یوں کہو کہ تم خدا کے ہاتھوں میں ہو اور اسی لئے تم قسم نہیں کھا سکتے میں کہتا ہوں کہ تم واپس نہیں آؤ گے اور میں تمہارا منہ دوبارہ نہ دیکھ سکوں گا۔ موسم سرما آتا رہے گا، پرندے ہجرت کر کے جنوب کی طرف جائیں گے اور میں برف اور کہرے سے لدی ہوئی زمین پر اکیلا ہونگا۔ بہار پھر آئے گی اور مجھے تنہا پائے گی۔ کیونکہ تم واپس نہ آسکو گے، نہ ہی تم، نہ میری بیٹی نہشتہ اور نہ ہی میرے خاندان کا کوئی اور فرد۔ اور یاد رکھنا میں تنہا موت کے جبڑوں میں چلا جاؤں گا۔"

معلق چراغ کی زرد روشنی معمر نبی کی آنکھوں پر پڑ رہی تھی اور اُن پژمردہ آنکھوں میں ایک مُردہ سی روشنی نظر آتی تھی۔ ان کا چہرہ معمول سے زیادہ لمبا اور پریشان معلوم ہوتا تھا۔ چہرے کی لاتعداد سلوٹیں اور گہری لکیریں جو سو سال کی طویل کشمکش کا نتیجہ تھیں اِس دُھندلی روشنی میں اپنی پوری قوت اور ہیبت کے ساتھ اُبھری ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔ اِن تنی ہوئی بھنوؤں اور بدلے ہوئے تیور کو دیکھ کر زرتشت کے بدن پر ایک خفیف جھرجھری چھا گئی۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن ایک نامعلوم خوف نے اُسے خاموش رہنے پر مجبور کر دیا۔

"جاؤ بیٹا" مقدس نبی نے بلند آواز میں کہا۔ وہ آہستہ آہستہ اُٹھے یہاں تک کہ تن کر سیدھے بیٹھ گئے اور ان کی بوڑھی جھریوں سے بھری ہوئی گرہ دار انگلیاں نوجوان سپاہی کی طرف بڑھیں "جاؤ! تمہارے اعمال کی باگ ڈور خدا کے ہاتھوں میں ہے اس لئے جاؤ اور اپنا کام کرو۔ تمہارے بعض کام نیکی کے ہوں گے اور بعض انتہائی بدی کے۔ کیونکہ تم اُس شفاف عقیقی راستے سے پرے ہٹا دیئے گئے ہو جو ستاروں میں سے ہو کر گذرتا ہے۔ تم اُس سیڑھی پر سے گر گئے ہو جس کے ذریعے آسمانی فرشتے زمین پر

آتے جاتے ہیں۔ تم ایک عورت کی محبّت سے مسحور ہو گئے ہو جس کو بقا نہیں ہوتی۔ کچھ عرصے کے لئے تمہیں غلط راستے پر چلایا جائیگا اور پھر تھوڑی سی مُدّت کے لئے تمہیں ہزاروں مصائب برداشت کرنا ہوں گے۔ اس کے بعد تمہیں ایک اور راستہ مل جائیگا اور تم اُس پر دیوانہ وار بھاگ نکلو گے۔ کیونکہ تم نے تاریکی اور نُور میں حدِّ فاصل قائم نہیں کی۔ کیونکہ تم نے خیر اور شر کے درمیان فرق محسوس نہیں کیا اس لئے تم اپنے تصوّرات کی پُر پیچ بھول بھلیوں میں کھو جاؤ گے۔ گُم ہو جاؤ گے۔ ایک عورت تمہیں غلط راستے پر چلائے گی۔ تم اُس عورت سے اجتناب کرو گے لیکن اس کے باوجود تمہاری تباہی یقینی ہے لیکن تم میں نیکی کا مادہ موجود ہے اور یہی تمہیں اور تمہارے نام کو آیندہ نسلوں کے لئے محفوظ رکھے گا۔ لیکن بدیوں کا وہ عظیم لشکر جو تمہیں چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے تمہیں برباد کر دے گا۔ اس بربادی کے باوجود تمہاری رُوح سلامت رہے گی۔"

عالی مرتبت نبی کے پُر جلال سراپا اور ان کی دہشت افزا باتوں نے زرتشت کو خوف سے لرزا دیا اور اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔

"اُٹھ اور جا! کیونکہ خدا کا ہاتھ تیرے سر پر ہے اور دُنیا کا کوئی متنفس تجھے روکنے کی جُرأت نہیں کر سکتا۔ تو سُورج کی افق تابیوں کو دیکھے گا اور اسی کی شوکت و تجمل میں کھو جائیگا۔ تو سمجھے گا یہی تیرا سب کچھ ہے۔ لیکن اس کے بعد تجھ پر وہ زمانہ بھی آئے گا، جب فضا کی دُھندلی روشنی تیرے نفس کے گھُپ اندھیرے میں ڈُوب جائے گی۔ تجھے اپنی طاقت اور اپنی خارا شگاف شمشیر کی تیزی پر ناز ہوگا اور تو سمجھے گا کہ دُنیا میں تیرا مثل کوئی نہیں۔ لیکن ایک ایسا دَور بھی آئے گا جب تو اپنے چمکدار ہتھیاروں کو خاک میں پھینک دیگا اور پکار کر کہے گا "یہ بیجا تکبّر ہے"۔ بادشاہ کو تیری قوّت و

صولت پر فخر ہوگا اور تو ملکہ کے سامنے طلائی زرہ بکتر اور زربفت کے لبادے میں ملبوس ہو کر جائیگا لیکن یاد رکھ انجام دُور نہیں، خدا کا ہاتھ تیرے سر پر ہے۔ اگر خدا تجھ سے شاندار کارنامے کروانا چاہتا ہے تو اس پر مجھے کیا؟ اُٹھ اور جلدی جا، کہیں بھی وقت ضائع نہ کر۔ ایسا نہ ہو کہ عورت تجھے بہکا دے اور تو سر کے بل تباہی کے عمیق غار میں گر جائے۔ جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے مَیں بھی پا بہ رکاب ہوں۔ لیکن مَیں تیرے ساتھ نہ جاؤں گا۔ میرا کُوچ تجھ سے پہلے ہوگا۔ یاد رکھنا تجھے بھی میرے بعد میرا ہی راستہ اختیار کرنا ہے ــــ مَیں جاتا ہوں! ہاں مَیں اِس کائنات کے گھُپ اندھیرے میں نُور کی شعاعیں دیکھ رہا ہوں۔ آسمانی فتح کے جھنڈے میرے سر پر لہرا رہے ہیں۔ اور نُور کی شوکت و عظمت میں فتحمندی کے مسرور نعرے گونج رہے ہیں"

زرتشت نے چونک کر اپنے اُستاد کی طرف دیکھا اور پھر اگر زمین پر دوزانو ہو گیا۔ اس کا خود مرمر کے فرش پر جھجھکتا ہُوا لڑھک کر دُور جا گرا۔ مقدس نبی ایک دیو قامت شاہ بلوط کی طرح سیدھے کھڑے ہو گئے۔ ان کے جھریوں سے بھرے ہوئے سوکھے ہوئے ہاتھ آسمان کی طرف بلند ہوئے، اور ان کی داڑھی اور سر کے سفید بال ایک سیمیں ڈھیر کی طرح ان کی کمر تک لٹک گئے۔ ان کے چہرے پر کسی اندرونی روشنی کا جلال چمکنے لگا اور ان کی سیاہ آنکھیں جو آسمان کی طرف بلند ہو گئی تھیں اِس طرح کشادہ ہو گئیں گویا آسمان کی پُراسرار بلندیوں سے برکت اور عظمت کا نور چھن رہا ہے اور یہ آنکھیں اُسے اپنے اندر جذب کئے لیتی ہیں۔ ان کی آواز میں جوانی کا کرارا پن پھر عود کر آیا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کا سراپا کسی دوسری دُنیا کی

عدیم النظیر شوکت میں ڈوب گیا ہے۔ انہوں نے مکرر فرمایا۔

"دیکھ میری آواز میں ماضی اور مستقبل کے قرن بول رہے ہیں۔ اور میرے مالک خداوند نے مجھے بلندیوں پر اٹھالیا ہے۔ میرا وقت آلیا اور اب مجھے کوئی بھی ذلیل نہ کرسکے گا۔ زمین مجھ سے کئی قدم پرے ہٹ گئی ہے اور خدا کا جلال جس کی کوئی اِنتہا نہیں مجھے اپنے سائے میں لے رہا ہے۔

خدا آتا ہے ـــــ وہ بسرعت آتا ہے۔ اس کے داہنے ہاتھ میں صدیاں ہیں اور رات اور دِن اس کے قدموں کے نیچے ہیں۔ چرو بم کا لشکر اس کے پہلو میں ہے اور سارافم کی فوجیں خوفزدہ ہو رہی ہیں۔ آسمان کے ستارے کانپ رہے ہیں اور ان کی سسکیاں ڈرے ہوئے انسان کے نالۂ زیرلبی سے مشابہ ہیں۔ سقفِ نیلگوں کی کمان ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی ہے اور آسمانی پردے کی دھجیاں اس طرح اُڑگئی ہیں جس طرح بوسیدہ پردہ ایک مہیب طوفانِ باد سے مقابلہ کرتے کرتے تار تار ہو جائے۔ سورج اور چاند چلّا رہے ہیں اور سمندر خدا کی غضبناک چتونیں دیکھ کر مارے خوف کے چیخ رہا ہے۔

دُنیا کی قومیں بجھی ہوئی راکھ کے ذرّات کی طرح فنا کی فضا میں تحلیل ہوگئیں اور دُنیوی بادشاہوں میں سے کوئی بھی زندہ نہیں۔ اس نے اس دُنیا کو چکّی میں پیس ڈالا ہے اور اس کے ذرّات آسمان کے لامحدود خلا میں منتشر ہوگئے ہیں۔ ستارے اپنی بے قیاس قوّت کے باوجود اس کے ہاتھوں ریزہ ریزہ ہوگئے ہیں اور ہزارہا برسوں کی بُنیادیں سُرمے کی طرح پیس ڈالی گئی ہیں۔ ان میں سے کچھ بھی باقی نہیں، اِن کے سارے ہنگامے ایک ہمہ گیر خاموشی کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب گئے

اور اس خلائے عظیم کی دہشتناک وسعتوں میں دُھندلے نقوش کے سوا کچھ بھی باقی نہیں رہا۔

لیکن وہ دیکھو! شمال سے ایک جلالت مآب نُور کا ظہور ہوتا ہے اور وہ دنیا کے ہر ذرّے میں خدا کی رُوح پھُونک دیتا ہے۔ افقِ مشرق کی سُنہری کرنیں پھر نمودار ہوئیں، زمانے اور موسم نے مُسکرا کر آنکھیں کھول دیں اور قدرت کاملہ حسین پیکروں میں متشکل ہونے لگی۔ مٹّی کے ذرّات سے از سرِ نو مٹّی کی تخلیق ہو گی اور وہ اپنی شوکت کے نُور سے ستاروں کو نورانی پیکر عطا فرمائے گا۔

اے موجودات اُس بزرگ و برتر کی حمد کے ترانے گاؤ۔ اس کی برتری کے راگ اپنی بلند ترین موسیقی میں الاپو! اُس خدا کی تعریف کرو جس میں زندگی ہے اور جس سے ہر چیز زندگی اخذ کرتی ہے۔ اُس خدا کی حمد گاؤ جو آسمانی صبح کے پر و بال کی مدد سے اُبھرتا ہے، جس کی سانس ستاروں کی زندگی ہے اور جس کی روشنی سے سقفِ فلک میں قندیلیں روشن ہوتی ہیں۔ اُس کی تعریف کرو جو قطبین کے پہیے بناتا ہے۔ اُس کی تعریف کرو جو بہار کے موسم میں مسکراہٹوں کی بارشیں کرنے والے پھُولوں کا خالق ہے اور جو میدان کے ننھے ننھے عطر بیز پھُولوں کو بناتا ہے۔ اے سرما و گرما! اس کی تعریف کرو۔ اے حرارت و برودت اس کی تعریف کے نغمے گا، اے آسمان کے ستارو! اے زمین پر بسنے والے مرد اور عورتو! اس کی تعریف کرو۔ تعریف اُس بلند ترین یہوداکی جو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تخت پر متمکن ہے۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ....."

مقدّس نبی نے آخری فقرے اپنی بلند ترین آواز میں کہے یہاں تک کہ مینار

اپنی بلندیوں کے باوجود گونج اُٹھا۔ پھر انہوں نے اپنے بازوؤں کو آسمان کی طرف بلند کیا۔ وہ اسی حالت میں چند لمحوں تک ساقط و جامد کھڑے رہے۔ ان کے چہرے پر ایک غیر فانی نُور ہالہ کئے تھا اور ان کا سراپا کسی سماوی شوکت میں ملبوس دکھائی دیتا تھا۔ چند لمحوں کے بعد وہ پُشت کے بل گدے دار فرش پر گر پڑے ـــــ اور ایسی نیند میں سو گئے جسے لاکھوں صدیاں بیداری میں نہیں بدل سکتیں۔

زرنشت گھبرا کر سیدھا کھڑا ہو گیا اور اپنے آقا اور عزیز ترین دوست کی لاش کو حیران نظروں سے دیکھنے لگا جو معلق چراغ کی زرد روشنی میں اکڑی پڑی تھی۔ پھر وہ دفعتہً لپک کر آگے بڑھا اور اُس عظمت مآب سر کے قریب جُھک گیا جس کی شان و شوکت کو موت کی افسردگی بھی نہ مٹا سکی تھی۔ اس نے ایک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اُسے سہلانے لگا۔ پھر اس نے اُس کے دل کی دھڑکن دیکھی جس کی حرکت بند ہو چکی تھی۔ یہاں سے نا اُمید ہو کر اس نے موت سے لڑتی ہوئی زندگی کی آخری نشانی اُکھڑی ہوئی سانس کو محسوس کرنا چاہا لیکن اس کی ساری کوششیں بیکار ثابت ہوئیں۔ آخر منیکا کے مینار کی فلک رس بلندی پر بہادر سپاہی اپنے آقا کے سینے سے لپٹ گیا اور اُس فقید المثال کی لاش پر آنسو بہانے لگا جس نے اُسے زندگی کے رموز سے آگاہ کر دیا تھا۔

(۴)

اِس طرح دانیال نبی نے انتقال فرمایا۔ سات دن تک عورتیں فرش پر بیٹھ کر ان کا سوگ مناتی رہیں اور مرد اُن کے جسم کو خوشبودار مصالحے لگا کر ان کے کفن دفن کی تیاری کرتے رہے۔ نعش کو ململ کی لاتعداد تہوں میں لپیٹا گیا اور اس پر شاہی مال خانے کے قیمتی خوشبودار عرق اور نایاب مصالحے انڈیلے گئے۔ انکی لاش کے چاروں طرف عود و لوبان کے بخور دان، اگربتیوں کے خوشبودار قرص، جاوائی لوبان کی طشتریاں اور خالص موم سے بنی ہوئی موم بتیاں جلائی گئیں۔ عمائدین شہر اور اکبانتا کی رعایا نے پورے سات دِن سوگ منایا۔ ان کی زبانیں مقدس نبی کی تعریف کرتے وقت تھکتی ہی نہ تھیں۔ وہ مسلسل اس کی بزرگی اور عظمت کے گیت گاتے تھے اور چاروں طرف یہی چرچے ہو رہے تھے کہ دُنیا کی ایک عظیم ترین ہستی ہمیشہ کے لئے داغِ مفارقت دے گئی ہے۔

اِس طرح پورے سات دن دانیال نبی کے عظیم الشان کارناموں کو سراہا گیا اور اس کے چرچے کئے گئے۔ مینار کے وسطی کمرے میں عورتیں نہشتہ کو درمیان میں بٹھا کر فرش پر ہو بیٹھیں اور پورے سات دن کچھ کھائے پیئے بغیر روتی پیٹتی اور فرش پر راکھ

اُڑاتی رہیں۔ اس مدت میں نہشتہ کا منہ فاقے کی شدت اور رنج و کرب کی افراط سے ذرا سا نکل آیا اور اس کے گلابی ہونٹ سفید پڑ گئے۔ اس نے اپنے لمبے بالوں کو بے ترتیب رکھا اور ان کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ اکثر مردوں نے سر منڈوا دیا اور ننگے پاؤں پھرتے رہے۔ چھوٹا سا قلعہ اور قلعے کے اندر رہائشی مکانات رونے اور پیٹنے کے فلک گیر نعروں سے گونج گئے۔ یہودی اپنے سردار کا ماتم کر رہے تھے اور ان کے دو کاہن لاش کے قریب بیٹھے اپنے مقدس صحیفے کے ورق پڑھتے رہے۔ مادیا کے رہنے والے اپنے انصاف پسند حاکم کی وفات پر سوگوار تھے جس کو بنو کدنذر اعظم نے پہلی مرتبہ بیلشزار کا لقب دیا تھا۔ مختصر شہر کا بچہ بچہ مقدس نبی کی وفات پر رو رہا تھا اور ان کے رونے کی آوازیں ماتم کے ایک فلک رس غوغے کی طرح محل کے مکینوں تک پہنچ رہی تھیں اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ساری قوم متفقہ طور پر ایک عظیم مشترکہ نقصان پر گریہ وزاری میں مشغول ہے۔

آٹھویں دن ایک تقدس مآب شان اور شاہانہ شوکت و تجمل کے ساتھ معمر نبی کی لاش کو محل کے ایک ملحقہ باغ میں سپردِ خاک کیا گیا۔ نعش دو کاہنوں، ایک یہودی نوجوان اور زرتشت کے کندھوں پر اٹھوائی گئی جو ٹاٹ کے جاموں میں ملبوس اور ننگے پاؤں تھے۔ یہ چاروں اپنے مقدس بوجھ کو کندھوں پر اٹھائے ہوئے مینار کی کشادہ سیڑھیوں پر سے اترے اور باغ میں سے ہوتے ہوئے دہانِ قبر تک پہنچ گئے۔ سوگ منانے والے قبر تک پہلے ہی پہنچ گئے تھے۔ مادیا کی ہزاروں عورتیں ان میں شامل تھیں۔ ان عورتوں کے بال بکھرے ہوئے تھے اور یہ بلند آواز سے آہ و بکا کرتی، اپنے ٹاٹ کے کپڑے پھاڑتی اور نوچتی، فضا کو اپنی فلک رس چیخوں اور زہرہ گداز نوحوں سے

درہم برہم کرتیں قبر کے ارد گرد جمع ہو گئیں۔ قبر تک پہنچ کر ان چاروں نے اپنے آقا اور معزز اُستاد کو سیاہ مرمر کے بڑے مقبرے میں لٹا دیا جس پر پائین اور سدا بہار گلاب شب و روز مُعطر آنسوؤں کی برکھا کرتے رہتے ہیں۔ اس کے بعد نئے نوازوں کا گروہ آیا۔ انہوں نے اپنی بانسریوں اور طنبوروں سے ایسی خوفناک اور سامع پاش موسیقی پیدا کی کہ سُننے والے لرزہ براندام ہو گئے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی غیر فطری مخلوق نے اپنی ساری قوت ان کی لرزہ خیز حزنیہ موسیقی میں بدلنے میں صرف کر دی ہے۔ جنازے کے دونوں طرف مقدس نبی کے خاندان کی عورتیں تھیں لیکن جب ماتم گساروں کا یہ جلوس طویل و عریض باغ کے پُر پیچ روشوں پر چل رہا تھا۔ نہشتہ زرتشت کے کندھے سے کندھا ملائے چل رہی تھی اور کبھی کبھار چور نظروں سے اپنے خوبصورت محبوب کا چہرہ دیکھ لیتی تھی۔ لیکن اس کا چہرہ مردوں کی طرح سفید پڑ گیا تھا۔ اس پر حزنیہ جذبات کے سوا کسی اور جذبے کے لئے جگہ نہ تھی اس کے بے ترتیبی سے بکھرے ہوئے بال اور اس کی لمبی سُنہری داڑھی ٹاٹ کے کھُردرے کپڑوں پر بکھری ہوئی تھی۔ لیکن اس کے پائے استقلال میں لغزش نام کو نہ تھی۔ مینار کے بلند ترین کمرے سے لے کر باغ کے اس دُور اُفتادہ گوشے تک جہاں قبر واقع تھی کافی فاصلہ تھا اور یہاں تک آنے میں کافی وقت خرچ ہوا تھا لیکن زرتشت اس طویل عرصے میں سیدھا اپنے سامنے تکتا رہا اس نے نہ ہی اپنے دائیں طرف آنکھیں اُٹھائیں نہ ہی بائیں طرف دیکھا اور آخر انہوں نے اپنے محبوب آقا کو آخری آرام گاہ کی تنہائیوں میں اُتار دیا۔ عورتیں ہاتھوں میں بال چھر، عنبر اور بیش قیمت عطریات کی ڈبیا لئے ہجوم کر کے قبر کے ارد گرد کھڑی ہو گئیں۔ زرتشت دیر تک آنکھیں پھاڑے اپنے محترم دوست اور معزز اُستاد کے چہرے کی طرف تکتا رہا۔ یہاں تک کہ اسکی آنکھوں سے

آنسوؤں کی دھارا بہہ نکلی اور آنسو ٹپ ٹپ اس کی داڑھی اور سنگین کفن پر گرنے لگے۔ پھر وہ خاموشی سے پیچھے ہٹ گیا اور لاش کی طرح زرد اور خاموش راستے پر سے پھٹتے ہوئے ہجوم کے درمیان میں سے گذرتا ہوا اپنے محل میں چلا گیا اور بقیہ تمام دن اپنے محل میں منہ چھپائے بیٹھا رہا۔

لیکن جب آفتاب جہانتاب اپنے فرائض پورے کر کے حجابِ مغرب میں چھپ گیا زرتشت باہر نکلا اور تاریک برآمدے میں آ کھڑا ہوا۔ اس روز چاند طلوع نہیں ہوا تھا۔ چند لمحوں کے بعد اس نے زرہ بکتر پہنا اور احمرین لبادہ زیب تن کیا کیونکہ اس کے فرائض اسے محلات میں بلا رہے تھے۔ ستاروں کی دھیمی روشنی اس کے چمکدار خود پر رقص کر رہی تھی اور اس کے مرمریں خطِ خال اور سنہری داڑھی تاریک رات کے دھندلکوں میں دھنا لائی ہوئی نظر آتی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ نہشتہ اپنی متعینہ جگہ پر ضرور آئے گی اس لئے وہ باغیچے کے برآمدے کے ستونوں کی طرف پیٹھ کئے خاموش کھڑا ہو گیا۔ وہ دیر تک اپنے محبوب کی آمد کا انتظار کرتا رہا۔ آخر پتھر کی روش پر پاؤں کی چاپ سنائی دی، پھولدار بیلوں میں سرسراہٹ ہوئی اور اس نے تاروں کی دھندلی روشنی میں اپنی روح کے عزیز ترین معبود کے سفید لبادے کو تیزی کے ساتھ اپنی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا۔ وہ اچھل پڑا اور دونوں ہاتھ پھیلائے نہشتہ کا استقبال کرنے کے لئے بڑھا وہ اسے اپنی آغوش میں لیکر اپنے سینے کے ساتھ بھینچ لینا چاہتا تھا لیکن نہشتہ نے اسے پرے ہٹا دیا اور اس کی طرف سے منہ موڑ کر تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی بارہ دری کی طرف بڑھی۔ ستاروں کی اس دھندلی روشنی کے باوجود زرتشت نے نہشتہ کے چڑھے ہوئے تیور دیکھ لئے اور اسے معلوم ہو گیا کہ اس کی کسی حرکت نے نہشتہ کو غضبناک بنا دیا ہے۔ یہ خیال ایک بھاری بوجھ کی طرح اس کی روح پر گرا اور محبت دیکھتی کے وہ تمام الفاظ جو ہجوم کر کے اس کے ہونٹوں پر جمع ہو گئے تھے یکدم منجمد ہو گئے۔ وہ اسے

بہت کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن کچھ بھی نہ کہہ سکا۔
زرتشت اس کے پیچھے پیچھے گیا اور اپنا ہاتھ اس کے کندھوں پر رکھ دیا۔ نہشتہ خاموش رہی۔
"جانِ من" زرتشت نے اس کے غضبناک چہرے کو دیکھنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "کیا آج کی رات مجھ سے کچھ نہ کہو گی"۔ لیکن وہ کچھ نہ بولی۔ "کیا ایسا ہی رنج ہوا ہے کہ تم محبت کو بھی بھول گئی ہو"۔ اس نے نہشتہ کے کان کے قریب منہ لے جا کر دھیمی آواز میں کہا۔ نہشتہ چونک کر ایک طرف ہٹ گئی اور اس کی طرف دیکھنے لگی۔ اس تاریکی کے باوجود زرتشت دیکھ رہا تھا کہ اس کی محبوبہ کی آنکھوں میں غیظ و غضب کے شعلے رقص کر رہے ہیں۔
"رنج تو تمہیں ہوا تھا۔ یہاں تک کہ تم نے میری طرف دیکھنا بھی پسند نہیں کیا"۔ وہ بولی، "ہم دونوں اتنی دیر اکٹھے رہے لیکن کیا اس سارے اوقات میں تم نے ایک نظر بھی میری طرف ڈالی تھی؟ رنج و غم میں تم نے مجھے بھی بھلا دیا"۔ اس نے طنزاً کہا۔ "اور اب جبکہ تمہارے آنسوؤں کا طوفان کچھ کم ہوا ہے تمہیں میری یاد آئی ہے۔ میں حضورِ والا کی اس عنایات بے غایات کی بصمیم قلب شکر گذار ہوں کہ حضورِ والا نے اپنی حقیر کنیز کو اس طرح نوازا ــــ لیکن کنیز کو اس کی ضرورت نہیں ہے ــــ تم آئے کیوں ہو یہاں"۔
زرتشت بڑے اہتمام سے سینے پر ہاتھ باندھ کر نہشتہ کی طرف منہ کر کے سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اس نے بظاہر بڑے آرام سے گفتگو شروع کی لیکن اس کے انداز سے ظاہر تھا کہ اس کے دل پر ایک فوری صدمہ اثر انداز ہوا ہے۔ وہ مردوں کی فطرت سے بخوبی واقف تھا لیکن عورتیں ابھی تک اس کے لئے ایک معمہ تھیں۔
"رنج اور خوشی دو مختلف جذبے ہیں اور ان کے لئے دو مختلف اوقات کی ضرورت"

وہ بولا۔ "رونے دھونے کے لئے وقت ہوتا ہے اور محبت سے ایک دُوسرے کی طرف دیکھنے کے لئے بھی خاص وقت کی ضرورت ہے۔ مَیں نے جو کچھ کیا سوچ سمجھ کر کیا اور یہی مناسب تھا۔ جب کسی کی رُوح پر موت جیسے عظیم حادثے کا رنج مسلط ہو اور جب وہ اپنے ایک ایسے بزرگ کی یاد میں آنسو بہا رہا ہو جو زندگی میں اس کے باپ کے برابر تھا تو اُس وقت یہی مناسب ہوتا ہے کہ کوئی دُوسرا جذبہ اس کے ذہن میں آنے پائے، خواہ وہ دُوسرا جذبہ اُسے کتنا عزیز ہی کیوں نہ ہو۔ یہی وجہ تھی کہ اپنے آقا اور اُستاد کی تدفین کے وقت میں تمہارے ساتھ آنکھ نہ مِلا سکا۔ مَیں تم سے محبت کرتا ہوں اور میرا دل جانتا ہے کہ تمہاری پیاری صورت کو دیکھتے رہنے کے لئے مَیں کس طرح بیتاب رہتا ہوں لیکن اس کے باوجود مَیں تمہاری طرف نہ دیکھ سکا۔ لیکن نہشتہ آخر تم ناراض کیوں ہو گئیں ہو؟"

"مَیں ناراض کب ہوں" نہشتہ نے جواب دیا۔ "لیکن میرا خیال ہے کہ تم مجھ سے بہت ہی کم محبت کرتے ہو تبھی تو اس آسانی کے ساتھ تم مُنہ پھیر لیتے ہو۔"

اس نے اپنا چہرہ اتنا جُھکا لیا کہ وہ رات کی تاریکی میں اوجھل ہو گیا۔ زرتشت نے اس کی گردن میں اپنی باہیں حمائل کر دیں اور اپنی طرف کھینچا۔ نہشتہ پہلے تو بگڑ گئی لیکن جلد ہی اس کا سر اپنے محبوب کے سینے پر تھا۔ قدرے توقف کے بعد وہ پھر اُس سے پرے ہٹ گئی۔

"نہیں نہیں مجھے چھوڑ دو۔ تمہیں مجھ سے قطعاً محبت نہیں ہے" اس نے زیر لب کہا۔

لیکن زرتشت نے اُسے اپنے سینے سے لگا لیا اور محبت بھری آواز میں بولا۔ "تمہیں کیسے چھوڑ دوں نہشتہ! تو میرے دِل کی رانی ہے۔"

"ایسا نہیں ہے" نہشتہ نے چلّا کر کہا اور اس کی مضبوط گرفت میں مچل کر رہ گئی۔ اسکی آواز یکدم دھیمی پڑ گئی اور اس نے آہستہ سے کہا "یہ کہو کہ تمہیں محبت نہیں ہے۔"

اس کی باہیں اُس کی کمر میں حمائل ہوگئیں اور اس نے زرتشت کو اپنی پوری طاقت سے اپنے ساتھ بھینچ لیا۔ "محبوب! تم اتنے سرد مہر کیوں معلوم ہوتے ہو؟ میں تمہیں اتنی محبت کرتی ہوں اور تم اتنے سرد مہر ہو؟"

"نہیں دلنواز! ایسا نہیں ہے" اس نے کہا۔ "مجھے تم سے اتنی محبت ہے کہ الفاظ اس کا احاطہ کرنے سے قاصر ہیں۔ کیا ہم نے نہیں کہا تھا کہ ہم دونوں کے محبت کے راستے مختلف ہیں۔ جب دونوں نغمے آپس میں مدغم ہو کر ایک پرشکوہ موسیقی بن جائیں تو پھر کون کہہ سکتا ہے کہ کس کا نغمہ زیادہ شیریں ہے۔ شکوک سے بچنے کی کوشش کرو نہشتہ کیونکہ شک وہ قاتل قطرہ ہے جو رات کی تاریکی میں مرمر کی سل پر گرتا ہے اور مسلسل گرنے سے مرمر کی شفاف پیشانی پر وہ سلوٹیں پیدا کر دیتا ہے جو قوت و شوکت کے سمندر سے بھی نہیں مٹ سکتیں۔"

"میں اب کوئی شک نہ کروں گی" نہشتہ نے نرمی سے جواب دیا۔ "صرف اتنا چاہتی ہوں کہ تم مجھ سے میرے طریق پر محبت کرنے کی کوشش کرو۔ یہ بڑا شیریں طریقہ ہے — میرا محبت کا طریقہ!"

"ہاں ہاں میں ضرور کوشش کروں گا۔ کیونکہ یہ واقعی بڑا شیریں ہے" زرتشت نے جواب دیا اور قدرے جھک کر نہشتہ کے ہونٹوں کو چوم لیا۔ دُور مینار کی بلند چوٹیوں سے اُلّو کی متفکر چیخ باغ میں گونج اُٹھی اور سرد دم آلود ہوا دفعتہً شمال کی طرف سے چلنے لگی۔ نہشتہ نے کپکپی سی محسوس کی اور اپنا لبادہ اپنے کندھوں پر لپیٹ لیا۔

"چلو برآمدے میں چلیں۔ آج کچھ سردی ہے۔ آج یہاں ہماری آخری رات ہے نا!"

"ہاں کل صبح ہم اپنے سفر پر روانہ ہو جائیں گے۔ آج آخری رات ہے۔"

جب دونوں محب و محبوب گلے میں باہیں ڈالے برآمدے کی طرف چلے تو نہشتہ سمٹ کر

اپنے محب کے ساتھ لگ گئی۔ چلتے وقت وہ دونوں کچھ دیر کے لئے بالکل خاموش رہے۔ شاید وہ اُن لاتعداد مُلاقاتوں کو یاد کر رہے تھے جو اسی برآمدے میں اُس وقت سے لے کر آج تک ہوئی تھیں، جس وقت اِن دونوں کے ہونٹ پہلی مرتبہ محبت سے ملے تھے۔ آخر نہشتہ نے مُہرِ سکوت یہ کہکر توڑی۔

"تم اِس نئے بادشاہ کو جانتے ہو؟" اس نے پوچھا۔

"پچھلی دفعہ مَیں نے تو اُسے چند لمحوں کے لئے دیکھا تھا۔ نوجوان سا شہزادہ ہے لیکن وہ ایسا خوبصورت نہیں۔ ہاں! لیکن اِس نوجوان کے کندھوں پر بوڑھوں کا سا فہم سر ہے۔ وہ عمر میں مجھ سے ایک سال چھوٹا ہے لیکن اس کی لڑائیوں میں حصّہ لینے کا میرا جگر نہیں اور نہ ہی مَیں آٹوسہ جیسی عورت کے ساتھ شادی کرنے پر رضامند ہو سکتا ہوں۔"

"آٹوسہ؟" نہشتہ نے پوچھا۔

"ہاں! بادشاہ نے آٹوسہ سے شادی کر لی ہے۔ وہ پہلے کیمیس کی بیوی تھی اور پھر اس نے ظالم مجوسی سمردیس سے شادی کر لی تھی جو دارا کے ہاتھوں قتل ہوا تھا۔"

"وہ کوئی خوبصورت ہے؟ مَیں نے تو نہیں دیکھا اُسے؟" نہشتہ نے تیزی سے پوچھا۔

"پچھلی دفعہ جب ہم شوشان میں تھے تم نے اُسے ضرور دیکھا ہوگا اُس وقت اس نے کیمیس سے شادی کر لی تھی۔ لیکن کیمیس ہر وقت شراب و کباب میں غرق رہتا تھا اِس لئے اس کی پرواہ نہ کرتا تھا لیکن اُس وقت تم بہت چھوٹی تھیں اور عام طور پر اپنے گھرانے کی عورتوں کے پاس ہی رہتی تھیں۔ شاید تم اُسے نہ دیکھ سکی ہو۔"

"بتاؤ تو ــــ اس کی نیلی نیلی آنکھیں اور بھورے بھورے سے بال ہیں نا! ظالمانہ سا چہرہ ہے اس کا ــــ بڑا سرد اور خشک سا!"

"ہاں! شاید اس کی نظروں میں درشتی ہو ــــ مجھے یاد ہے اس کی آنکھیں نیلی نیلی سی تھیں۔ لیکن جب اس نے مجوسی کی مدد کی تھی اُس وقت وہ بڑی ملول سی تھی۔ اس نے مجوسی کو دھوکا نہیں دیا ــــ یہ بات سچی ہے"۔

"اس وقت بھی تمہیں اس پر رحم آیا تھا ــــ" نہشتہ نے پوچھا۔

"ہاں! وہ تھی ہی قابلِ رحم"

"وہ اپنا بدلہ ضرور لے گی۔ اس قسم کے چہرے والی عورت تو انتقام پر جان چھڑکتی ہے"۔

"پھر وہ قابلِ رحم نہیں بلکہ قابلِ نفرت ہو جائیگی"۔ زرتشت نے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ کہا۔

"مجھے اُس سے سخت نفرت ہے"۔ نہشتہ نے دانت بھینچ کر کہا۔

"نفرت؟ تم ایک ایسی عورت سے کیسے نفرت کر سکتی ہو جس کو تم نے کبھی تک نہیں اور جس نے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا"۔

"مجھے یقین ہے کہ مجھے اُس سے سخت نفرت ہو جائیگی"، نہشتہ نے جواب دیا۔ "وہ نام کو بھی تو خوبصورت نہیں۔ مرمر کی طرح سفید سخت اور ظالم۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ شہنشاہِ معظم نے اس کے ساتھ شادی کرنے کی حماقت کی کیوں؟"

"خدا ان کی زندگی دراز کرے۔ وہ جس سے چاہیں شادی فرما سکتے ہیں۔ لیکن میں تمہاری منت کرتا ہوں کہ ملکہ سے نفرت کرنے میں اپنی زندگی کا آغاز نہ کرنا"۔

"کیوں؟ مجھے اُس ملکہ سے کس فائدے کی توقع ہے"۔ شہزادی نے پوچھا۔ "کیا میں بھی اُسی کی طرح شاہی خاندان سے نہیں ہوں؟"

"ہم نے مان لیا۔ لیکن احتیاط جس طرح دوسرے عام لوگوں کے لئے لازمی ہے اسی طرح شہزادیوں کے لئے بھی ضروری ہے"۔

"جب تم میرے پشت پناہ ہو تو مجھے شاہنشاہِ مکرم کا بھی خوف نہیں" نہشتہ نے جواب دیا۔ "تمہاری خاطر میں محتاط ضرور ہو جاؤں گی۔ لیکن میں جانتی ہوں کہ مجھے اُس سے سخت ترین نفرت کرنا ہوگی۔"

زرتشت رات کے تاریک دُھندلکوں میں آپ ہی آپ مُسکرایا لیکن وہ اپنی مسرت نہشتہ پر ظاہر نہیں کر سکتا تھا۔

"اچھا جو تمہاری مرضی ہو کرو" زرتشت نے جواب دیا۔ "جو ہوگا دیکھا جائیگا۔ اب کل صبح چلنے کی تیاری کرو۔"

"کم از کم اس سفر میں تین ہفتے تو لگ جائیں گے" نہشتہ نے پوچھا۔

"ہاں ایک سو پچاس فرسنگ کے قریب تو ہے ہی۔ پھر تم ایک دن میں سات یا آٹھ فرسنگ سے زیادہ نہ چل سکو گی۔ ہر آدمی اتنی مسافت سے ماندہ ہو جاتا ہے۔"

"ہم ہمیشہ ایک دُوسرے کے قریب ہی تو رہیں گے؟" شہزادی نے پوچھا۔

"میں تمہارے محمل کے ساتھ ساتھ رہونگا۔ میری زندگی!" زرتشت نے جواب دیا۔ "لیکن یہ سفر تمہارے لئے خاصا تکلیف دہ ہوگا اور تم تھک بھی تو جاؤ گی۔ جس راستے پر سے ہمیں گذرنا ہے بالکل اُجاڑ اور بنجر ہے اس لئے ہمیں ہر چیز اپنے پاس رکھنی چاہیئے۔ خچروں وغیرہ کی پروا نہ کرنا اور اپنی ضرورت کی ہر چیز اپنے ساتھ لے لینا۔"

"اس کے علاوہ یہ بات ہے کہ ہمیں اب واپس آنے کی بھی تو ضرورت نہیں" نہشتہ نے متفکرانہ انداز میں کہا۔

اس کا ساتھی خاموش تھا۔ "تم سمجھتے ہو کہ ہمیں واپس آنا ہوگا" اس نے مکرر پوچھا۔

"میں نے ایک دفعہ خواب میں دیکھا تھا کہ ہمیں واپس آنا پڑیگا۔" زرتشت نے جواب دیا۔

"لیکن مجھے خوف ہے کہ کہیں تمہارا خیال ہی درست نہ ہو"

"واپس آنے میں خوف کی کیا بات ہے؟ اس دُور افتادہ مقام پر وحشیوں کے درمیان قیدیوں کی سی زندگی بسر کرنے سے تو شاہی دربار کی زندگی بہت زیادہ پُر لطف ہوگی، مجھے شوشان کے شاہی دربار میں رہنے کا خبط ہوگیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ دربار پہلے سے دس گنا زیادہ نظر فریب ہوگیا ہوگا"

زرتشت نے ایک ٹھنڈی آہ بھری۔ اس کا دل اُسے پکار پکار کر کہہ رہا تھا کہ وہ واپس نہ لوٹ سکے گا لیکن اس نے خواب میں یہ بھی دیکھا تھا کہ وہ شہزادی نہشتہ کے ساتھ شادی کر کے مادیا کا حاکم بنا کر واپس بھیج دیا گیا ہے۔ اور یہاں وہ اپنی بیوی کے ساتھ اطمینان اور مسرت کی زندگی گذار رہا ہے۔ اس کے باوجود اُسے خوف تھا کہ ایسا کبھی نہ ہو سکے گا۔ کوئی غیر مرئی قوت تھی جو اُسے یقین دلا رہی تھی کہ مرحوم نبی کے آخری الفاظ اُن حالات کی پیشینگوئی کر رہے تھے جو آیندہ زندگی میں اُسے پیش آنے والے ——— تھے۔ یہ خیال رہ رہ کر ایک ناقابل برداشت خلش پیدا کر رہا تھا۔ اور وہ کوشش کے باوجود اس خیال کو بھول نہ سکا۔ البتہ اس کے دل میں ایک موہوم سی اُمید تھی کہ شاید خوفناک مستقبل سے بچ سکے۔ اسکی محبت اس خیال کو کسی طرح بھی برداشت نہیں کر سکتی تھی کہ نہشتہ جو اسکی رُوح کا مرکز ہے اسکی تباہی کا باعث ہوگی اور وہ اسی کے صدقے میں صداقت کے راستے سے ہٹ کر ذلالت کی وادیوں میں چلا جائیگا۔

شمال سے سرد ہوا کے نم آلود جھونکے تیزی سے چل رہے تھے۔ گرمیوں کا موسم ابھی پوری طرح شروع نہیں ہوا تھا اور سردیوں کی آخری ہوائیں ابھی تک اپنا اثر دکھا رہی تھیں۔ آخر دونوں اُس جگہ سے جُدا ہو گئے جس سے انہیں فطری لگاؤ پیدا ہو گیا تھا۔

زرتشت آنے والے بھیانک واقعات کے خوف سے پشیمان اور مضمحل تھا اور نہشتہ آنیوالے کل کے امید افزا خوابوں سے لبریز تھی۔ وہ شوخان جانے کے لئے پاگلوں کی سی مسرت کا اظہار کر رہی تھی۔

نہشتہ کی باتوں میں کوئی ایسا غیر معمولی سا پہلو تھا جس نے زرتشت کے جگر پر خنجر چلا دیئے نہشتہ درباری زندگی کے ہلاکت آفریں تجمل اور بادشاہ کی شکل و صورت میں خاص دلچسپی کا اظہار کر رہی تھی۔ ملکہ آتوسہ کے خلاف اُسے غائبانہ نفرت ہو گئی تھی اور وہ دارالسلطنت کی زندگی میں عملی حصہ لینے کی بے پناہ خواہش کا اظہار کر چکی تھی۔ ان سب باتوں نے زرتشت کو سخت تکلیف دی۔ معزز نبی کی تدفین کے وقت زرتشت نے اُس بے اعتنائی کا اظہار کیا تھا اور وہ اس سے ناراض ہو گئی تھی۔ لیکن یہ بالکل معمولی واقعہ تھا اور اس سے کسی طرح بھی یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا تھا کہ نہشتہ اس کو دق کرنے کے لئے ایسے معمولی واقعہ کا بہانہ بنا لے گی یہ کوئی ایسی اہم چیز نہیں تھی۔ لیکن اس کے باوجود اس کے دل و دماغ میں وہ شکوک پیدا ہو گئے تھے جو دفعتہً کبھی بھی پیدا نہیں ہو سکتے۔ نہشتہ کی باتوں نے اس کے دل و جگر پر ایسے زخم لگا دیئے تھے جن کی خلش ایک مرد کو اسی وقت محسوس ہوتی ہے جب وہ اپنے اور اپنے ماحول کے حالات سے پوری طرح واقف ہو جاتا ہے، وہ خاموشی سے اپنے کمرے میں چلا گیا۔ آج اس کی روح پر ایک ایسے رنج اور آنیوالی افتاد کے خوف کا احساس مسلط تھا جو اس کے لئے بالکل نیا تھا۔ یہ رنج اُسی قلبی اور روحی تکلیف سے بالکل مختلف تھا جو زرتشت نے اپنے عزیز ترین دوست اور اُستاد کی وفات پر محسوس کی تھی۔ یہ بدنصیبی نہشتہ کے متعلق نہ تھی۔ ماتم کی رسوم نے اُسے پورے سات دن نہشتہ سے جُدا رکھا تھا اور وہ سمجھتا تھا کہ آج اپنے محبوب سے مل کر وہ گذشتہ آہ و بکا کی تلافی کر لیگا۔ لیکن نہشتہ کے

طرزِ عمل نے اُسے مایوس کر دیا۔ اس نے ظاہر کیا تھا کہ وہ اس سے سخت ناراض ہے۔ لیکن زرنشت کا خیال تھا کہ اس نے جو کیا وہی مناسب موقع و محل کے مطابق تھا۔ کیا ایسا ممکن ہو سکتا تھا کہ مقدس نبی کا جنازہ اپنے کندھوں پر اُٹھانے والا شخص جو قلعے کی فوجوں کا کمانڈر بھی ہو اور مقدس نبی کی وفات کے بعد جس کی طرف ساری رعیت کی آنکھیں اُٹھیں اور ایسے غمناک موقع پر اپنے پہلو میں چلتی ہوئی شہزادی کی طرف محبت بھری نظروں سے دیکھے اور عشقیہ الفاظ سے اس کا دل بہلائے؟ یہ انتہائی لچر بات تھی اور ایسی چیزوں کی توقع کرنیکا نہشتہ کو کوئی استحقاق حاصل نہ تھا۔

لیکن جو کچھ بھی ہو اس کے ذہن میں یہ خیال جم کر رہ گیا تھا کہ کل سے ایک نئی زندگی کا آغاز ہونے کو ہے۔ اِس مہینے میں ایک لمبے عرصے کے لئے اُسے شہزادی کی محمل کے ساتھ ساتھ چلنا ہوگا، دوپہر اور شام کے وقت اس کے دسترخوان پر بیٹھنا ہوگا، اس کی ہر ممکن تکلیف کو رفع کرنے کی کوشش کرنا ہوگی اور اس کی ہر ضرورت کو پورا کرنا ہوگا۔ اس طرح مسلسل ایک دوسرے کے قریب رہنے سے اُن تعلقات کا دوبارہ پیدا ہو جانا ممکن تھا جو آج اس طرح غیر متوقع طور پر منزلزل ہو گئے تھے۔ مستقبل کے متعلق خوشگوار اُمیدیں قائم کرتا، حال کے ناخوشگوار واقعات کو بھولنے کی سعی نامشکور کرتا ہوا وہ شدت کی تکان کے اثر سے بیہوش سا ہو کر سو گیا۔

لیکن نہشتہ ساری رات اپنے ریشمیں گدیلوں پر لیٹی دُھندلے چراغ کی ٹمٹماتی ہوئی لو اور منقش چھت پر اس لَو سے بنے ہوئے عجیب و غریب مضحکہ خیز نقوش دیکھتی رہی۔ اُسے بہت ہی کم نیند آئی تھی لیکن بیداری کے عالم میں بھی وہ شوشان کی بے قیاس دولت، نوجیبن بادشاہ اور آتوسہ کے ظالمانہ حسین چہرے کے خواب دیکھتی رہی جس کو وہ نفرت

نفرت کرنے لگی تھی یا نفرت کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ نوجوان بادشاہ اس کی دلچسپیوں کا واحد مرکز تھا۔ نہشتہ اسی طرح لیٹی لیٹی بادشاہ کے خطّ و خال کو یاد کرنے کی کوشش کرتی رہی اور اُس منظر کا اعادہ کرتی رہی جب پچھلے سال لیونین گھوڑا گھاٹ کے کمرے میں آ گیا تھا۔ اس کے ذہن میں سیاہ بھنوؤں والے آدمی کی تصویر تھی۔ وہ اپنی جوانی کی معراج پر تھا، اس کی بھنویں سیاہ اور بڑی بڑی تھیں اور اس کی نوزائیدہ داڑھی اس کے کالے رنگ کے مضبوط چہرے جس پر عقاب کی چونچ جیسی ناک تھی کے گرد ہالہ کئے ہوئے تھی۔ اس کی آنکھیں سیاہ اور نڈر تھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر بادشاہ کی آنکھیں اتنی نڈر نہ ہوتیں تو شاید وہ خاصا بارعب صورت آدمی ہوتا۔ اُسے کچھ ایسا یاد پڑتا تھا کہ بادشاہ پست قامت اور چوڑے چکلے جسم کا آدمی ہے۔ وہ ایک خونخوار شکاری کُتّے کی طرح مضبوط اور قوی معلوم ہوتا تھا وہ بڑی تیزی سے فیصلہ کُن گفتگو کرنے کا عادی تھا اور اپنے سامعین سے متوقع تھا کہ وہ اسکی آدھی بات سُننے سے پہلے ہی اس کے مافی الضمیر کو سمجھ جائیں۔ نہشتہ کا خیال تھا کہ ایسا آدمی عام طور پر اپنے خیالات میں طوفان کی تُندی رکھتے ہیں اور اپنے ارادے کو پورا کرنے میں ہمیشہ کامیاب ہوتے ہیں ـــــ بادشاہ نہشتہ کے حسین اور باوقار محبّت کا کتنا تضاد تھا۔ زرتشت کا بے داغ حُسن نہشتہ کے لئے ایک غیر فانی مسرّت کا باعث تھا جب وہ نہشتہ سے تخاطب کرتا تو اس کی لوچدار آواز جو دوسروں کے دل و دماغ پر حاوی ہو جاتی تھی عشرت آفرین ولولوں کا آئینہ دار بن جاتی۔ اس کی چال ڈھال اور حرکات و سکنات سے راسخ العزمی مترشح تھی اور اس کے سراپا کے ہر ذرّے سے عالی دماغی کا اظہار ہوتا تھا۔ اس کے ہر کام میں دیوتاؤں کا سا وقار تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی دوسری دنیا کا رہنے والا ہے جس پر فانی جذبات اور سفلی خواہشات کا کوئی اثر نہیں۔ نہشتہ کو اس پر فخر تھا اور اُسے

ناز تھا کہ دُنیا میں وہ پہلی اور شاید آخری عورت ہے جس کے سامنے زرتشت ایک ایسا مرد بن جاتا ہے جس پر محبت اثر انداز ہو سکتی ہے۔ اس کا خیال آتے ہی نہشتہ کے دل و دماغ میں غرور اور انبساط کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ اُسے فخر تھا کہ زرتشت جیسا فقید المثال مرد اس کی محبت کا دم بھرتا ہے۔ اُسے افسوس تھا کہ اس نے گزشتہ شب اس کی محبت میں شک کا اظہار کیا تھا۔ لیکن اس میں شک کی تو کوئی بات ہی نہ تھی۔ اس نے تو صرف یہی کہا تھا کہ زرتشت نے اس کی طرف سے بے اعتنائی برتی ہے۔ اور بات تھی بھی یہی وہ سوچ رہی تھی کہ اگر زرتشت کی جگہ کوئی اور آدمی ہوتا تو اس کا طرزِ عمل کیسا ہوتا اور یہ طرزِ عمل اسکی فطرت کے کسی پوشیدہ ظالمانہ پہلو کا آئینہ دار تو نہیں جس کی مدد سے وہ اتنی آسانی اور بے رُخی سے کسی اہم کام میں مشغول ہونے کے باوجود اپنے محبوب کو بھول جائے۔

لیکن اسی طرح لیٹے لیٹے جبکہ خوبصورت سیاہ زلفیں اس کے ریشمیں تکیئے کے چمکیلے اور نرم غلاف پر مچل رہی تھیں اس کا ذہن اپنے محب کے خیال سے بہک کر آنے والی زندگی کا جائزہ لینے لگا جس کی تصویر معاً اس کے تصوّرات میں اُبھر آئی۔ یہاں تک کہ اس نے ایک نقرئی آئینہ جو اس کے پہلو میں رکھا تھا اُٹھا کر اپنا چہرہ پھوٹے چراغ کی دُھندلی روشنی میں دیکھا اور آپ ہی آپ کہنے لگی کہ وہ واقعی خوبصورت ہے اور اس قابل ہے کہ شوشان کے جذبات پرست نوجوان اس کے حُسن کی خیرہ کُن لطافتوں کے سامنے سرِ نیاز جھکا دیں۔ اُسے یہ خیال کر کے خوشی ہوئی کہ آتوسہ اتنے سفید رنگ کی عورت ہے اس طرح اس کے اور نہشتہ کے گندم گوں مشرقی حُسن میں ایک خاص تضاد پیدا ہو جائیگا۔

صبح کے وقت اس کی آنکھ لگ گئی اور اُس نے خواب میں معمر نبی کی وقیح صورت دیکھی۔ اس نے دیکھا ہے کہ معمر نبی کفن میں لپٹے پڑے ہیں۔ پھر دفعتہً انہوں نے اپنی موم سے چپڑی

ہوئی آنکھیں کھولیں، اپنی گرہ دار انگلیوں سے اسکی طرف اشارہ کیا اور غضبناک لہجے میں غصّے اور نفرت کا اظہار فرمایا ہے اس کے ہونٹوں سے خوف کی ایک ہلکی سی چیخ نکل گئی اور اس نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔ یہ پھٹ چکی تھی اور آسمان سے سفید اور صاف روشنی چھن چھن کر نہشتہ کے کمرے سے باہر برآمدے میں پڑ رہی تھی جس میں نہشتہ کی دو خادمائیں شمالی ہوا کے سرد جھونکوں سے محفوظ رہنے کے لئے اپنے آپ کو سر سے لے کر پاؤں تک سفید لبادوں میں لپیٹے پڑی بے خبر سو رہی تھیں۔

چند لمحوں کے بعد طنبوروں کی آواز ایک طویل مناسبت کے ساتھ دبتی اور اُبھرتی ہوئی سُنائی دی۔ باہر صحن میں باربرداروں کی ہنہناہٹ اور ان کے سُموں کی آوازیں مزدوروں اور غلاموں کی آوازوں کے ساتھ مل کر کمرے میں ایک ارتعاش پیدا کر رہی تھیں۔ وہ جلدی سے اُٹھی اور صبح صادق کی نورانی روشنی میں سفید کپڑوں میں ملبوس ایک حسین مجسّمے کی طرح کھڑی ہوگئی۔ اس نے جلدی سے پردے ہٹا دیئے اور برآمدے سے باہر دیکھنے لگی۔ اکبانتا اس کیلئے قید خانے سے زیادہ نہ تھا اور اب وہ اس تکلیف دہ قید سے آزاد ہو کر شوشان کے پرشوکت محلّات میں جانے کو تیار تھی۔ اس نرہت بار خیال نے اُس بھیانک خواب کے اثرات کو اس طرح زائل کر دیا گویا اس نے ایسا خواب کبھی دیکھا ہی نہ تھا۔

(۵)

سُورج تقریباً غروب ہو چکا تھا اور اس کی آخری شعاعیں شوشان کے وسیع میدانوں پر سونا نچھاور کر رہی تھیں جبکہ اکباتنا کے مُسافروں کے اِس چھوٹے سے قافلے نے آخری دفعہ پڑاؤ ڈالا چند فرلانگ کے فاصلے پر دارالسلطنت کی دو بلند چٹانیں نظر آ رہی تھیں۔ ان میں سے چھوٹی چٹان پر شاہی محلات کے مرمریں مینار، گنبد اور چھتریں چمک رہے تھے اور دوسری چٹان پر جو ذرا بلند تھی قلعے کی کالی کالی فلک رس دیواریں اپنی مضبوطی اور پختگی کا اعلان کرتی ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔ یہ قافلہ نینوا سے آنے والی سڑک پر چلتا ہُوا اُس پُل کے قریب آ کر ٹھہرا جو نینوا اور بابل سے آنے والی جرنیلی سڑکوں کے نقطۂ اتصال پر واقع تھی۔ یہ لوگ کچھ عرصہ کے لئے کسپا ساندی کے کنارے کنارے چلتے رہے وہ جوں جوں شہر کے قریب ہوتے جاتے تھے انہیں ایسا محسوس ہوتا تھا کہ قلعے والی چٹان آگے اُبھر کر دریا کی لہروں پر جھک آئی ہے اور وہ چٹان جس پر شاہی محلات واقع ہیں سمٹ کر اس کے پیچھے دبک گئی ہے۔ شوشان کا شہر اِن ڈھلوان چٹانوں کی اوٹ میں چھپ گیا تھا جو ایسی ناقابلِ عبور معلوم ہوتی تھیں گویا وہ ٹھوس چونے گچ کی بنی ہوئی ہو۔

میدان کے ہر ذرّے پر ہریاول کا تسلط تھا۔ زمین کا چپّہ چپّہ مزروعہ تھا اور حدِ نظر تک

بلند قامت ہرے ہرے پودے ہوا کے لطیف تموّج میں لہرا رہے تھے۔ انجیر کے درختوں کے چوڑے چوڑے پتّے فضا کو گہرا سبز رنگ دے رہے تھے۔ کہیں کہیں غروب ہوتے ہوئے سُورج کی آخری شعاعیں کسانوں کے مکانات کے مکانات کی سفید دیواروں پر لرز رہی تھیں یا دُور کھیتوں سے پرے کسی دُور افتادہ گاؤں کے پکّی اینٹوں والے مکانات پر اپنا سُنہرا رقص کر رہی تھیں۔ ندی کے اُس پار غاروں سے ڈھکی ہوئی پہاڑیوں کے دامن میں ایک وسیع مرغزار تھا جس میں دُھوپ سے جُھلسے ہوئے نیم برہنہ بچے کیان والی سے چھوٹی چھوٹی گائیں ہانکتے ہوئے لئے جا رہے تھے۔ ان کے ساتھ ساتھ سفید سفید گھوڑوں کا ایک مختصر ریوڑ بھی تھا جو تمام دِن اِس چراگاہ میں چرتا رہا تھا۔ جب سیاہ رنگ کے نر گھوڑے اُچھل اُچھل کر اور ہنہنا ہنہنا کر اپنی سفید رنگ کی نصف بہتر سے اٹھکھیلیاں کرتے تو لڑکے تالیاں بجا بجا کر اور شور مچا مچا کر انہیں قابو میں رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ کہیں کہیں کوئی چوڑے سینے والا ماہی گیر ندی میں بنسی ڈال رہا تھا یا بھورے رنگ کا جال ندی کی نرم رَو لہروں پر پھینک کر اپنی نگاہوں کو رُسّے کی ہر جنبش پر مرکوز کئے کنارے کی طرف کھینچ رہا تھا۔

قافلہ گرد آلود سڑک کے کنارے ایک گھاس کے میدان میں خیمہ زن ہوا۔ لمبے تڑنگے چھتیس سوار محافظ معزز مسافروں کو راستہ دینے کے لئے آگے سے ہٹ گئے۔ اور گھوڑوں سے اُتر کر انہیں نہانے اور مالش کرنے میں مشغول ہو گئے۔ غروب ہوتے ہوئے سُورج کی سُنہری شعاعیں ان کے برہنہ زرہ بکتروں اور سُرخ اور نیلے لبادوں پر چمک رہی تھیں۔ ان کے سفید جنگلی گھوڑے جو سارے دن کے سفر کے باوجود نام کو بھی نہیں تھکتے تھے پانی میں کُود پڑے اور ایک دُوسرے کی دُموں اور ایال کو کاٹ کاٹ کر نیم آزادی پر خوشیاں منانے لگے۔

زرتشت جس کے کپڑے گرد کی فراوانی سے سفید پڑ گئے تھے اور جس کا حسین چہرہ تین ہفتوں کے مسلسل سفر سے کملا سا گیا تھا گھوڑے پر سے اترا اور اپنے گھوڑے کی زین ایک سپاہی کے حوالے کر کے بھاگا۔ ایک پُر تکلف محمل جس کے چاروں طرف سونے کے پتروں سے جڑی ہوئی ایک دیدہ زیب جالی تنی ہوئی تھی اور جس کی چھت پر مہین ململ کے تین خلاتھے جو سورج کی تمازت سے بچانے کے لئے بنائے گئے تھے خچروں پر سے جو اسے اٹھائے ہوئے یہاں تک آئی تھیں کھولی جا رہی تھی۔ بلند قامت حبشی غلاموں نے اسے اپنے کندھوں پر اٹھایا اور ندی کے کنارے میدان کے سب سے زیادہ ہرے مقام پر رکھ دیا گیا۔ زرتشت نے خود جالی ہٹائی اور محمل کے سامنے ایک قیمتی قالین بچھا دیا۔ نہشتہ نے اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو تھاما اور دھیرے سے باہر نکل کر سُرخ روشنی کے سائے میں اپنے محبوب کے قریب آ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کے حسین چہرے پر نقاب تھی اور اس کے سُرخ رنگ کے لبادے کی کثیر التعداد چنٹیں اس کے قدموں میں لوٹ رہی تھیں۔ وہ شہر کی طرف پیٹھ کئے مکمل سکوت و سکون کے ساتھ غروب ہوتے ہوئے آفتاب کو دیکھنے لگی۔

"یہاں کیوں پڑاؤ ڈالا گیا ہے؟" اس نے دفعتاً پوچھا۔

"شاہِ معظم، عہد دولت پائندہ باد، شہر میں تشریف نہیں رکھتے۔ اور والا حضرت سے پہلے شہر میں داخل ہونا ہم غلاموں کے لئے مناسب نہیں ہے۔" زرتشت نے غلاموں کو سُنانے کے لئے مادیا کی زبان میں بلند آواز سے کہا اور پھر دھیمی آواز میں یہودی زبان میں بولا۔ "بادشاہ کی غیر حاضری میں شہر میں داخل ہونا عقلمندی سے بعید ہے اور یہ محفوظ بھی نہیں۔ کون کہہ سکتا ہے کہ آجکل شہر کے حالات کیسے ہیں۔ بابل میں

بغاوت کی آگ بھڑک اٹھی ہے اور سلطنت کو کسی صورت میں پُرامن نہیں کہا جا سکتا۔ شاید سارے کا سارا پارس بغاوت پر تیار ہے۔"

"سفر کا کیسا اچھا وقت نکالا ہے آپ نے ــــ محافظوں کے چھوٹے سے دستے کے ساتھ میرے اور میری کنیزوں کے سفر کے لئے کیسا عمدہ موقع ہے۔ مجھے تم یہاں لائے کیوں ہو؟ آخر ہم کب تک ان سڑکوں پر دھکے کھاتے رہیں گے۔ اور کب تک اُس وقت کا انتظار کریں گے۔ جب رعیت کے لوگ ہمیں شہر میں داخل ہونے کی اجازت مرحمت فرمائیں گے اور نئے بادشاہ کو واپس تشریف لانے کا خیال پیدا ہوگا؟"

نہشتہ نے بات کرتے وقت اپنے ساتھی کی طرف دیکھا۔ اس کی آواز میں طنز اور مایوسی کی آمیزش معلوم ہوتی تھی۔ اس کی سیاہ آنکھیں نقاب کے رخنوں میں سے زرنشت کے چہرے پر گڑ گئیں لیکن اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتا اس نے اپنا مُنہ دوسری طرف پھیر لیا اور دو چار قدم چل کر چراگاہ کے اُس پار ڈوبتے ہوئے سورج کی طرف دیکھنے لگی۔ فوجی جوان چند لمحوں کے لئے خاموش کھڑا رہا۔ اس کے چہرے پر شرم کی سُرخی کھنڈ گئی۔ پھر اس کا چہرہ یکدم زرد پڑ گیا۔ لیکن جو کچھ بھی وہ کہنا چاہتا تھا نہ کہہ سکا اور خاموشی سے عورتوں کا خیمہ گڑوانے کی طرف متوجہ ہو گیا اتنے میں دوسری محملیں بھی لائی گئیں۔ اونٹوں کی لمبی قطار جن میں سے کچھ تو سامانِ غیرہ سے لدے ہوئے تھے اور چند اونٹوں پر نہشتہ کی کنیزیں بیٹھی تھیں اپنا سامان اُتروانے کے لئے جھکے اور اپنی بھی بھی گردنیں بڑھا بڑھا کر ندی کی طرف دیکھنے لگے۔ خیمہ گاڑنے والے ملازمین اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہو گئے۔ اتنے میں ایک سو سواروں کا دستہ جو قافلے کے عقبی محافظوں کے فرائض انجام دے رہا تھا بھی

اپنے ساتھیوں سے آملا جن پر سے سامان وغیرہ اُتار لیا گیا تھا۔ ماہر ہاتھوں نے بسرعت تمام اپنا اپنا کام ختم کر لیا اور چند لمحوں کے اندر اندر پارسی قافلے کا وسیع کام ختم ہو گیا اور خیمے گاڑنے والے میدان کے چاروں طرف پھیل گئے۔ زرتشت کی عادت تھی کہ وہ پڑاؤ کے وقت خیمہ گاڑنے والوں اور دوسرے ملازموں کو اِدھر اُدھر پھرنے کی اجازت دے دیتا تھا۔ لیکن اس دفعہ اس نے اپنی عادت کے خلاف کسی کو بھی خیمے سے دُور جانے کی اجازت نہ دی کیونکہ اُسے خوف تھا کہ بادشاہ کی غیر حاضری میں دارالسلطنت کے گرد و نواح کے قصبات علَم بغاوت بلند نہ کر دیں اِس لئے اس نے نہشتہ کے آرام و آسائش تک کو قربان کر دیا اور اپنے دستے کو بکھرنے کی اجازت نہ دی۔

نہشتہ زرتشت سے علیحدہ رہی اور جب اس کی کنیزوں نے اُسے سلام کیا اور مفرح شربت پیش کئے تب بھی نہشتہ نے انہیں کوئی جواب نہ دیا اور تیوڑی چڑھا کر ان سے پرے ہٹ گئی۔ اس نے اپنا لبادہ اپنے اِرد گرد لپیٹ لیا اور اپنی نقاب کو اپنے مُنہ پر لپیٹ لیا۔ وہ تھکی ہوئی مایوس تھی بلکہ غضبناک ہو رہی تھی۔ کئی دنوں سے وہ اُس شاندار استقبال کے خواب دیکھ رہی تھی جو بادشاہ اور اس کا دربار اس کے آنے پر کریگا۔ وہ اتنے لمبے پُرصعوبت سفر کے بعد آرام و آسائش کی اُس بے پناہ مسرت کو محسوس کرنے کی تیاری کر رہی تھی جو شاہی محلات اس کیلئے پیش کریں گے اور پھر ان سب سے بڑھ کر وہ اُس لطیف ہیجان خیز اور پُرمسرت تنوع کا بیتابی سے انتظار کر رہی تھی جو اُسے اُس شہر میں ملتی جس میں اس نے بچپن کے دن گذارے تھے۔ اِتنی انتظار کے بعد ایک اور رات خیمے کی پریشان کُن چار دیواری میں گذارنے کا

خیال کس حد تک صبر آزما ہو سکتا ہے یہ نہشتہ جانتی تھی اس لئے زرتشت کو مطعون کرنا اس کے سارے جذبات پر حاوی ہو گیا تھا!

اس میں شک نہیں کہ نہشتہ زرتشت سے قلبی محبت کرتی تھی لیکن اس کے باوجود اس کی سہل الغضب طبیعت زرتشت کی مطمئن فطرت اور اس کی عالیشان ذہنی قوتوں سے ہمیشہ برسرِ پیکار رہتی۔ اور پھر جب اُسے احساس ہوتا کہ اس کے مشتعل جذبات خود اس کی وجاہت کے لئے مضر ثابت ہوتے ہیں تو اس کا غصہ اور بڑھ جاتا اُسے اپنے آپ پر غصہ آتا، وہ زرتشت پر برستی اور ہر اُس شخص کو کوستی جو اُس وقت اس کے قریب آتا۔ لیکن زرتشت سنگ مرمر کی طرح بے حس معلوم ہوتا تھا۔ اس کی پیشانی برق کی سی سُرعت کے ساتھ پہلے سُرخ ہو جاتی اور پھر زرد پڑ جاتی، ایسے وقت میں اوّل تو وہ بولتا ہی نہ تھا اور اگر بولتا تو اسکی آواز میں برف کی سی بے رُخی اور طنز پیدا ہو جاتی۔ تھوڑے عرصہ کے بعد جب نہشتہ کا غصہ قدرے دھیما پڑتا تو اُسے معلوم ہوتا کہ زرتشت اُسی طرح متین اور محبت میں گرم جوش ہے۔ یہ دیکھ کر اس کا دل زرتشت کی طرف کھنچتا ہوا محسوس ہوتا اور اُس کے جسم کا ہر رویاں زرتشت کی محبت سے سرشار ہو جاتا۔

وہ اب مایوس تھی اور کسی سے بات کرنا اس کے لئے ناممکن تھا۔ وہ خیمہ گاڑنے والے ملازموں کے ہجوم سے اور آگے بڑھ گئی۔ کچھ فاصلہ دے کر اس کی اپنی کنیزیں آپس میں کانا پھوسیاں کرتی ہوئیں اسکے پیچھے پیچھے ہو لیں۔ تھوڑی دُور چلنے کے بعد نہشتہ پھر ٹھہر گئی اور مغرب کی طرف دیکھنے لگی۔

جب سُورج شفق کے آخری کنارے پر پہنچا تو اس کی سسکتی ہوئی شعاعیں بابل سے

آنے والی سڑک پر خیموں سے بہت دُور گرد و غبار کے ایک چھوٹے سے بادل پر پریں جو دُھوئیں کی طرح اُٹھ رہا تھا یہ گرد تیزی کے ساتھ چکر کھاتی ہوئی آسمان کی طرف بلند ہو رہی تھی۔ نہشتہ کی آنکھیں گرد و غبار کے اِس بادل پر جم کر رہ گئیں اور اس نے اپنا ایک ہاتھ آنکھوں پر سایہ کرنے کے لئے اُٹھایا۔ اِس وقت نہشتہ کو اپنے بچپن کا ایک واقعہ یاد آ گیا جب وہ محل کی بلندیوں پر کھڑی اِسی سڑک کو دیکھ رہی تھی۔ اُس وقت بھی گرد و غبار کا ایک چھوٹا سا نقطہ پھیلتے پھیلتے بادل بن گیا تھا اور اِس بادل میں سے سواروں کا ایک دستہ سرپٹ گھوڑے دوڑاتا ہوا شہر کی جانب آتا نظر آیا تھا۔ اِس لئے غبار کے اِس بادل کے متعلق بھی بلاشک و شبہ یہ قیاس کیا جا سکتا تھا کہ اِس پردے میں کیا پوشیدہ ہے۔ سواروں کا ایک دستہ بڑھتا چلا آ رہا تھا ــــ شاید خود شاہِ معظم کی سواری تھی! وہ غیر شعوری طور پر پلٹی اور زرتشت کو ڈھونڈنے لگی۔ اِدھر اُدھر دیکھنے کے بعد وہ اُس سے کچھ فاصلے پر ہاتھ سینے پر باندھے افق پر نگاہیں جمائے کھڑا دکھائی دیا۔ وہ یکدم جوش میں آ گئی اور بھاگ کر اُس کے پاس گئی۔

"وہ کیا ہے؟" اُس نے دھیمی آواز میں پوچھا۔

"یہ شاہِ معظم کی سواری ہے ــــ عمر و دولت پایندہ باد" زرتشت نے جواب دیا۔ حضور والا کے علاوہ کسی اور کو اِس سڑک پر ایسی تیزی سے گھوڑے دوڑانے کی اجازت نہیں ہے۔"

یہ دونوں ایک لمحے کے لئے ایک دُوسرے کے پاس کھڑے رہے اور آخر چند لمحے توقف کے بعد نہشتہ کا ہاتھ آہستہ آہستہ اس کے لبادے میں سے نکل کر

نوجوان فوجی کے کندھوں پر آکر ٹھہر گیا۔ اس کی انگلیاں کانپ رہی تھیں اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اسی لمس سے وہ سب کچھ پوچھ لینا چاہتی ہے جو اس کے دل میں ہے۔ زرتشت نے گھوم کر نہشتہ کی طرف دیکھا۔ اُن سیاہ غزالیں آنکھوں میں آنسو تھے اور ان آنسوؤں نے زرتشت کو نہشتہ کے دل کا افسانہ کہہ سنایا۔ زرتشت سب کچھ سمجھ گیا۔ لیکن غلام اور نہشتہ کے سب رشتہ دار اُن کے قریب کھڑے تھے اور وہ اپنی محبت کو پردۂ اخفا میں رکھنا چاہتا تھا اس لئے اُس نے اپنی محبوبہ کا ہاتھ نہیں پکڑا۔ ہاں! اُسے اُس نظر سے دیکھ لیا جس میں محبت بھی تھی اور ہمدردی بھی۔ اور اس نظر نے زرتشت کا دل کھول کر نہشتہ کے سامنے رکھ دیا۔ اُن آنکھوں میں رنج و غم کی کالی گھٹائیں چھٹ گئیں اور مسرت کی چمک دوبارہ عود کر آئی۔

"میری محبوب!" اس نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

"میری غلطی تھی زرتشت! ــــ مجھے معاف کر دو" اس نے زیرِ لب بڑبڑا کر کہا۔ اور زرتشت کے ساتھ ساتھ اپنے خیمے میں چلی آئی جو گاڑا جا چکا تھا۔ زرتشت نے اُسے خیمے کے دروازے پر بٹھا دیا جہاں وہ اس کی حرکات کو بغور دیکھتی رہی۔ زرتشت باہر آیا اور اپنے آدمیوں کو سڑک کے کنارے پر بادشاہ کی سلامی دینے کیلئے کھڑا کر دیا۔

گرد و غبار کا یہ بادل قریب سے قریب تر ہوتا گیا۔ شام کی سرخیاں زردی میں مبدّل ہو گئیں اور سورج آنکھوں سے اوجھل ہو گیا لیکن باریک پسی ہوئی مٹی کا وہ چکر کھاتا ہوا بادل نما چتر جو سڑک کے دائیں بائیں بڑے بڑے گول چکروں کی صورت میں اُٹھ کر کسی آتش فشاں سے نکلتے ہوئے دھوئیں کے آسمان کی طرح سر پر مسلط ہوا جاتا تھا اب بھی قریب سے قریب تر بڑھتا آیا۔ کچھ دیر کے بعد اس گرد کے بادل سے

رعد کی کڑک جیسی آوازیں سُنائی دینے لگیں جو خاموش فضا کو رہ رہ کر درہم برہم کئے دیتی تھیں اور جو دم بدم اپنی تیزی اور شدت میں بڑھتی جاتی تھیں۔ آخر آہستہ آہستہ سیاہی مائل چمکدار برنجی زرہ بکتروں کا ایک سیلاب متشکل ہو گیا جس کے سیاہی مائل رنگ میں ایسی سُرخی ممتزج ہو گئی تھی جو ڈوبتے ہوئے سورج کے نارنجی رنگوں سے کہیں زیادہ شوخ اور خیرہ کُن تھی۔ ہتھیاروں اور گھوڑوں کے سازوں کی ملی جُلی کھنکھناہٹ اِس رعد آسا آواز کے ساتھ ساتھ سُنائی دینے لگی۔ آخر تیزی سے بھاگتے ہوئے اور کھنکھناتے ہوئے گھوڑوں کا ایک کثیر گروہ دفعتہً گرد و غبار کے پردے سے برآمد ہوا۔ ان کی ٹاپیں زمین پر اس شدت کی تیزی سے پڑ رہی تھیں کہ زمین ہلی جاتی تھی اور اِن ٹاپوں کی آواز اور اسلحہ کی گڑگڑاہٹ سے اتنی بلند و مہیب آواز پیدا ہو رہی تھی کہ فضا میں قیامت کا ارتعاش پیدا ہو گیا تھا۔ قطار میں کھڑے ہوئے سپاہیوں سے کچھ فاصلے پر ایک تنہا چوڑا چکلا آدمی عام امرا سے زیادہ گہرے سُرخ رنگ کے لبادے میں ملبوس اپنے سفید رنگ کے گھوڑے پر چٹان کی طرح بیٹھا آتا نظر پڑا۔ جب وہ قریب آیا تو زرتشت اور اس کے سپاہیوں نے ہاتھ بلند کر لئے۔

"خوش آمدید شہنشاہوں کے شہنشاہ۔ عمر و دولت پایندہ باد"۔ انہوں نے بلند آواز سے کہا اور دفعتہً سڑک کے کنارے گھاس کے تختے پر مُنہ کے بل لیٹ گئے۔

دارا نے دفعتہً راسیں کھینچ لیں اور گھوڑا جو اپنی پوری رفتار میں بھاگ رہا تھا کولہوں تک سمٹ گیا۔ اس کے پیچھے آنے والے سواروں نے اپنے عقب آنے والوں کو دایاں ہاتھ اُٹھا کر کھڑے ہو جانے کا اشارہ کیا اور پارس کے وہ فقید المثال شہسوار یکدم کھڑے ہو گئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر یکدم کسی

سنگین دیوار سے ٹکرا گیا ہے۔ گھوڑے ہنہنا رہے تھے اور اپنے سُموں سے زمین کرید کرید کر اور مچل مچل کر آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے تھے لیکن وہ مضبوط ہاتھ جن میں ..... راسیں تھیں انہیں وہیں منجمد ہو جانے پر مجبور کر رہے تھے۔ دربارِ پارس کے بہترین امراء وہاں جمع تھے۔ ان کے سُرخ لبادے دیوانہ وار ہل رہے تھے، ان کے برنجی اسلحہ گھرتی ہوئی تاریکی میں سیاہی مایل ہوتے جاتے رہے تھے اور ان کے داڑھیوں سے ڈھکے ہوئے چہرے چمکدار خودوں کے نیچے دُھندلائے جاتے تھے۔

"ہم شہنشاہوں کے شہنشاہ دارا ہیں جس کو تم لوگوں نے پکارا" دارا نے کہا۔ اب اس کا گھوڑا مرمریں مجسمے کی طرح سڑک پر گویا گڑ گیا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہلائے نہ ہلے گا۔ "اُٹھو اور جو کہا ہے کہو۔ اگر تم نے جھوٹ نہ کہا تو تمہیں کوئی خطرہ نہیں"

زرتشت کھڑا ہوا اور زمین پر سے خاک کی چٹکی لے کر اُسے چوما اور پھر اُسے اپنی پیشانی پر بکھیر لیا۔

"خوش آمدید شاہِ نیک فرجام! عمر و دولت پایندہ باد۔ یہ والاجاہ کا حقیر غلام زرتشت ہے جو اکبانتا کے خزانے کا محافظ اور قلعے کا افسرِ اعلیٰ تھا۔ غلام والاجاہ کے احکام کے مطابق یہودا کے بادشاہ جویکیم کے خاندان کو لے کر والاجاہ کی قدمبوسی کے لئے حاضر ہوا ہے۔ اِس خاندان میں نہشتہ کو سردار کی سی حیثیت حاصل ہے عالیجاہ۔ غلام کے کانوں میں یہ خبر پہنچ گئی تھی کہ حضورِ مکرم شہر میں تشریف فرما نہیں لہذا بندۂ درگاہ نے عالیجاہ کی تشریف آوری تک یہیں انتظار کرنا مناسب خیال کیا۔ غلام نے خدمتِ خسروی میں ایک قاصد بھی بھیجا تھا اور اس کے ہاتھ یہ خبر پہنچانے کی سعی کی تھی کہ دانیال الملقب بہ بلیشزار جو کیمیس کے عہدِ حکومت سے

اکباتنا کا افسر اعلیٰ تھا انتقال کر گیا ہے اور غلام نے اُسے ہر ممکن عزت کے ساتھ اکباتنا کے شاہی محلات کے ملحقہ باغ میں ایک نئے مقبرے میں دفن کر دیا ہے۔"

اِس سے پہلے کہ زرتشت اپنی بات پوری کرے دارا نے جو اپنے قول و فعل میں سریع العمل تھا گھوڑے پر سے اُتر کر زرتشت کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اس کے دونوں گالوں کو چوم لیا۔

"جو کچھ تم نے کیا مابدولت اس کی تائید فرماتے ہیں۔ تم بہت عرصے سے مابدولت کی نظروں میں ہو۔ آرمزا تمہارے ساتھ ہے اور مابدولت کے ساتھ بھی۔ مابدولت نے اُسی کی مدد اور مہربانی سے بابل کے باغیوں کے سر کچل دیئے ہیں۔ وہ جھوٹے تھے اس لئے اپنی سزا کو پہنچے۔ اچھا! اب مابدولت یہود اکے بادشاہ کی جگر پارہ نہشتہ کو دیکھنا پسند فرمائیں گے۔"

"غلام کی حقیر خدمات عالیجاہ کے قدموں کے لئے وقف ہیں۔ شہزادی صاحبہ قریب ہی ہیں۔" زرتشت نے کہنے کو تو کہہ دیا لیکن اس کے سارے چہرے پر بھیانک زردی چھا گئی۔

اس وقت تک رات اپنی پوری تاریکیوں کے ساتھ دُنیا پر مسلط ہو چکی تھی اور چاند جو مکمل ہو چکا تھا ابھی تک قلعے کی پہاڑیوں کی اوٹ سے نہیں اُبھرا تھا۔ لہٰذا غلام سور کی گوند اور موم کو ملا کر بنائی ہوئی شمعیں لے آئے اور بادشاہ کو راستہ دکھانے کے لئے نہشتہ کے خیمے کی طرف بڑھے۔ ان کی سیاہ فام انگلیاں شمعوں کی سُرخ روشنی میں مضحکہ خیز طور پر لمبی دکھائی دیتی تھیں۔

دارا تیز قدموں سے آگے چل رہا تھا اور جب وہ چلتا تو اس کا سونے کے

پتروں سے جڑا ہوا زرہ بکتر کھنکھنا رہا تھا۔ اس کے سیاہ فام خط و خال شمعوں کی تیز روشنی میں صاف نظر آ رہے تھے۔ دھاری دار پردے کے نیچے جسے خیمے کے دروازے کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا نہشتہ کھڑی تھی۔ اس نے نقاب اُتار دیا تھا اور کنیزوں نے بسرعت تمام اس کے سر پر سفید ململ کا تاج رکھ دیا جس کی پیشانی پر لگا ہوا ننھا سا ہیرا سفید سلوٹوں میں نجم السحر کی طرح دمک رہا تھا۔ اسکے سیاہ بال اس کے کندھوں پر لہرا رہے تھے۔ اس نے اپنا لبادہ اپنی پُشت پر ڈال لیا تھا جس سے اُس کا دلفریب مناسب جسم، چُست ملبوس اور تنگ پیٹی میں انتہائی نظر فریب اور حسین معلوم ہونے لگا تھا۔ جب بادشاہ قریب آیا تو نہشتہ دوزانو ہو گئی، پھر سجدے میں پڑ گئی اور بادشاہ کی اجازت کا انتظار کرنے لگی۔

وہ پورے ایک منٹ تک کھڑا اس زمین بوس حُسن کو دیکھتا رہا۔ اسکی آنکھوں سے آگ کے شعلے نکلتے معلوم ہوتے تھے۔ اُسے فخر تھا کہ ایسے شاہانہ وقار کی عورت آج اس کے سامنے سجدہ ریز ہونے پر مجبور ہو گئی لیکن اس سے بڑھکر وہ حیرت کا جذبہ تھا جو نہشتہ کے فقید المثال حُسن کو دیکھ کر بادشاہ کے دل میں پیدا ہو گیا تھا۔ ایک لمحے کے بعد وہ جُھکا اور نہشتہ کا ہاتھ پکڑ کر اُسے اُٹھایا۔ وہ سیدھی کھڑی ہو گئی۔ اس کا چہرہ سُرخ ہو گیا تھا اور اس کی آنکھوں میں آگ کے سے شعلے ناچتے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ وہ قد میں اس کے برابر تھی۔

"مابدولت یہ کسی طرح مناسب خیال نہیں فرماتے کہ آپ جیسی مُعزز خاتون ہمارے سامنے دوزانو ہو" اس نے کہا اور اس کی آواز میں ایک عجیب غیر معمولی حلاوت کا شائبہ پایا جاتا تھا "کیا آپ اجازت دیتی ہیں کہ ہم شوشان جانے سے پہلے

یہاں چند ے توقف فرمائیں۔ اتنے دُور دراز کے سفر نے ہمیں تھکا دیا ہے اور ہم پیاس بھی محسوس کرتے ہیں۔"

"کنیز عالم پناہ کی خدمت میں خوش آمدید عرض کرتی ہے۔ حضور یہاں آرام فرمائیں۔" نہشتہ نے جواب دیا اور خیمے کے اندر چلی گئی۔ بادشاہ نے زرتشت کو اشارہ کیا اور یہ دونوں خیمے میں داخل ہو گئے۔

دارا ایک منقش کرسی پر بیٹھ گیا جو خیمے کے وسط میں بلم کے قریب بچھی ہوئی تھی اور لمبے لمبے گھونٹوں میں مے شیراز سے بھرا ہوا سونے کا بڑا پیالہ پی گیا جو زرتشت نے اس کے لئے بھرا تھا۔ پھر اس نے اپنا خود اُتار دیا اور اس کے موٹے موٹے گنجان سیاہ بال گھنگریالے لچھوں کی صورت میں اسکے کندھوں پر اِس طرح بکھر گئے جس طرح سیاہ رنگ شیر کی ایال بکھرتی ہے۔ اس نے اطمینان و طمانیت کا ایک لمبا سانس لیا اور کرسی پر لیٹ کر نہشتہ کی طرف دیکھنے لگا جو زمین پر نظریں گاڑے اس کے سامنے کھڑی تھی۔ زرتشت ایک طرف ہاتھ میں شراب کی صراحی لئے کھڑا تھا تاکہ اگر بادشاہ کی پیاس ایک پیالے سے نہ بجھے تو اور شراب پیش کی جا سکے۔

"آپ خاصی حسین ہیں یروشلم کی معزز دُختر!" بادشاہ نے کہا۔ "ہم نے اکبانتا میں بھی آپ کو دیکھا تھا اور ہمیں یاد ہے کہ آپ اس وقت بھی کافی حسین تھیں۔ ہم نے آپ کو اور آپ کے رشتہ داروں کو اسی لئے یاد کیا ہے تاکہ آپ کی ضروری عزت و توقیر کی جائے۔ اور اب ہم اپنا وعدہ بھی پورا کر دیں گے اور آپ کو اپنی بیگم بنا لیں گے۔"

دارا نے اپنی معمولی مطمئن آواز میں یہ سب کچھ کہہ دیا لیکن اگر ہنزا رہا

طوفانوں کی فلک پاش قوتیں ایک جگہ جمع ہو کر دفعتہً خیمے کی محدود فضا میں بے زنجیر ہو جاتیں تب بھی ان کا اثر اتنا خوفناک اور دہشت خیز نہ ہوتا جتنا ان چند لفظوں کو سُننے والوں کے قلوب پر ہوا۔

نہشتہ کا چہرہ سُرخی سے خون آسا ہو گیا۔ اس کا رویاں رویاں کانپ اُٹھا۔ وہ تھرتھرائی۔ دو زانو ہوئی اور پھر بادشاہ کے قدموں میں سجدے میں گر پڑی۔ اس کے خوبصورت بالوں کا حسین خزانہ اس کے سراپا پر بکھرا ہوا تھا۔ دارا مکمل سکوت و سکون کے ساتھ بیٹھا گویا اپنے الفاظ کے اثرات دیکھتا رہا۔ وہ شاید چند لمحے اور اسی طرح بیٹھا رہتا لیکن زرتشت دفعتہً اس کے اور سجدہ ریز عورت کے درمیان آ کھڑا ہوا۔ طلائی صراحی جو اس کے ہاتھ میں تھی لڑھکتی ہوئی دُور چلی گئی اور ارغوانی شراب کی ایک چھوٹی سی ندی خیمے کے فرش پر دھیمے دھیمے پردوں کی طرف بہنے لگی۔ اس کا چہرہ نیلگوں سرمئی رنگ کا ہو گیا تھا اور اس کی آنکھیں نیلی آگ کے دہکتے ہوئے انگاروں کی طرح چمک اُٹھیں۔ جب وہ اپنی شوکت آب اونچائی کے ساتھ بادشاہ کے سامنے سیدھا کھڑا ہوا تو شمعوں کی کپکپاتی ہوئی روشنی اس کے سُنہرے بالوں پر پڑی جس سے یہ بال اس کے چہرے کے ارد گرد نورانی ہالے کی طرح جگمگانے لگے۔ دارا کے چہرے پر گھبراہٹ کا کوئی اثر نہ تھا اور نہ ہی اس نے کوئی جنبش کی۔ وہ اسی طرح بیکار رہا اور اس کی آنکھیں بیباکانہ زرتشت کی نگاہوں سے اُلجھ گئیں۔ زرتشت نے دبائے ہوئے غصّے کی دھیمی آواز میں کہا۔

"شہزادی نہشتہ کی منگنی مجھ سے ہو چکی ہے اور خواہ آپ اس زمین اور اُس

آسمان کے ستاروں کے بادشاہ بھی کیوں نہ ہوں تب بھی آپ اسے اپنی ملکہ نہ بنا سکیں گے"۔
دارا مسکرایا۔ اور اس مسکراہٹ میں طنز نام کو بھی نہ تھی بلکہ جب اس نے شمالی ممالک کے غضبناک آدمی کو اپنے سامنے کھڑا دیکھا تو اس کے ہونٹوں پر یونہی مسکراہٹ کھیل گئی۔

"مابدولت شہنشاہوں کے شہنشاہ ہیں"۔ اس نے جواب دیا "کل صبح مابدولت یہودا کی شہزادی کو اپنی ملکہ بنانے کی عزت بخشیں گے۔ اور کیونکہ تم نے جھوٹ بولا ہے کہ ہم اسے اپنی ملکہ نہیں بنا سکیں گے اس لئے تمہیں کل ہی شوشان کی اس بلند چٹان پر مصلوب کر دیا جائیگا"۔

"احمق! خدا کے غیظ و غضب کو آواز نہ دے۔ اسے دھمکیاں نہ دے۔ جو تجھ سے قوی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اس کے ہاتھ تجھے ہمیشہ کے لئے وہیں سلا دیں جہاں تو بیٹھا ہے"۔ زرتشت کی دھیمی اور صاف آواز بے پروا تقدیر کے ظالمانہ قہقہے کی طرح گونجی اور اس کی انگلیاں بادشاہ کی گردن پر جھپٹ پڑیں۔

دارا اس وقت تک اسی طرح بے پروا بیٹھا مسکراتا رہا تھا لیکن اسکی آنکھیں ایک لمحے کے لئے بھی اپنے مخالف کے چہرے سے نہ ہٹیں۔ وہ ایک بہادر آدمی تھا اور دشمن کے حملہ سے پہلے مدافعت کی کوئی حرکت کرنا وہ بہادری کی شان کے خلاف سمجھتا تھا۔ یہاں تک کہ محافظین کو اپنی مدد کے لئے پکارنے میں بھی وہ اپنی توہین سمجھتا تھا۔ لیکن جب زرتشت کے ہاتھ موت کا چنگل بن کر اس پر جھپٹ پڑے تو وہ بھی اس کی مدافعت میں تیار تھا۔ وہ چیتے کی طرح تڑپ کر اٹھا اور اپنے دشمن کی گردن پر جھپٹ پڑا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کے چار آہنی کا گردن بند

نوچ دے اور اس کا گلا گھونٹ ڈالے لیکن اس سے پہلے کہ اس کے ہاتھ زرتشت کی گردن تک پہنچنے میں کامیاب ہوں زرتشت کا ہاتھ اس کی بغل میں سے ہوتا ہوا اس کی گردن تک پہنچ چکا تھا۔ زرتشت کی عبا کی ڈھیلی آستین سمٹ کر اوپر چڑھ گئی اور اس کا لمبا گورا بازو فولادی زنجیر کی طرح اپنی انتہائی لمبائی تک بادشاہ کی گردن کے گرد لپٹ گیا۔ زرتشت نے اپنے دوسرے ہاتھ سے اسکی کمر تھام لی اب ان دونوں نے پہلوانوں کی طرح ایک دوسرے کو پکڑ لیا اور اپنی انتہائی طاقت سے ایک دوسرے کو دھکیلنے لگے۔

بادشاہ پست قامت تو تھا لیکن اس کے گوشت سے بھرے ہوئے چوڑے سینے اور گرہ دار پٹھوں میں جنگلی بجار کی سی قوت اور چیتے کی سی پھرتی تھی۔ زرتشت کا بازو اپنے مخالف کی گردن پر پہلے ہی پہنچ گیا تھا اس لئے وہ بظاہر فائدے میں معلوم ہوتا تھا لیکن دو تین لمحوں تک دونوں اسی طرح کھڑے رہے ان میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کو ایک انچ ہٹانے میں کامیاب نہ ہو سکا لیکن چند لمحوں کے بعد قد آور شخص کے گورے گورے بازو پر نیلی رگیں تنی ہوئی رسیوں کی طرح ابھر آئیں۔ مغربی شہزادے کی آتشیں قوتیں شمالی جوان کی گھٹی ہوئی شہزوری سے گھٹ گئی تھیں۔ زرتشت کا چہرہ موت کی طرح سفید پڑ گیا تھا، اور شہزادے کی پیشانی زور آزمائی کی وجہ سے سرخ ہو گئی تھی۔ یہ دونوں دانت بھینچے زور آزمائی کر رہے تھے۔ دونوں کے سانس اکھڑے ہوئے تھے لیکن دونوں میں کسی نے بھی کوئی بات نہ کی!

نہ شتہ آنے والے ہنگامے کے اولیں اقدام پر چونک کر سیدھی کھڑی ہو گئی تھی

لیکن اس نے غلاموں یا محافظوں کو مدد کے لئے نہیں پکارا اور نہ ہی وہ چیخی بلکہ خیمے کے بلم سے سہارا لگا کر حیرت زدہ سی کھڑی ہو گئی۔ اس کا دوسرا ہاتھ آہستہ آہستہ لمبے لمبے دے کو سمیٹ سمیٹ کر سینے پر اکٹھا کر رہا تھا اور وہ پورے انہماک کے ساتھ زندگی اور موت کی اس خوفناک خاموش کشمکش کو دیکھ رہی تھی جس میں دو مردوں کی آہنی قوتیں محو ہو گئی تھیں۔

اُن دونوں میں دفعتہً جنبش ہوئی اور وہ لہرا سے گئے۔ دارا نے زرتشت کو الگنی مار کر گرانے کی کوشش کی تھی لیکن اس کا پاؤں شراب سے بھیگے ہوئے فرش پر پھسل پڑا، اور وہ نصف کے قریب جھک گیا لیکن وہ اپنا پورا زور لگا کر پھر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اب وہ نڈھال سا ہو گیا تھا۔ نہشتہ کو ایسا معلوم ہوا کہ زرتشت کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کی ایک حقیقت سی لرزش پیدا ہوئی ہے، اس کی آنکھیں اٹھیں اور نہشتہ کی آنکھوں سے چار ہو گئیں ـــــ اور لڑائی کے انجام کا آغاز ہوا۔ آہستہ آہستہ زرتشت نے بادشاہ کا سر جھکا کر اُسے دُہرا کر دیا یہاں تک کہ ایسا معلوم ہونے لگا کہ بادشاہ کی ہڈیاں، شریانیں اور پٹھے یکدم اس عظیم کشمکش سے ٹوٹ کر چُورا ہو جائیں گے۔ آخر جب اس کا سر زمین سے جا لگا تو دارا کے مُنہ سے ایک ہلکی سی چیخ نکل گئی اور اس کے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔ زرتشت نے بجلی کی سی سُرعت کے ساتھ اُسے کندھوں پر اُٹھا کر چاروں شانے چت زمین پر دے مارا اور اس کے سینے پر چڑھ بیٹھا۔ اُس نے بادشاہ کے دونوں ہاتھوں کو فرش پر جما دیا اور اس کے سینے پر گھٹنے رکھ کر اپنا سارا بوجھ اس پر ڈال دیا۔ زرہ بکتر کی طلائی کڑیاں ایک ایک کر کے اس بوجھ کے نیچے ٹوٹنے لگیں۔ دارا نے دوبارہ زور مارا لیکن پھر خاموش ہو گیا۔ زرتشت نے

دہکتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ اس کی طرف دیکھا۔

"تم مجھے شوشان کی پہاڑیوں پر مصلوب کئے دیتے تھے" اس نے بھنچے ہوئے دانتوں سے کہا۔ "لیکن اب میں تجھے اسی طرح قتل کر دوں گا جس طرح تو نے سمروس کو کیا تھا۔ کچھ کہنا ہے تمہیں؟ اگر ہے تو جلدی کر دو کیونکہ تمہارا وقت آ لیا۔"

جس طرح بہادر اپنی زندگی کے آخری لمحے تک بہادر رہتے ہیں اسی طرح دارا ایسی تکلیف کے وقت اور موت کے قریب پہنچ کر بھی بہادر تھا۔ اب وہ واقعی اپنے محافظوں کو اپنی مدد کے لئے پکارنا چاہتا تھا لیکن آواز بلند کرنے کی اس میں قوت ہی باقی نہ تھی۔ اس نے اپنے خوفناک فاتح کی آنکھوں میں بے محابا دیکھا اور اس کی آواز بھوتوں کی کانا پھوسیوں کی طرح سنائی دی۔

"میں موت سے نہیں ڈرتا۔ اگر تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو تو کر دو۔ تم ــــ فاتح ہو۔"

نہشتہ قریب آ گئی تھی اور اب جبکہ لڑائی ختم ہو چکی تھی اس کے جسم کا رویاں رویاں کانپنے لگا تھا اور وہ متوحش نگاہوں سے خیمے کے بھاری پردوں کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"اسے کہو" اس نے زرتشت کے کان میں کہا۔ "کہ اگر وہ تمہیں اور مجھے کوئی نقصان نہ پہنچانے کا وعدہ کرے تو تم اسے چھوڑ دو گے۔"

"چھوڑ دونگا" زرتشت نے نفرت آمیز لہجے میں الفاظ دہرائے۔ "یہ تو اب مر چکا ــــ لیکن میں اسے چھوڑوں کیوں؟"

"میری خاطر، میرے محبوب!" نہشتہ نے التجا کے ایک فوری پرجوش اشارے کے ساتھ کہا۔ "یہ بہرحال بادشاہ ہے ــــ یہ سچا ہے۔ جب کہدے گا کہ

وہ تمہیں کوئی نقصان پہنچائے گا تو اس کی باتوں پر اعتبار کرو۔"

اگر تم قسم کھالو کہ تم مجھے اور نہشتہ کو کسی قسم کا کوئی نقصان نہ پہنچاؤ گے تو میں تمہیں چھوڑ دونگا۔" زرتشت نے اپنے مخالف کے سینے پر سے ایک گھٹنا ہٹاتے ہوئے کہا۔

"ارمزا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ہم تمہیں یا اسے کوئی نقصان نہ پہنچائیں گے" دارا نے جلدی سے کہا۔

"بہت اچھا میں تمہیں چھوڑتا ہوں۔ اور جہاں تک شادی کا تعلق ہے اس سے پوچھو کہ یہ تمہارے ساتھ شادی کرنے پر تیار ہے؟" زرتشت نے کہا۔ وہ خود کھڑا ہو گیا اور بادشاہ کو بھی اٹھا کر کھڑا کر دیا۔

دارا نے اپنے جسم کو دو تین بار جھٹکا اور چند لمحوں تک لمبے لمبے سانس لیتا رہا۔ اس نے اپنے ہاتھ پاؤں کو اس طرح ٹٹولا جس طرح کوئی گھوڑے سے گرا ہوا آدمی ٹٹولتا ہے اور پھر کرسی پر بیٹھ کر بلند آہنگ قہقہے لگانے لگا۔

دارا گذشتہ دو مہینے کے واقعات سے بہت پہلے پارس اور ماد یا کے بچے بچے میں وعدے کا پکا مشہور تھا یہی وجہ تھی وہ لوگ جو اس سے شب و روز میل ملاپ رکھتے تھے اس کے ہر لفظ پر یقین لے آتے تھے۔ زرتشت بھی اسے جانتا تھا اسے معلوم تھا کہ بادشاہ طبعاً ظرافت پسند اور بے تکلف انسان ہے اس لئے ایسے وقت میں جبکہ وہ خفیف سا مزید بوجھ ڈال کر اس کی زندگی کا چراغ گل کر سکتا تھا اس نے اس کے وعدے پر اعتبار کیا اور اسے چھوڑ دیا۔ لیکن وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اس چپقلش میں اس نے کتنے بڑے جرم کا ارتکاب کیا ہے اس لئے وہ بادشاہ کے قہقہوں میں شرکت نہ کر سکا۔ اور بادشاہ سے پرے کھڑا نہشتہ کے چہرے کی طرف تکتا رہا جو خیمے کے

بلّم سے سہارا لئے کھڑی تھی۔ اور وہ اپنی لمبی آستینوں میں ہاتھ چھپائے انہیں مل رہی تھی اور صاف ظاہر تھا کہ وہ ڈر اور خوف سے بے چین آنکھوں کے ساتھ کبھی بادشاہ کو اور کبھی زرتشت کو دیکھ رہی تھیں اور اس کی نظریں پھر گھوم کر بادشاہ کے چہرے پر مرکوز ہو جاتیں۔

"تمہارے بازوؤں میں غضب کی قوت ہے زرتشت!" جب اس کے قہقہے ہلکے پڑے تو اس نے بلند آواز میں کہا "اور بہت ممکن تھا کہ تم اس خیمے میں اپنے بادشاہ کا خاتمہ کر دیتے اور ساتھ ہی تمہاری مٹھی پارس، مادیا، بابل اور مصر کو پیس کر رکھ دیتی۔"

"اگر غلام کے گھٹنے وزنی اور غلام کی کلائیاں قوی تھیں" زرتشت نے جواب دیا "تو غلام معافی کا خواستگار ہے! اگر آقائے نامدار اس شراب پر سے نہ پھسل پڑتے تو غلام گر جاتا۔"

"اور ساتھ ہی تم صبح پو پھٹنے سے پہلے صلیب پر لٹکا دیئے جاتے" دارا نے ہنستے ہوئے کہا۔ "یہ تمہاری خوش قسمتی ہے کہ مابدولت کمبیس نہیں بلکہ دارا ہیں ورنہ ایسے وقت میں جبکہ میرے محافظ باہر سڑک پر بے پروایانہ گپیں ہانک رہے ہیں تم اس طرح ہمارے سامنے کھڑے نہ رہتے۔ اب جبکہ تم نے ہمیں نئی زندگی دی ہے ایک شراب کا پیالہ بھی پلاؤ۔" پھر بادشاہ نے بلند آہنگ قہقہے لگائے اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ ان قہقہوں سے اس کی پسلیاں چور چور ہو جائیں گی۔ زرتشت نے جلدی سے شراب کا دوسرا پیالہ بھرا اور دوزانو ہو کر بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا۔ دارا پیالہ پکڑنے سے پہلے چند لمحے فوجی جوان کے مغرور زرد چہرے کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اس نے زرتشت کے بازو پر ہاتھ رکھ کر متین آواز میں کہنا شروع کیا۔

"شہزادے! ہمیں تم سے محبت سی ہو گئی ہے" اس نے کہا "کیونکہ تم ہم سے

زیادہ قوی، زیادہ بہادر اور ـــــ کہیں زیادہ رحمدل ہو۔ اس لئے آج سے تم ہمیشہ ہمارے داہنے ہاتھ رہوگے اور مابدولت کی زندگی کی حفاظت تمہارے سپرد کی جاتی ہے۔ اِس اعزاز کے ثبوت میں ہم اپنی طلائی زنجیر تمہارے گلے میں ڈالتے ہیں اور تمہاری صحت کا یہ جام نوش فرماتے ہیں۔ آج کے بعد جس نے تمہارا بال بیکا کرنیکی جُرأت کی وہ موت کے گھاٹ اُتارا جائیگا"

بادشاہ نے پیالہ مُنہ سے لگالیا۔ اور زرتشت جو اس عظیم الشان انسان کے مُنہ سے سچی داد سُنکر شیدا ہو گیا تھا اپنی وفاداری کے اظہار کے لئے جُھک کر بادشاہ کے پاؤں سے لپٹ گیا اور اِس طرح ایک ایسی دوستی پر صدق و وفا کی مُہریں ثبت کر دی گئیں جو اُس وقت تک نہ ٹُوٹ سکیں جب تک کہ موت کے بے رحم ہاتھ نے اِن دونوں بہادروں کو ایک دُوسرے سے جُدا نہ کر دیا۔

اِس کے بعد یہ دونوں اُٹھے اور زرتشت کے احکام کے مطابق شہزادی کی محمل کو اُٹھایا گیا اور باقی ساتھیوں کو بعد میں آنے کا حُکم دے کر یہ دونوں شاہی محلات میں پہنچ گئے۔ نہشتہ اپنی کنیزوں کی محملوں کے درمیان تھی جس کے چاروں طرف پیدل غلاموں کا دستہ تھا۔ لیکن زرتشت اپنے گھوڑے پر سوار خاموشی سے بادشاہ کے داہنے ہاتھ آہستہ آہستہ چلا آرہا تھا۔

(۶)

صُبح کا سُورج مشرقی چھجے کی آڑی طرف اپنی پُوری شعلہ سامانیوں کے ساتھ جگمگا رہا تھا اور بے داغ سفید مرمر کی بنی ہوئی کنگریاں، سرستون، اور آرائشی کلغی کا عکس نکھرے ہوئے آسمان کے عکس کی وجہ سے نیلگوں معلوم ہوتا تھا۔ چڑیوں کے جھنڈ آگے جھکے ہوئے چھجے کے نیچے سے نکلتے اور چھت سے ڈھکی ہوئی منڈیر کے اندر باہر اُڑتے پھر فراٹے بھرتے ہوئے باہر آفتاب کی ناچتی ہوئی شعاعوں میں سے اس طرح گذر جاتے جس طرح کوئی تیز تلوار ہوا میں لہرا دی جائے۔ محل سے بہت نیچے صُبح کی دُھندلا بھی تک شہر پر مسلط تھی جہاں سے سقوں اور میوہ فروشوں کی آوازیں کہیں دُور سے آنے والی صدائے بازگشت کی طرح سُنائی دیتی تھی۔ دُور افتادہ چراگاہ میں سے کبھی کبھار کسی گھوڑے کی ہنہناہٹ بھی سُنائی دے جاتی لیکن اِن مختلف آوازوں پر چڑیوں کی موسیقی آفریں چوں چوں چو

اپنے نشان سے تبدیل کر دیا گیا تھا۔ خالص سونے اور باریک کام سے بنی ہوئی بادشاہ کی اپنی صورت سے ملتی جلتی تصویر تھی جس کے دونوں طرف پر بنائے گئے تھے۔ یہ شاہی نشان خود دارا کا تجویز کردہ تھا۔ اس کا سُرخ لبادہ اس کے پاؤں تک لٹک رہا تھا اور شاہی زنجیر اس کی گردن میں آویزاں تھی۔ اس کے بوٹ کے جڑاؤ چمڑے کا عکس فرش کے شفاف پتھر پر جھلک رہا تھا۔ فرش آئینے کی طرح صاف اور پھسلتا تھا اس لئے زرتشت کو پھونک پھونک کر قدم رکھنے پڑتے۔ چھجے کے ایک طرف سیڑھیاں تھیں جو نیچے کے کمرے میں جاتی تھیں اور دوسری طرف ایک بلند و عریض دروازہ تھا جو سُرخ رنگ کے بھاری زرتار پردے سے ڈھکا ہوا تھا۔ پردے کی چٹیں آئینہ نما فرش پر پڑ رہی تھیں۔ وہ جب بھی ٹہلتا ٹہلتا اس دروازے کے قریب آتا تو ٹھٹھک سا جاتا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ کسی کا انتظار کر رہا ہے۔ لیکن عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ جس آدمی کا انتظار کیا جا رہا ہو وہ اُس وقت آتا ہے جب اس کا انتظار کرنے والا پرے ہٹ چکا ہو ایسا ہی اب بھی ہوا۔ جب زرتشت سیڑھیوں کے قریب سے ہو کر واپس ہوا تو اُسے معلوم ہوا ایک دوسرا آدمی آکر خود اُس سے ملنے کے لئے نصف کے قریب اس کی طرف بڑھ چکا ہے ـــــ لیکن یہ وہ نہ تھا جس کی انتظار زرتشت کو تھی!

پہلے پہل تو وہ کچھ گھبرا سا گیا لیکن آخر اس کی یادداشت آڑے آئی اور آہستہ آہستہ اس نے اُس عورت کا چہرہ اور اس کا سراپا پہچان لیا جس کو وہ اس سے پہلے بھی متعدد بار دیکھ چکا تھا۔ وہ ایسی سرو قامت بھی نہ تھی لیکن اس کے جسم میں اس بلا کا تناسب تھا کہ قد کی اونچائی اس کے حسن میں اضافہ کرنے کی بجائے شاید اُسے نظر خراش بنا دیتی اس کے جسم کا عدیم النظیر تناسب اور وہ ناقابلِ بیان جاذبیت جو نسائی جسم میں

اُس وقت پیدا ہو جاتی ہے جب جوانی اور حُسن اپنی معراج پر ہوتے ہیں اس کے چُست ملبوس سے چھلکی پڑتی تھی جس کی گردن پر طلائی تاروں سے ایک پھولدار حاشیہ بنا دیا گیا تھا۔ اس نے اپنے زیریں لباس پر گھٹنوں سے لیکر پنڈلیوں تک سفید اور سُرخ رنگ کی پٹیاں باندھ رکھی تھیں جو بادشاہ کے سوا کوئی متنفس استعمال نہ کر سکتا اور جو ملکہ کے لئے بھی شاہی لباس کا غیر آئینی استعمال قرار پاتا ہے۔ لیکن زرتشت نے نہ ہی اس کے لباس کی جزئیات پر غور کیا، نہ ہی اس کے سُرخی مائل سمندری رنگ کے شاہانہ لبادے کو دیکھا اور نہ ہی اُن بے مثال سفید ہاتھوں کی طرف نگاہ کی جن میں ایک لپٹا ہوا کاغذ پکڑا تھا۔ اس کی نظریں ملکہ کے چہرے پر گڑ کر رہ گئی تھیں اور وہ وہیں منجمد سا ہو گیا تھا۔

وہ اُن تیز اور مکمل خط و خال کو جو بڑے بڑے معلوم ہونے کے باوجود نظر فریب تھے، اور عورت کے اُس حسین سراپا کو جو اُس کے بعد آج تک کسی مرد کو دیکھنا نصیب نہ ہوا اور نہ ہی آئندہ ہو گا خوب اچھی طرح سے جانتا تھا۔ وہ اُس شاداب دہانے کے دلفریب خفیف جُھکاؤ، قدرے آگے کو بڑھی ہوئی سفید شفاف ٹھوڑی جس میں چاہِ زنخداں چار چاند لگا رہا تھا، نیلی نیلی گہری آنکھیں اور باریک پنسل سے بنائی ہوئی مہین بھنویں دُودھ کی طرح سفید جلد جس میں گلابی رنگت کی خفیف سی جھلک نمایاں تھی اور جو سردی یا گرمی کے موسم اور غصّے یا خوشی کے وقت میں بالنے کا نام نہ لیتی تھی —— ان سب جزئیات کو وہ اچھی طرح سے پہچانتا تھا۔ شہنشاہ سیرس کے خدوخال نسائیت اور حلیم الطبعی کے سانچے میں ڈھل کر اس کی عالیشان بیٹی شہنشاہ ہونکی بیوی اور شہنشاہ ہونکی ماں ملکہ آتوسہ کی صورت میں نئی زندگی حاصل کرنے کے باوجود غیر مبدل اور شاہانہ

تمکنت کے حامل تھے۔

پردہ پھر سمٹ کر دروازے پر تن گیا اور وہ یکہ و تنہا آگے بڑھی۔ اس نے زرتشت کو خبر ہونے سے پہلے ہی اُسے دیکھ لیا تھا اِس لئے وہ کسی قسم کا تعجب ظاہر کئے بغیر سیدھی چلی آئی۔ اس کے جُوتے کی طلائی ایڑی سنگینِ فرش سے ٹکرا کر ایک ترنم آفریں کھٹ ــــ کھٹ کی آواز پیدا کر رہی تھی۔ زرتشت پہلے تو چند لمحوں تک خاموش کھڑا رہا۔ پھر اس نے تعظیم کے طور پر اپنا خود سر سے اُتار لیا اور سیڑھیوں کے دہانے پر مؤدب ہو کر ملکہ کے گذر جانے کا اِنتظار کرنے لگا۔ ملکہ کے طرزِ عمل سے یہی ظاہر ہوتا تھا کہ وہ سیدھی چلی جائے گی لیکن جب وہ ڈیوڑھی سے گذر کر سیڑھیوں پر پہنچی تو یک دم رُک گئی۔ اور قدرے مُڑ کر سیدھی زرتشت کی طرف دیکھنے لگی۔

"تمہی زرتشت ہو؟" اس نے صاف مترنم آواز میں پُوچھا۔ اس کی آواز میں کسی صاف مرغزار میں سے بہتی ہوئی نرم رَو ندی کی موسیقی پائی جاتی تھی۔

"غلام کو زرتشت ہی کے نام سے پکارا جاتا ہے ملکۂ عالیہ" زرتشت نے قدرے جُھکتے ہوئے جواب دیا۔ اس کی آواز میں درشتی کا عنصر غالب تھا۔

"ہم تمہیں پہچانتے ہیں ملکہ نے پہلی سیڑھی پر رُکتے ہوئے کہا۔ تم میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی البتہ تم پہلے سے زیادہ قوی ہو اور پُورے فوجی معلوم ہونے لگے ہو"

زرتشت خود کو ہاتھ میں گھماتا ہوا خاموش کھڑا رہا۔ اُسے ملکہ کے اِن تعریفی کلمات کی مطلقاً پروا نہ تھی۔ لیکن زرتشت اس وقت جتنا خوشامد سے گریز کرنا چاہتا تھا ملکہ اتنے ہی اضطراب کے ساتھ اُسے خوشامدانہ طریقے سے خوش کرنا

چاہتی تھی۔ چنانچہ پھر وہ چھجّے پر واپس آ گئی۔

"اِدھر دُھوپ میں چلے آؤ۔ آج صبح کی ہوا میں کچھ خنکی سی ہے" اس نے کہا۔

"ہم تم سے تھوڑی دیر باتیں کرنا چاہتے ہیں"۔

ایک منقش کرسی چھجّے کے کونے میں پڑی تھی زرتشت نے اُسے گھسیٹ کر دُھوپ میں کر دیا اور خود ستون سے سہارا لگا کر کھڑا ہو گیا۔ صبح کی سُنہری دُھوپ اس کے جڑاؤ زرہ بکتر، طلائی زنجیر اور سُرخ لبادے میں نصف کے قریب چھپی ہوئی حسین داڑھی پر کھیلنے لگی۔ اس دُھوپ میں وہ حُسن و وفا کا دیوتا معلوم ہوتا تھا۔

"ہاں تو ـــــ تم کل رات یہاں وارد ہوئے ہو" اس نے اپنے ہاتھوں کو سینکنے کے لئے دُھوپ میں پھیلا دیا۔ آتوسہ دُھوپ سے کبھی نہیں گھبراتی تھی کیونکہ سورج اس کا دیرینہ رفیق تھا اور وہ دُوسری عورتوں کی طرح اس کی خوبصورت جلد پر اپنا نشان چھوڑنے سے ہمیشہ گریز کرتا تھا۔

"غلام ہی کل رات وارد ہوا ہے" شہزادے نے جواب دیا۔

"نہشتہ اور دوسری یہودی عورتوں کو ساتھ لے کر" ملکہ نے فقرہ مکمل کرتے ہوئے کہا۔

"ملکۂ عالیہ!"

"تو مجھے نہشتہ کے متعلق کچھ بتاؤ" ملکہ نے گفتگو کو بے تکلفی کا رنگ دیتے ہوئے کہا۔ لیکن زرتشت نے احتیاط سے کام لیا اور طرزِ تخاطب کے اُس فرق کو ملحوظ رکھا جس کا حاکم اور رعیت کی باہمی گفتگو میں پیدا ہونا ضروری ہوا کرتا ہے۔

"ملکۂ عالیہ اُس سے مکمل آگاہی رکھتی ہیں۔ چند سال ہوئے وہ یہیں ایک کمسن

لڑکی کی حیثیت میں رہتی تھی" اس نے جواب دیا۔ زرتشت نے بھی مناسب سمجھا کہ ملکہ کو مکمل خبر حاصل کرنے کے لئے سوالات کرنے کا موقع دیا جائے۔

"اب تو کافی عرصہ گذر چکا ہے" اس نے ایک ٹھنڈی سانس لیکر کہا۔ "کیا وہ سفید رنگ کی لڑکی ہے"

"نہیں ملکۂ عالیہ! وہ یہودیوں کی طرح گندم گوں ہے"

"اور پارسیوں کی طرح بھی" ملکہ نے دخل اندازی کی۔

"وہ بہت حسین ہے" زرتشت نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "اس کا قد بہت اونچا ہے"

آتوسہ نے مسکرا کر جلدی سے زرتشت کی طرف دیکھا وہ اتنی حسین ہونے کے باوجود بلند قامت نہ تھی۔

"تو تم لمبے قد والی عورتوں کو پسند کرتے ہو"

"ملکۂ عالیہ کا قیاس غلط نہیں" زرتشت نے خوب سمجھ سوچ کر جواب دیا۔ وہ اس وقت ملکہ کی خوشامد کرنا نہیں چاہتا تھا اور وہ جانتا تھا کہ جب ملکہ کو خوشامد سے راضی کر لینے کی ضرورت محسوس ہوگی وہ اپنی کوششوں میں بڑی آسانی سے کامیاب ہو جائیگا کیونکہ ملکہ اُن عورتوں میں سے تھی جو ہر وقت اپنی جنس کی دوسری عورتوں سے اپنے آپ کو افضل خیال کرنے میں ہچکچاتی رہتی ہیں۔

"اس کا یہ مطلب ہوا کہ تم اُس یہودی شہزادی کو پسندیدگی کی نظروں سے دیکھتے ہو" اس نے پوچھا اور جواب کی منتظر رہی۔ لیکن اس کا ساتھی بھی اُسی کی طرح بے پروا اور ساکن تھا۔ زرتشت نے جب دیکھا کہ اب اس پر براہِ راست شک

کیا جا رہا ہے تو گفتگو کا موضوع بدلنے کے لئے ملکہ کی خوشامد کی۔

"لیکن محض قد کی بلندی ہی خوبصورتی کا باعث نہیں ہو سکتی ملکۂ عالیہ" اس نے خوشامدانہ انداز میں مسکرا کر کہا۔ "دنیا میں ایسا حسن بھی ہوتا ہے جس پہ درازیٔ قد کوئی خوشگوار اثر نہیں ڈال سکتی ـــــ ایک ایسا مکمل تناسب جس کے لئے درازی کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔"

ملکہ نے اس تعریف کی طرف توجہ نہ کی لیکن اس کا متوقع اثر ضرور ہوا اور ملکہ نے بڑی متانت سے گفتگو کا موضوع کچھ بدلا۔

"وہ کہاں ہے؟ ہم اس کے پاس جا کر اس سے ملیں گے" ملکہ نے پوچھا۔

"کل رات وہ محل کے مغربی کمروں میں اوپر کے کمرے میں سوئی تھی، اگر ملکۂ عالیہ اسکی حاضری ضروری خیال فرمائیں تو غلام اسے حاضر ہونے کے لئے کہے۔"

"ابھی ابھی" ملکہ نے جواب دیا۔ "لیکن ابھی کافی سویرا ہے اور وہ بلاشبہ اتنے لمبے سفر سے تھک بھی گئی ہوگی۔"

ملکہ چند لمحوں کے لئے رک گئی۔ زرتشت نے اپنے عقب میں بیٹھی ہوئی ملکہ کی طرف حیران نظروں سے دیکھا وہ اس میں ایک خاص فرق محسوس کر رہا تھا۔ زرتشت ملکہ کو اتنے انہماک سے دیکھنا تو نہیں چاہتا تھا لیکن غیر شعوری طور پر وہ اس کی اور زرنشتہ کی شکل و صورت کا مقابلہ کرنے لگا۔ ملکہ نے دفعتہً آنکھیں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور اس کی آنکھوں میں وہ دلچسپی دیکھی جو ایک عورت ہی مرد کی آنکھوں میں دیکھ سکتی ہے۔

"ہم دونوں کافی دیر کے بعد ملے ہیں زرتشت" ملکہ نے جلدی سے کہا۔ "اس اُجاڑ قلعے میں کس طرح دن کاٹے تم نے؟ اب تو تم نے سپاہیانہ زندگی میں کافی ترقی کر لی ہے۔

تمہاری گردن میں شاہانہ زنجیر ہے" ملکہ نے ہاتھ اُٹھا کر زرتشت کے گلے میں لٹکتی ہوئی زنجیر کو چھُوا۔ "یہ وہی زنجیر معلوم ہوتی ہے جو وہ بابل کو جانے سے پہلے پہنے ہوئے تھا۔" وہ چند لمحوں تک خاموشی سے سوچتی رہی پھر بولی "ہاں — مجھے یاد آگیا۔ جب وہ بابل سے واپس آیا تو اُس کی گردن میں یہ زنجیر نہ تھی۔ ہاں — یہ اُسی کی ہے — یقیناً — لیکن اس نے یہ تمہیں کیسے دیدی؟"

اس کی آواز سے معلوم ہوتا کہ اُسے خود اپنے پر اعتماد نہیں۔ اسکی آواز میں کچھ تحکم کا شائبہ تھا اور کچھ خوشامد کا گویا اُسے یقین نہیں تھا کہ وہ اس سوال کا جواب حاصل کر سکے گی۔ زرتشت کو اس کی موسیقی آفریں آواز میں تحکم کا غلبہ محسوس ہوا۔ اور وہ ہونٹوں ہی ہونٹوں میں مُسکرا دیا۔

"حضور کا قیاس درست ہے"! اس نے جواب دیا۔ "شاہِ معظم، عمر و دولت پائندہ باد نے خود یہ زنجیر اپنے ہاتھوں سے اُن چند خوبیوں کے انعام کے طور پر غلام کے گلے میں ڈالی تھی جو حضورِ والا کے خیال کے مطابق ان کے غلام زرتشت میں پائی جاتی ہیں۔"

"خوبیاں — کیسی خوبیاں؟"

"لیکن ملکۂ عالیہ اس امر کی متوقع نہ ہوں کہ ان کا غلام خود اپنی تعریف کے گیت گائے گا۔ بہر حال غلام حضور شاہِ معظم کی غلامی میں اپنی جان تک قربان کر دینے پر تیار ہے، یہ امر حضور شاہِ معظم کے علم میں ہے۔ عمر و دولت پائندہ باد۔"

اِن متعدد خوبیوں میں سے شاید ایک خوبی یہ بھی ہو کہ تم گذشتہ دنوں ایک بڑی مشکل مہم سر کرنے میں کامیاب ہو گئے ہو۔" ملکہ نے طنز آمیز لہجے میں کہا۔

"مہم؟" زرتشت نے الفاظ دُہرائے۔

"ہاں ـــــ" ملکہ نے جواب دیا۔ "کیا تم چند یہودی عورتوں کو اکباتانا سے شوشان تک اتنی احتیاط اور اتنی حفاظت سے لانے میں کامیاب نہیں ہوئے کہ ان میں سے کسی کو بھی اتنے لمبے سفر کی تکان چھو کر نہیں گئی اور نہ ہی ان میں سے کسی کی عطر کی چھوٹی سے چھوٹی ڈبیہ اور بالوں میں لگانے والی پن تک کا نقصان ہوا ہے۔ تم حقیقت میں اس طلائی زنجیر اور بادشاہ کے خاص الخاص دوست بننے کے پورے پورے حقدار تھے۔"

"اس میں شبہ نہیں کہ غلام کی خدمات ہرگز اس قابل نہ تھیں کہ اتنی دریا دلی سے انعام مرحمت فرمایا جاتا۔ یہ کوئی ایسا عظیم الشان فوجی کارنامہ نہ تھا جو غلام سے ظہور میں آیا تاہم سلطنت کے حالات میں کچھ ایسا تلون پیدا ہو گیا ہے کہ ایک آدمی مادیا سے چلتے وقت ایک بادشاہ کی رعیت کہلاتا ہے اور جب وہ شوشان آتا ہے تو بادشاہ بدل چکا ہوتا ہے۔ ملکہ عالیہ سے زیادہ ان عجیب و غریب انقلابات کی اہمیت کو اور کوئی نہیں سمجھ سکتا۔" زرتشت نے اطمینان سے بیٹھی ہوئی ملکہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

ملکہ کیمبس کی بیوی رہی تھی، وہ مقتول بادشاہ گومت سمردیس کی زوجیت میں رہ چکی تھی اور اب وہی اپنے خاوند کے قاتل دارا کی بیوی کہلاتی تھی۔ اس لئے زرتشت کا جواب سن کر اس نے آنکھیں جھکا لیں اور سر بمہر کاغذ سے کھیلنے لگی۔

اس گفتگو کے دوران میں سورج کافی بلند ہو چکا تھا اور اس کی شعاعوں میں ناقابل برداشت حد تک حدت پیدا ہو چکی تھی، نیچے شہر پر تنا ہوا کمرے کا پردہ گلیوں اور کشادہ میدانوں پر سے اٹھ چکا تھا اور مردوں اور عورتوں سے بھرے ہوئے بازاروں سے سوداگروں اور گاہکوں کی بلند آوازیں شہد کی مکھیوں کی

بھنبھناہٹ کی طرح قلعے میں سنائی دینے لگی تھیں۔ ملکہ اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔
"بہت گرمی ہوگئی ہے" اس نے کہا اور ایک دفعہ پھر سیڑھی کی طرف بڑھی۔
زرتشت خود ہاتھ میں پکڑے ہوئے مؤدبانہ طریقے سے اس کے پیچھے پیچھے آیا۔
آٹوسہ سیڑھیوں تک پہنچنے سے پہلے نہ بولی اور آخر جب زرتشت تعظیماً اس کے سامنے جھکا تو اس نے اُسے اپنی صاف نیلی آنکھوں سے دیکھا۔
"اِس چار سال کے عرصے میں تم بڑے پُر تکلف ہوگئے ہو" اس نے نرم آواز میں کہا۔
"تم اِس سے پہلے بڑے بے تکلف تھے اور تمہارے طرزِ عمل میں درباری عنصر بہت کم تھا۔ مجھ میں تو کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہم دونوں ویسے ہی دوست ہیں جیسے پہلے تھے۔"
زرتشت جواب دینے سے پہلے کچھ ہچکچایا۔
"مَیں شاہِ معظم کا بندہ ہوں" اس نے آہستہ سے کہا۔ "اِس لئے میں ملکۂ عالیہ کا بھی غلام ہوں۔"
آٹوسہ نے اپنی باریک پلکیں اوپر اُٹھائیں اور غصّے کی ایک ہلکی سی لہر پہلی دفعہ اس کے چہرے پر دوڑ گئی جس سے اُس کے چہرے پر درشتی کے آثار نظر آنے لگے۔
"ملکہ ہم ہیں" اس نے قدرے درشتی سے کہا۔ "بادشاہ خواہ کتنی شادیاں کرلیں پھر بھی ملکہ ہم ہی رہیں گی۔ یاد رکھنا کہ تم حقیقت میں ہمارے وفادار غلام ثابت ہو۔" اس نے اپنا لبادہ اپنے جسم پر لپیٹ لیا اور پہلا قدم اوپر کی سیڑھی پر رکھا ہی تھا کہ ٹھٹھک گئی اور قدرے نرمی سے اپنی اُنگلیوں سے زرتشت کے کندھے کو ٹھکورتے ہوئے بولی "اور ہم تمہیں اپنا دوست سمجھیں گے۔" یہ کہہ کر وہ زرتشت کو اکیلا چھوڑ کر نیچے اُتر گئی اور آنکھوں سے اوجھل ہوگئی۔

زرتشت پھر آہستہ آہستہ کہنے لگا۔ اور اپنی موجودہ صورتِ حال پر غور کرنے لگا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کی پریشانی بے معنی نہ تھی۔ یہ ظاہر تھا کہ ملکہ اس پر شک کرنے لگی ہے کہ وہ نہشتہ سے محبت کرتا ہے اور اُسے یقین تھا یہ محبت کسی طرح بھی ملکہ کی خوشنودی کا باعث نہیں ہوسکتی۔ اس کے ایک نہیں ہزاروں وجوہ تھے۔ پچھلے دنوں جبکہ ملکہ کیمبیس کی بیوی تھی اور اس سے بعد زرتشت کے مادیا میں بھیجے جانے سے پہلے ملکہ نے ایسے واضح طور پر زرتشت کو پسندیدگی کی ایسی نظروں سے دیکھا تھا جو ایک دُنیادار آدمی پر صاف ظاہر کرسکتی ہیں کہ ملکہ زرتشت سے محبت کرتی ہے۔ لیکن زرتشت کے ذہن میں ایسا کوئی شک پیدا نہیں ہوا البتہ انسانی فطرت کے ایک زبردست تناقض کی حیثیت سے وہ جانتا تھا کہ شہزادی کے اِن حسین خدوخال اور شریفانہ بے تکلفی کے پردے میں زبردست ذہنی قوت، آہنیں ارادہ اور بے مثال خود پرستی پوشیدہ ہے۔ زرتشت کو اُس وقت بھی آتوسہ پر اعتماد نہ تھا تاہم اس نے خوشامدانہ طرزِ عمل اختیار کیا اور اس پر ثابت کردیا کہ وہ اس کا سچا جانثار دوست ہے گو یہ بھی ظاہر تھا کہ وہ اِس دوستی اور جانثاری کے عوض میں اس سے کسی صلے کی توقع نہیں رکھتا تھا۔ وہ اُس زمانے میں صرف پانچ سو جوانوں کا ایک ناتجربہ کار کماندار تھا لیکن اس کے باوجود دربار میں اسے عزت و وقعت حاصل تھی۔ اس کے علاوہ اس کے مضبوط بازوؤں کی فولادی قوت اور اس کی باتوں میں طنز کا جگر خراش پہلو سب کو خوفزدہ رکھتا تھا اور کسی کو شہزادی کی دلچسپی کے متعلق کوئی حرف زبان پر لانے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ مزید برآں زرتشت شہزادی کا ایک سچا دوست تھا۔ اس سے وہ اس کی پروا نہیں کرتا تھا۔ اِس لئے شہزادی کے دُشمن اسی خیال سے اپنا کلیجہ ٹھنڈا کر لیتے تھے کہ شہزادی

اس کی محبت حاصل کرنے میں ناکام رہی ہے۔ اُس زمانے میں دربار پر عیاشی اور بدمستی کا ایک ایسا نشہ سا مسلط تھا کہ شہنشاہ سیرس کی بیٹی کا بادشاہ کے حسین ترین محافظ سے محبت کی پینگیں بڑھانا بھی کوئی ایسا اہم اور قابلِ توجہ مسئلہ نہیں سمجھا جاتا تھا۔ پھر اس سارے معاملے میں زرتشت بالکل غیر متعلق معلوم ہوتا تھا اور اس کے طرزِ عمل سے یہی ظاہر تھا کہ وہ اس کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔ اِدھر آٹوسہ اول تو ناراض ہوتی ہی نہ تھی اور اگر ہوتی تھی تو اپنے غم و غصہ کو اس خوبصورتی سے چھپا جاتی تھی کہ زرتشت کے شوشان سے چلے جانے کے بعد یہ سارا واقعہ لوگوں کے دماغ سے یکدم محو ہو گیا۔ اس پر مستزاد یہ کہ سلطنت کے حالات میں یکے بعد دیگرے اِس سُرعت سے انقلابات آئے کہ درباریوں کو پرانی باتوں پر تبصرہ کرنے کی فرصت ہی نہ ملی۔ گومت سمردیس نے اپنی حکومت کے پہلے سات مہینے ایسی گوشہ نشینی اور بے تعلقی کے عالم میں گذارے کہ دربار کا سارا شیرازہ منتشر ہو گیا۔ اس کے بعد داراکے مضبوط ہاتھوں نے درباریوں کی بے عنان عیاشیوں اور شرمناک بدمستیوں کو یکدم اس طرح روک دیا، جس طرح کوئی اَن سدھے بچھیرے کے گلے میں رسّہ ڈال دے۔ بادشاہ نے تخت پر بیٹھتے ہی چار شادیاں کرنے کی اجازت دے دی اور جلد ہی اس کی مثال بھی قائم کر دی۔ لیکن اس نے یہ ارادہ بھی کر لیا تھا کہ درباری زندگی کے فاسد پہلو کو ایک ہی ضرب میں اِس طرح پاش پاش کیا جائے کہ اس کا نشان تک باقی نہ رہے اور اپنے معمول کے مطابق نتائج سے بے پروا ہو کر اور اپنی رائے میں اٹل رہ کر اس نے کسی مخالفت کو برداشت نہ کیا۔ اس نے آٹوسہ سے شادی کر لی۔ اس کی دو وجوہ تھیں۔ پہلی یہ آٹوسہ فارس بھر میں سب سے زیادہ حسین عورت تھی اور دوسری یہ کہ بادشاہ اسکی

عظیم الشان ذہنی قوتوں کو سمجھ گیا تھا اور اُسے یہ خیال ہو گیا تھا کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق
اِن قوتوں سے اپنے مطلب کے کام لے سکے گا۔ جہاں تک آٹوسہ کا تعلق تھا اُس نے
دارا سے شادی کرنے میں مطلقاً کسی ہچکچاہٹ کا اظہار نہ کیا۔ وہ اپنے پہلے
خاوندوں پر حکومت کرتی رہی تھی اور اس کا خیال تھا کہ وہ دارا کی بیوی ہونے کی
حیثیت سے بھی اپنی مکمل آزادی اور پوری خود مختاری قائم رکھتے ہوئے مخالفتوں
کے باوجود اس پر حکومت کر سکے گی۔ یہ درست ہے کہ دارا سیرس کی سب سے
چھوٹی لڑکی اور آٹوسہ کی سگی بہن آرتستون کو جس کی عمر ابھی پندرہ سال سے زیادہ
نہ تھی دلچسپی سے دیکھتا تھا تاہم اس نے ابھی تک دوسری شادی نہیں کی تھی۔

یہ سب زرتشت کو معلوم تھا اور ملکہ کی اِن باتوں سے جو ابھی ابھی ہوئی تھیں
زرتشت کو معلوم ہو گیا تھا کہ وہ اپنے پرانے دوستانہ تعلقات کا اعادہ کرنا چاہتی ہے
لیکن کل رات کے ہنگامے کے بعد زرتشت نے یہ مضبوط عہد کر لیا تھا کہ وہ صحیح معنی
میں بادشاہ کا سچا خادم اور جانثار مصاحب ثابت ہو گا۔ اُسے یہ بھی خوف تھا کہ
مبادا جلد یا بدیر ملکہ اپنے خاوند کی مخالفت پر مجبور ہو جائے اِس لئے جب ملکہ نے
اِس کے سامنے دوستی کے لئے ہاتھ پھیلایا تو زرتشت نے سرد مہری کا اظہار کیا اور
اس کے ساتھ انتہائی خشک تکلف سے پیش آیا۔ لیکن تصویر کا دوسرا رُخ بھی
اس کے سامنے تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر ملکہ کو اس کے طرزِ عمل پر غصہ آ گیا یا اُسے
یقین ہو گیا کہ وہ حقیقی معنوں میں نہشتہ سے محبت کرتا ہے تو ملکہ اس کے لئے
مخالفتوں کے ایسے پہاڑ کھڑے کر دے گی جن کا مقابلہ کرنا اس کے لئے مشکل ہو جائے گا۔
اُسے معلوم تھا کہ ملکہ جلد از جلد یہ پہچان جائیگی کہ بادشاہ نہشتہ کو پسندیدگی کی نظر سے

دیکھتا ہے، دارا اپنے کسی خیال کو نہ چھپا سکتا تھا وہ کسی خیال کے آتے ہی سوچے سمجھے بغیر اس پر عمل کرنے لگتا۔ اس کی نیت ہمیشہ نیک ہوتی تھی، اس کے خیالات عالی اور شاہانہ ہوتے تھے اور اس کا دل روز روشن کی طرح منور تھا۔ اس لئے اس کے کسی عمل میں نقص نہیں رہتا تھا وہ جو کچھ کرتا تھا ٹھیک کرتا تھا۔ جو اس کے دل میں ہوتا وہی اس کی زبان کہتی اور وہ جلد از جلد اپنے الفاظ کو عمل میں بدل دینے کا عادی تھا۔ وہ جھوٹ کو زہر ہلاہل سے زیادہ خطرناک اور قابل نفرت سمجھتا تھا۔ سمردیس کے محل میں داخل ہونے کے لئے اس نے پہرہ داروں کو کہا تھا کہ وہ سمردیس کو اپنے باپ کا ایک ضروری پیغام پہنچانا چاہتا ہے۔ یہ اس کا پہلا اور آخری جھوٹ تھا اور اس نے اپنے دوستوں کو ــــ اُن چھ شہزادوں کو جو اس کے شریک کار تھے ــــ بڑی وضاحت سے اِس جھوٹ کی توجیہات بتائیں اور ان پر ثابت کر دیا کہ اس نے فارس کو بچانے کے لئے یہ سیاہی اپنے مُنہ پر ڈالی تھی۔ تخت پر بیٹھتے ہی اس نے اپنے وعدوں کے مطابق سلطنت کو بیجا مظالم، مذہبی تعصبات اور سب سے بڑھ کر اُن نقائص سے پاک کر دیا جن کو وہ "جھوٹ" کا نام دیا کرتا تھا جہاں تک گومت سمردیس کے قتل کا تعلق ہے یہ ظاہر ہے کہ یہ حرکت عام انصاف کے تحت عمل میں آئی تھی اور جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ اُس مکار جھوٹے نے کس دھوکے بازیوں اور جعلسازیوں سے سلطنت حاصل کی تھی تو سب کے سب دارا کے ہمنوا بن گئے تھے۔

دارا نے آتوسہ سے سات مہینے کی متاہلانہ زندگی کے متعلق کبھی کوئی سوال نہ کیا تھا جو اس نے اُس مکار کے ساتھ گذارے تھے۔ وہ جانتا تھا کہ آتوسہ کو

اِن دنوں بھی اس کی اصلیت کے متعلق پورا علم تھا لیکن وہ آٹوسہ کی فطرت کو بھی خوب پہچانتا تھا اور اُسے معلوم تھا کہ آٹوسہ ہر حکمران کی ملکہ بننے پر راضی ہو جاتی ہے اور ہر حکمران اسے ملکہ بنانے پر تیار ہو جاتا ہے کیونکہ اس کی ذہنی خوبیاں سلطنت کے کاروبار میں مفید ثابت ہونے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ خود ملکہ نے بھی بادشاہ کو گذرے ہوئے ایام کے متعلق کچھ نہ کہا کیونکہ وہ جانتی تھی کہ دارا جھوٹ کا خوفناک ترین دشمن ہے اور سچ بولنا خود اس کے لئے مضر ہے۔ دارا نے پہلے ہی اُسے صاف لفظوں میں کہہ دیا تھا کہ وہ اُس کی گذشتہ زندگی کو بھول چکا ہے ..... اِس لئے ملکہ اپنی زندگی کے گزشتہ واقعات کے متعلق بالکل متوحش نہ تھی اور اس نے ارادہ کر لیا تھا کہ اگر اس کے خاوند کو کامیابی ہوئی تو وہ دل و جان سے اِس کامیابی میں پورا حصہ لے گی اور اگر اس کے برعکس اسے ناکام ہونا پڑا تو اس کے جانشینوں میں سے کسی ایک کو اپنے لئے منتخب کر کے اپنی مکمل آزادی کو قائم رکھے گی۔

لیکن یہ سب باتیں زرنشت کے مستقبل کو صاف کرنے اور اسکی کامیابی کے لئے زمین تیار کرنے میں کسی طرح بھی ممد و معاون ثابت نہیں ہو سکتی تھیں۔ اُسے ابھی سے ایسا محسوس ہونے لگا تھا کہ نہشتہ اور شاہِ معظم کے معاملے میں اس کی صورتِ حال قابلِ اطمینان نہیں ہے۔ اُسے یہ خوف بھی تھا کہ جلد یا بدیر آٹوسہ کی وجہ سے اُسے بادشاہ کی مخالفت سے دوچار نہ ہونا پڑے یا بادشاہ کا بے پایاں التفات اُسے آٹوسہ کی نظروں میں ذلیل نہ کر دے۔ وہ جانتا تھا کہ ملکہ طبعاً بوالہوس ہے اس کا تصور بے عنان ہے اور وہ اپنی تمناؤں کو پورا کرنے میں ماہر ہے۔

وہ نہشتہ سے فوراً مل کر باتیں کرنا چاہتا تھا — اسے بہت کچھ بتانا چاہتا تھا کہ اُسے بہت سے ممکنات سے متنبہ کردے۔ علاوہ بریں وہ گزشتہ شب کے واقعات اور بادشاہ کا اُسے ملکہ بنا لینے کے فوری ارادے پر مفصل بحث کرنا چاہتا تھا۔

لیکن وہ اپنی متعینہ جگہ سے غیر حاضر نہیں رہ سکتا تھا۔ اُسے یہ حکم ملا تھا کہ وہ ہر صبح مشرقی برآمدے میں بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو اور اُس وقت تک انتظار کرتا رہے جب تک شاہِ معظم باہر تشریف لانا مناسب خیال فرمائیں۔ اُسے معلوم تھا کہ نہشتہ محل کے اس حصے میں آنے کی جرأت نہیں کرسکتی۔ اُسے حیرت تھی کہ شاہِ معظم ابھی تک باہر تشریف نہیں لائے — اور جُوں جُوں سُورج بلند ہوتا گیا اور ستونوں کے سائے برآمدے میں سمٹتے آئے وہ بیقرار ہوتا گیا۔ آخر انتظار سے اُکتا کر وہ اُس کرسی پر بیٹھ گیا جہاں آلوتسہ بیٹھی تھی۔ اس کا ہاتھ خود بخود پہلو میں لٹکی ہوئی تلوار کے دستے پر گر گیا اور آخر ایک مکمل فوجی کی طرح اپنی موجودہ حالت پر مطمئن ہوگیا۔

اِس مکمل تنہائی میں بیٹھے بیٹھے وہ سوچنے لگا۔ منور آسمان کی لامحدود وسعتوں میں اسکی نگاہیں دوڑ گئیں اور یکایک وہ اپنی زندگی، اپنی محبت اور اپنی موجودہ صورت حال سے بے خبر ہو کر اُن مسائل پر غور کرنے لگا جو اس کی طبیعت کے ساتھ خاص مناسبت رکھتے تھے — تاریکی کا پردہ آہستہ آہستہ ہٹتا گیا اور نہشتہ چند لمحوں کیلئے ایک وسیع تر اور روشن تر کائنات کی تجلیوں میں گم ہوگیا۔

(۷)

آٹوسہ زرتشت سے باتیں کرنے کے بعد برآمدے سے گئی تو اس نے پکّا ارادہ کر لیا تھا کہ وہ فوراً ہی واپس چلی آئے گی۔ لیکن سیڑھیوں سے نیچے جاتے وقت ایک اور خیال اس کے ذہن میں پیدا ہوا اور وہ فوراً اُسے عملی جامہ پہنانے پر تُل گئی۔ اِس لئے جب وہ نچلی ڈیوڑھی میں پہنچی تو دربار کے اندرونی حصّوں میں جانے کی بجائے وہ ایک تنگ و تاریک راستے پر چلی گئی جس میں دیواروں کے چھوٹے چھوٹے غرفوں سے روشنی آ رہی تھی۔ اِس چھتے ہوئے راستے میں جانے کے لئے ایک چھوٹا سا دروازہ تھا۔ آٹوسہ نے اندر جا کر یہ دروازہ بند کر دیا اور اسے مضبوطی سے بند رکھنے کی بھی کوشش کی۔ پھر وہ پلٹی اور تیز قدموں سے دُھندلے راستے کو طے کرنے لگی۔ اِس راستے کے دُوسرے کنارے پر ایک چھوٹی سی بل کھاتی ہوئی سیڑھی اوپر تاریک کمروں میں جاتی تھی۔ اوپر کو جانے والی سیڑھیوں پر کچھ دھبّے تھے جو اس دُھندلی روشنی میں غیر نمایاں طور پر نظر آ رہے تھے۔ آٹوسہ نے اپنا لبادہ سمیٹ لیا اور بڑی نزاکت سے پھُونک پھُونک کر قدم رکھتی ہوئی اوپر چڑھنے لگی۔ اس کے حسین خدوخال پر حقارت کے جذبات ظاہر تھے۔ یہ دھبّے کذاب سمرویس آٹوسہ کے

سابق خاوند کے خون سے بنے تھے جو تین مہینے گذرے اسی تاریک مقام میں دارا کے ہاتھوں قتل ہوا تھا۔

ملکہ بڑے محتاط قدموں سے چلتی ہوئی اوپر چڑھ گئی اور آخر ایک چھوٹے سے کمرے میں پہنچ گئی جس میں روشنی کی ہلکی سی رمق چھت کے غرفے میں سے چھن چھن کر آ رہی تھی۔ ملکہ نے بڑے غور سے اپنے کپڑوں کی طرف دیکھا اور اس تھوڑی سی گرد کو جھاڑ دیا جو دیواروں سے اس کے لبادے پر لگ گئی تھی۔ اس نے دو ایک دفعہ تاسف کے عالم میں اپنی پچھلی طرف سیڑھیوں کی طرف دیکھا۔ آخر وہ ایک دروازے پر پہنچ گئی جو ایک برآمدے میں کھلتا تھا۔ یہ برآمدہ اپنی ظاہری شکل و شباہت میں اس برآمدے جیسا ہی تھا جس پر ملکہ ابھی ابھی زرنشت سے ملی تھی۔ البتہ یہ فرق ضرور تھا کہ اس کا فرش اتنا صاف اور چمکدار نہ تھا اور ستونوں کا درمیانہ خلا نصف کے قریب لٹکنے والے گھاس اور بیلوں سے چھپا ہوا تھا۔ فرش پر ایک طرف خوبصورت اور بیش قیمت قالین بچھے ہوئے تھے اور آدھی درجن کے قریب ریشمیں گدّے بے ترتیبی سے ایک دوسرے پر پڑے تھے۔ اس برآمدے پر تین اور دروازے کھلتے تھے جن پر پردے لٹک رہے تھے۔ درمیانہ دروازے کے قریب دو کنیزیں سفید لباس میں ملبوس گھٹنوں کے بل بیٹھیں ایک دوسرے کے ساتھ کانا پھوسی کر رہی تھیں۔

جب آٹوسہ کمرے میں داخل ہوئی تو اس کے ملبوس کی سرسراہٹ اور جوتے کی ایڑیوں کی تیز آواز نے ان کنیزوں کو چونکا دیا اور وہ یکدم سرو قد کھڑی ہو گئیں۔ وہ ملکہ سے ناواقف تھیں تاہم انہوں نے مؤدبانہ جھک جانا ہی مناسب سمجھا۔ ان کی آنکھیں جھک جھک کر لیکن بڑے انہماک سے ملکہ کی ساری جزئیات کو دیکھ رہی تھیں۔

آلوشہ نے ان میں سے ایک کو اپنے قریب آنے کا اشارہ کیا اور جب سیاہ فام لڑکی اس کے قریب آئی تو وہ ایک باوقار انداز سے مسکرانے لگی۔

"تمہاری مالکہ کا نام نہشتہ ہے نا؟" اس نے پوچھا۔ لیکن کنیز ملکہ کی زبان سمجھنے سے قاصر تھی اس لئے وہ بے وقوفوں کی طرح اس کا منہ تکتی رہی "نہشتہ" ملکہ نے مستفسرانہ انداز میں صاف لب و لہجہ سے کہا اور پردے والے کمرے کی طرف اشارہ کیا۔ کنیز نے نام اور سوال کا مطلب سمجھ لیا اور تصور کی سی سرعت کے ساتھ ملکہ کو بے چینی کے عالم میں چھوڑ کر کمرے میں چلی گئی۔ وہ یہودی شہزادی کو بلا کر اس کے ذہن میں یہ خیال پیدا نہیں کرنا چاہتی تھی کہ خود ملکہ اس سے ملنے کی خواہشمند ہے لیکن اب جبکہ وحشی کنیز اندر جا چکی تھی ملکہ کے لئے نتیجے کا انتظار کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا۔

نہشتہ نے بھی ملکہ کی آمد پر باہر نکلنے میں جلدی برتنا مناسب نہ سمجھا اور ملکہ کو برآمدے کا جائزہ لینے اور بیلوں میں سے باہر صبح کی سنہری دھوپ میں نہاتے ہوئے مرغزار اور جنوب کی طرف بہتی ہوئی ندی کو دیکھنے کے لئے کافی وقت مل گیا۔ آخر کمرے کے اندر قدموں کی چاپ سنائی دی اور شہزادی کے لئے پردہ اٹھا دیا گیا۔

گندم گوں نازنین اب کافی آرام کر چکی تھی۔ وہ جب اپنے مہمان کا استقبال کرنے کیلئے باہر نکلی تو اس کے جسم پر لبادہ نہیں تھا۔ ہندوستانی سفید ململ بادل کے شفاف ٹکڑے کی طرح اس کے کالے کالے بالوں کے گرد لپٹی ہوئی تھی اور اس کی گردن کو نصف کے قریب چھپائے ہوئے تھی۔ اس کی کمر میں عنابی رنگ کی زرتار پیٹی تھی جس کے ساتھ ہندوستانی فولاد کا بنا ہوا ایک چھوٹا سا خوبصورت خنجر لٹک رہا تھا جو جواہر نگار میان میں بند تھا۔ اس کی لمبی آستینیں اس کی باہوں پر چڑھی تھیں ان پر زردوزی کا

کام بنا ہوا تھا۔ وہ بڑی مطمئن چال سے آہستہ آہستہ آ رہی تھی اور جب ملکہ اُس سے ملنے کے لئے آگے بڑھی تو اس نے سر کی خفیف جنبش کے ساتھ اس کا استقبال کیا۔ ملکہ مسکرائی اور بڑھ کر نہشتہ کے دونوں ہاتھوں کو تپاک سے اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ نہشتہ پہلے ہی سے آٹوسہ کے ساتھ نفرت کرنے کا ارادہ کر چکی تھی لیکن وہ اُن عورتوں میں سے نہ تھی جو اپنے جذبات کا اظہار کر دیتی ہیں اور پھر اس اظہار پر خود ہی متاسف ہوتی ہیں۔ وہ بھی ملکہ کے سراپا کے ہر پہلو کو بغور دیکھتے ہوئے مسکرانے لگی۔ وہ اُسے بھولی نہ تھی لیکن ملکہ نے اُس سے ملتے وقت ایسی دوستانہ گرمجوشی کا اظہار کیا کہ نہشتہ کو مجبوراً یہ خیال کرنا پڑا کہ ملکہ سرد مہر اور ظالم نہیں ہے اُس نے اپنے معزز مہمان کا ہاتھ پکڑ لیا اور اُسے بڑی عزت و احترام کے ساتھ قالین پر بچھے ہوئے گدّوں پر بٹھا دیا۔

"میں ابھی ابھی تمہارے متعلق باتیں کر رہی تھی میری شہزادی" آٹوسہ نے بڑی بے تکلفی سے بات شروع کی گویا وہ اپنی بڑی ہی ہمراز سہیلی سے مباحثہ خیالات کر رہی ہے۔

نہشتہ بڑی مغرور تھی۔ اُسے ناز تھا کہ وہ بھی ایسے خاندان سے تعلق رکھتی ہے جو جاہ و حشمت میں آٹوسہ سے کسی طرح بھی کم نہیں۔ اس لئے جواب دیتے وقت اس کی گفتگو سے صاف ظاہر تھا کہ وہ اپنے آپ کو ملکہ کے برابر سمجھتی ہے۔ ملکہ یہودی شہزادی کی خود اعتمادی پر دل ہی دل میں مسکراتی رہی۔

"خوب!" نہشتہ بولی۔ "شوشان میں میرے متعلق باتیں کرنے سے کہیں زیادہ دلچسپ موضوع ہوں گے۔ اگر مجھے بھی باتیں کرنے کے لئے کوئی آدمی مل جاتا تو میں ضرور آپ ہی کے متعلق گفتگو کرتی۔"

ملکہ ہلکی آواز میں ہنسی!

"آج صبح باہر آتے وقت مجھے بادشاہ سلامت کے مخصوص کمرے کے سامنے والے برآمدے میں ایک پرانا دوست مل گیا — خوبصورت کپتان زرتشت۔ ہم آپس میں باتیں کرنے لگے۔ وہ پہلے سے بہت زیادہ خوبصورت ہو گیا ہے۔"

ملکہ اپنے طرزِ عمل سے مکمل بے پروائی کا اظہار کر رہی تھی لیکن اس کی آنکھیں نہشتہ کے خدوخال کی ساری جزئیات کا جائزہ لے رہی تھیں۔ لیکن نہشتہ نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

"اس نے ہمارے لئے پوری احتیاط برتی ہے۔ مَیں چاہتی ہوں کہ آج اُس سے مِل کر اُس کا شکریہ ادا کروں۔ مَیں کل رات بڑی تھک گئی تھی اور مجھے خوف ہے کہ وہ مجھے احسان فراموش نہ سمجھ لے۔"

"مردوں کو یہ کہنے کی ضرورت ہی کیا ہے کہ ہم اُن کے ممنون ہیں؟" ملکہ نے جواب دیا۔ "میرے خیال میں شاہِ معظم کے محافظین میں سے کوئی امیر بھی ایسا نہ ہوگا جو تمہاری خدمت میں اپنی جان لڑا دینے پر تیار نہ ہو جائے خواہ تم اُسکی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھو۔"

نہشتہ یہ تعریف سُن کر ہنس دی۔

"آپ حد سے بڑھ کر میری عزت افزائی فرما رہی ہیں" اس نے کہا۔ "کیونکہ دُوسری عورتیں بھی مردوں کے متعلق آپ کے سے خیالات رکھتی ہیں اسی لئے مرد ہمیں احسان فراموش سمجھتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ آپ حالات کو ملکہ کے نقطۂ نظر سے دیکھ رہی ہیں اور مَیں —"

"اور تم ایک حسین شہزادی کے نقطۂ نظر سے دیکھ رہی ہو جس کی پرستش خود

اُس کی ذاتِ خاص کے لئے کی جاتی ہے نہ اِس لئے کہ وہ اپنی رعایا پر انعام واکرام کی بارش کرے گی۔"

"میرا خیال ہے کہ ملکۂ عالیہ اِس وقت بھی اپنی رعایا کے ایک فرد پر بے پایاں التفات فرما رہی ہیں۔" نہشتہ نے دھیمی آواز میں کہا گویا وہ مزید خوشامد پسند نہیں کرتی۔

"تم اُس خوفناک قلعہ کو چھوڑ کر خوش تو بہرحال ہوئی ہوگی" ملکہ نے ہمدردانہ لہجے میں بلند آواز سے کہا۔ "والدِ محترم ہر سال وہاں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ مجھے اُس پریشان کُن سرزمین کی اُن خوفناک پہاڑیوں اور اُن لاتناہی باغوں سے سخت نفرت ہے جن کی ساخت اور شکل و شباہت میں تنوع نام کو بھی نہیں۔ تم یقیناً یہاں آکر بہت خوش ہوئی ہوگی۔"

"آپ کا خیال درست ہے" نہشتہ نے کہا۔ "شوشان ہر دم میری آنکھوں کے سامنے رہتا تھا۔ مجھے اِس عظیم الشان شہر اس کے لوگوں اور اس کے دربار سے کچھ فطری لگاؤ سا ہے۔ مجھے بعض اوقات ایسا معلوم ہونے لگتا تھا کہ میں اکیانتا کی تھکا دینے والی فضا میں رہتے رہتے گھٹ کر مر جاؤں گی۔ وہاں کی سرما تو یقیناً ناقابلِ برداشت ہے۔"

"ہمارے ساتھ محبت کرنا بھی تمہیں سیکھنا ہوگا" آٹوسہ نے بڑے میٹھے لہجے میں کہا۔ "شاہِ معظم کو تمہاری قوم کے ساتھ مکمل ہمدردی ہے اور وہ یقیناً تمہارے لئے کچھ نہ کچھ کریں گے۔ اِس کے علاوہ تمہاری قوم کا کوئی آدمی شاہِ معظم سے یروشلم کے شہر اور اس کے معبد کی تعمیر کے متعلق گفتگو کرنے کے لئے بھی آرہا ہے۔"

"زرابیل" نہشتہ نے جلدی سے پوچھا۔

"ہاں ـــــ کچھ ایسا ہی نام ہے۔ کیا کہا تم نے زیرب۔ ایبل یا زیریب آبیل؟ مَیں تمہاری زبان کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتی۔"

"ان کا نام زراب۔ آبل ہے" نہشتہ نے کہا۔ "مَیں چاہتی ہوں کہ وہ شاہِ معظم کو میری قوم کی بہتری پر تیار کرلیں۔ اگر آپ کے والد زندہ ہوتے تو وہ بہت کچھ کرتے۔"

"شاہِ معظم یہودیوں کے قیام اور ان کی بہتری کے لئے جو کچھ بھی ممکن ہوا بلاشبہ کرینگے" ملکہ نے کہا۔ لیکن پہچاننے والی نظریں جانتی تھیں کہ ملکہ اب زیادہ دیر اس موضوع پر گفتگو کرنا نہیں چاہتی تھی۔ "تمہارا دوست زرتشت" اس نے فوراً کہا۔ "اگر چاہتا تو اِس معاملے میں تمہاری بہت مدد کرسکتا تھا۔"

"نہیں نہیں" نہشتہ نے جواب دیا۔ "وہ ہم میں سے نہیں ہے اور نہ ہی کبھی ہوگا۔ یہ ٹھیک ہے کہ جب آدمی اُس ایسے مضبوط چال چلن کا مالک ہو تو اس کے عقاید اس کی ذات پر اثر انداز نہیں ہوتے تاہم ـــــ"

"یہ مذہب وغیرہ کی اہمیت تو آج تک میری سمجھ میں نہیں آئی" ملکہ نے خوبصورت سفید ہاتھ اپنے لبادے کی سُرخیوں پر پھیلا کر اس کی ملائمت کے احساس میں گم ہوتے ہوئے کہا۔ "جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے مجھے قربانی، نغمہ اور بھجنوں سے عشق سا ہے۔ مَیں سفید کپڑوں میں ملبوس پجاریوں کو دو دو کی قطار میں قربانگاہ کی طرف جاتے ہوئے دیکھنا بہت پسند کرتی ہوں اور پھر جب وہ قربانی کے بیل کو کھینچ کر ایسی حالت میں لٹانے کی کوشش کرتے ہیں کہ سورج اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگے تو بیل اور اِن موٹے موٹے پجاریوں کی کشمکش حقیقت میں دیکھنے کے قابل ہوتی ہے اور

پھر جب سُرخ سُرخ خُون کی ایک چھوٹی سی ندی اُچھل پڑتی ہے تو میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ تم نے کسی قربانی کا منظر دیکھا ہے؟"

"جی ہاں! مجھے یاد ہے۔ مَیں اُس وقت بہت چھوٹی عُمر کی تھی کیمبیس کی ــــ میرا مطلب ہے ــــ شاہِ معظم کی تخت نشینی کے وقت قربانی ہوئی تھی۔ بڑا شاندار منظر تھا۔"

نہشتہ گفتگو کرتے وقت ہچکچانا یا رُکنا نہیں جانتی تھی لیکن جب اُسے کیمبیس کی تخت نشینی کا زمانہ یاد آیا تو فوراً اُس کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ شاید گذشتہ واقعات کی کسی کی بھولی بسری یاد کا اعادہ اس کے پاس بیٹھی ہوئی حیرت انگیز عورت کو برہم کر دے۔ لیکن آٹوسہ کے چہرے پر ملال کا شائبہ تک نہ تھا بلکہ اس کے برعکس پہلے سے کہیں میٹھی مُسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر بکھر گئی۔ البتہ جب اس نے جواب دیا تو اس کی آواز میں ایک پُرحسرت ملال کی آمیزش محسوس ہوتی تھی۔

"شہزادی پیاری! اِن واقعات کا ذکر کرنے سے نہ گھبراؤ مجھے مطلقاً افسوس نہیں ہوتا۔ مجھے ان کے متعلق باتیں کرنے کی عادت سی ہو گئی ہے۔ مجھے وہ منظر خوب یاد ہے جب وہ شاندار جلوس گذرا تھا جس میں سُورج دیوتا کی نذر کی وہ چار گھوڑوں والی رتھ اور قربانی کا وہ دُودھ جیسا سفید گھوڑا شامل تھا۔ مَیں اُس گھوڑے کے لئے بہت روئی تھی ــــ بے زبان بیچارا۔ گھوڑے کی قربانی بڑی ظالمانہ معلوم ہوتی ہے، اس کے بدلے اگر چند حبشی غلام یا کچھ کافر قربان کر دیئے جاتے تو زیادہ اچھا تھا۔"

"مجھے یاد ہے" ملکہ کے اندازِ گفتگو سے نہشتہ کا دماغی بوجھ قدرے ہلکا

ہوگیا تھا۔" اکبا نتا میں بھی کبھی کبھار ایسے جلوس نکلا کرتے تھے لیکن دانیال نے مجھے کبھی انہیں دیکھنے کی اجازت نہ دی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ جب سے شاہِ معظم نے گرمیوں کے زمانے میں وہاں جانا ترک کر دیا ہے اُس وقت سے اکبا نتا بہت بڑی حد تک ویسا نہیں رہا جیسا پہلے تھا۔ اب تو وہ بالکل سنسان سا ہوگیا ہے۔ سارے شہر پر گھوڑوں اور غلّے کے سوداگر چھا گئے ہیں اور یہ لوگ نمک لگی مچھلی لے آتے ہیں جس سے سارے شہر میں بے پناہ تعفن پیدا ہوگیا ہے۔"

آلوتسہ یہ بیان سُن کر نہشتہ کو خوش کرنے کے لئے ہنس دی۔

"میرے زمانے میں" اس نے جواب دیا۔ گھوڑوں کی منڈی چراگاہ میں ہوا کرتی تھی اور ان مچھیروں کو تو شہر سے ایک ایک فرسنگ دُور رکھا جاتا تھا۔ اُس زمانے میں شاہی خاندان کے مشام ذرا نازک ہوا کرتے تھے۔ لیکن اب تو سب کچھ بدل چکا ہے ـــــ یہاں کا سب کچھ! یہاں لاتعداد ـــــ بغاوتیں ـــــ ہوئیں۔ میرا مطلب ہے مذہبی بغاوتیں اور ان بغاوتوں سے ہزاروں انسانوں کا خون ہوا یہاں تک کہ اس شہر کی فضا میں موت کی بدبو پیدا ہوگئی ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ لوگ سُورج دیوتا کے سامنے گھوڑا قربان کرنے یا آرمذا دی کی درگاہ میں بیل چڑھانے یا اتھو پیا کے کسی باشندے کو نابن یا اشتار تھ کے قدموں میں بھینٹ چڑھانے اور اسی قسم کے دُوسرے فضول اور بے معنی سوالوں کو اتنی اہمیت کیوں دیتے ہیں جو ان کے لئے بے اندازہ مصائب پیدا کر دے۔ اور یہ مجھ سی حق بات تو یہ ہے کہ جس طرح میں یونان سے کوئی تعلق نہیں رکھتی اسی طرح یہ لوگ بھی ہندوستانی پنڈتوں سے دُور کا تعلق بھی نہیں رکھتے ان میں سے نصف تو

حبشیوں کی طرح سیاہ فام ہیں ـــــ وہ ہندو ہیں اور ایک عجیب و غریب لب و لہجہ سے پارسی زبان بولتے ہیں۔ وہ لاتعداد دیوتاؤں کو مانتے ہیں اور اپنے بھجنوں میں کہتے ہیں کہ یہ سب دیوتا ایک ہی ہیں۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ قربانی دیتے وقت کسی بوٹی کے دودھیا رنگ کے پانی سے بنی ہوئی شراب اتنی کثرت سے پیو کہ تن بدن کی سُدھ نہ رہے۔ اِس لئے ان کی یہ قربانی بھی بڑی حقارت انگیز ہوتی ہے۔ شاہِ معظم نے تو اپنی حکومت کے آغاز ہی میں یہ اعلان فرما دیا تھا کہ اگر یہ لوگ اپنے دیوتاؤں کے سامنے قربانی کرنا چاہیں تو کرلیں لیکن ایسا کرتے وقت انہیں کوئی نہ دیکھے۔ اور اگر وہ نشہ پینا چاہیں تو جس وقت اور جہاں چاہیں پی سکتے ہیں۔ لیکن اگر ان لوگوں نے یہ دونوں چیزیں اعلانیہ طور پر اختیار کیں تو وہ پارس کے مجوسیوں کے بچے بچے کو صلیب پر کھنچوا دیں گے۔ ان کی منطق بڑی پُر لطف ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ شرابی قدرتی طور پر سچ بولتا ہے اور جو شخص جھوٹے دیوتاؤں کے سامنے قربانی کرتا ہے وہ یقیناً جھوٹ بکتا ہے اِس لئے جو شخص شراب بھی پیتا ہے اور جھوٹے دیوتاؤں کے سامنے قربانی بھی چڑھاتا ہے وہ ایک ہی وقت میں سچ بولنے اور جھوٹ بولنے کا مرتکب ہوتا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ انسانیت کی بھلائی کے لئے ایسے شخص کو فوراً صفحۂ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹا دینا چاہیئے۔"

نہشتہ نے مُلک کی مذہبی بے چینی کا ذکر کہیں کہیں سے سُنا اور مجوسیوں کے متعلق دارا کے اِس عجیب و غریب استدلال پر ہنس پڑی۔ لیکن وہ دل ہی دل میں زرتشت سے ملنے کے لئے بیتاب تھی اور اپنے شاہی مہمان کے ساتھ

باتیں کرتے کرتے اُکتا گئی تھی۔ آخر بات کو کچھ بدلنے کے لئے اس نے تالی بجائی اور جب اس کے بُلانے پر کنیزیں حاضر ہو گئیں تو اس نے انہیں کچھ مٹھائی اور کچلے ہوئے پھلوں سے بنا ہوا برفانی شربت لانے کو کہا۔

"تم شکار کرنا پسند کرتی ہو" آٹوسہ نے سفید انجیر کا دانہ بڑی نزاکت سے اُٹھاتے ہوئے کہا۔

"مجھے شکار کھیلنے کی اجازت کبھی نہیں ملی" نہشتہ نے جواب دیا۔ "علاوہ ازیں اِس سے آدمی تھک جاتا ہوگا۔"

"مجھے اس میں بڑا لُطف آتا ہے ـــــ انجیر کا مُربّہ آجکل ویسا نہیں ملتا جیسا کہ پہلے ملا کرتا تھا ـــــ آجکل ایک نیا مربّہ ساز آیا ہوا ہے۔ دارا کا خیال تھا کہ پُرانا مربّہ ساز جھوٹ کو اعتقاداً جائز سمجھتا تھا ـــــ اس کا یہ نتیجہ ہوا ـــــ مربّے یا پیسٹری بنانا مجوسیوں پر ختم ہے۔ مجھے تو شکار کا خبط ہے۔ لیکن شکار کے لئے یہاں سے بہت دُور صحرا میں جانا پڑتا ہے اور سب سے بڑھ کر شکار کے لئے شیروں کی بھی کمی ہے۔ اس کے علاوہ وہ لوگ جو واقعی شکار کر سکتے ہیں اپنے بھائی بندوں کے شکار کرنے میں مصروف کر دیئے گئے ہیں۔"

"شاہِ معظم کو بھی شکار کا شوق ہے؟" نہشتہ نے جو گدّے پر دونوں کہنیاں ٹیکے سبزی مائل عقیق کے پیالے سے شربت کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ پی رہی تھی پُوچھا!

"جب انہیں موقع ملے! ـــــ وہ تمہارے ساتھ باتیں کرتے وقت اور کسی چیز کا ذکر ....."

"یقیناً" نہشتہ نے معصومانہ انداز میں بات کاٹ کر کہا۔ "میری اِس سے زیادہ

اور کیا عزت افزائی ہو سکتی ہے کہ خود شاہِ معظم میرے ساتھ گفتگو فرمائیں"۔
آٹوسہ نے اپنی نیلی آنکھیں اُٹھا کر تعجب سے گندم گوں شہزادی کی طرف دیکھا۔ اُسے گزشتہ شب کے عجیب و غریب واقعہ کا مطلق علم نہ تھا البتہ اتنا جانتی تھی کہ بادشاہ نے شہزادی کو چند لمحوں کے لئے دیکھا ہوگا۔ لیکن وہ دارا کے کردار سے پوری طرح واقف تھی۔ اور اس کا خیال تھا کہ بادشاہ کے بے تکلف انداز اور سیدھی سادی باتوں سے نہشتہ بادشاہ کی اصل طبیعت سے واقف ہو گئی ہوگی۔ اس لئے اُس کے دماغ میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ شہزادی اُسے دھوکا دے رہی ہے۔ اس کے ہونٹوں پر ایک ایسی مُسکراہٹ کھیل گئی جس میں افسردگی کا غلبہ تھا اور اس مُسکراہٹ نے اس کے حُسن میں بلا کی جاذبیت بھر دی۔
"ہاں! شاہِ معظم درباری خواتین پر خاص عنایت فرماتے ہیں" اس نے کہا۔ "تم اتنی حسین اور ان درباری عورتوں سے اتنی مختلف ہو کہ وہ آج رات کھانے کے بعد تمہارے ساتھ گھنٹوں باتیں کرینگے ـــــ جب وہ شراب کے نشے میں چُور ہوں گے"
آخری فقرہ خاص طور پر میٹھے اور دل میں اُتر جانے والے انداز میں کہا گیا۔
نہشتہ کا چہرہ قدرے سُرخی مائل ہو گیا۔ اور اس نے جواب دینے سے پہلے شربت کا معمول سے لمبا گھونٹ بھرا۔ پھر ملکہ کے حسین چہرے کو محبت بھری نظروں سے دیکھتے اس نے ملال انگیز لہجے میں کہا۔
"کیا ایک آدمی رات کی تاریکیوں کو اُبھرتے ہوئے سُورج کی تابناکیوں پر ترجیح دیگا یا کیا کوئی کنول کے خوبصورت پھولوں کو چھوڑ کر میدان کے خودرو پھولوں پر توجہ کرے گا"

"تمہیں ہماری زبان کے شعر اُسے بھی دلچسپی ہے؟" آتوسہ نے تعریف کے اِس پیارے انداز پر خوش ہوتے ہوئے کہا۔

لیکن اُس کی آنکھیں اُسی تعجب سے نہشتہ کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ اِس یہودی شہزادی کے خدوخال سے غرور کی حد تک بڑھی ہوئی خود اعتمادی مترشح تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی نے ملکہ کی وہ صفت جو اس کے لئے مخصوص تھی اُس سے چھین کر اپنے اندر پیدا کر لی ہے اور اُسی کی آنکھوں کے سامنے اس کا اظہار ہو رہا ہے لیکن نہشتہ اور ملکہ کے غرور میں ایک امتیازی فرق نظر آتا تھا۔ ملکہ کی ہر حرکت مطمئن اور فطری معلوم ہوتی تھی اور نہشتہ کی بناوٹی۔ یہاں تک کہ خود نہشتہ محسوس کر رہی تھی کہ اس کا یہ طرزِ عمل ضرورت کے وقت قائم نہ رہ سکے گا۔

"تمہیں ہماری زبان کے شعر اُسے بھی دلچسپی ہے؟" ملکہ نے دوبارہ کہا۔ اس وقت وہ ہنس رہی تھی۔ "مجھے خوف ہے کہ بادشاہ باتیں کرتے کرتے تمہارا دماغ چاٹ لے گا ــــ اُسے شعر و شاعری کا جنون ہے۔ اور مجھے یہ کہنے میں بھی تامل نہیں کہ اکبا نتا میں جاڑے کی کالی کالی راتوں میں زرتشت نے تمہیں ہزاروں شعر سُنائے ہوں گے۔ جب وہ نوجوان چھوکرا تھا اُس وقت اُسے بیشمار شعر یاد تھے۔"

اِس دفعہ نہشتہ نے تعجب سے ملکہ کا چہرہ دیکھا۔ اُسے حیرت تھی کہ ملکہ جو تیسرے خاوند سے شادی کرنے کے باوجود بائیس[۲۲] یا تیئیس[۲۳] سال سے زیادہ نہ تھی، کس طرح زرتشت سے بچپن کے متعلق باتیں کر سکتی ہے جو اب تین سال سے بھی متجاوز ہو گیا ہے۔ اس نے ملکہ پر سوال کر دیا۔

"آپ نے زرتشت کو شوشان سے جانے سے پہلے بہت دفعہ دیکھا ہوگا۔"
اس نے پوچھا۔ "آپ تو اس کی رگ رگ سے واقف ہیں۔"
"ہاں ــــ اُسے سب جانتے ہیں ــ وہ خوبصورت تھا، بہادر تھا اور اُسے اُس بوڑھے ــــ اُس بوڑھے یہودی نبی کے ساتھ ایک عجیب قسم کی محبت تھی۔ اِس لئے وہ سارے دربار میں عزّت و احترام کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔ کیمبیس نے اسی وجہ سے اُن دونوں کو اکٹھا بھیج دیا تھا۔" اس نے قدرے ہنستے ہوئے کہا۔ "وہ دونوں ایسے اچھے تھے کہ اُس زمانے میں یہاں رہ ہی نہیں سکتے تھے۔"
آٹوسہ اتنی بیباکی سے کیمبیس کا ذکر کر جاتی تھی کہ نہشتہ انگشت بدنداں ہوگئی۔ اُسے حیرت تھی کہ وہ ثمردیس کے متعلق ایسی ہی بے تکلفی سے باتیں کرنے پر رضامند کی جاسکتی ہے یا نہیں۔ وہ گذشتہ واقعات سے ایسی بے پروائی کا اظہار کر رہی تھی جس سے یہ امر قرینِ قیاس معلوم ہوتا تھا کہ وہ متوفی مکار کے متعلق حقارت آمیز باتیں کریں گی۔
"میرا خیال ہے کہ دربار کی حالت پہلے سے بہت زیادہ بدل چکی ہے ــــ اِس گذشتہ سال میں۔" نہشتہ بے توجہی سے بات کا آغاز کیا۔ اس نے خشک خوشے سے کشمکش کا ایک دانہ توڑا اور اُسے اپنی نازک اُنگلیوں سے چھیلنے کی کوشش کرنے لگی۔
"ہاں بہت سی تبدیلیاں ہوئی ہیں" آٹوسہ نے مطمئن لہجے میں جواب دیا۔ بہت سی باتیں جو یہاں رائج تھیں اب ان کا نام بھی سُننے میں نہیں آتا۔ مجموعی طور پر دُوسرے تغیرات کے بین بین مذہبیات میں بڑی بڑی تبدیلیاں ہوئی ہیں۔ تمہیں حیرت ہوگی کہ ایک سال تو دربار میں تین مختلف مذہب تھے۔ کیمبیس استار تھ کو

بھینٹ چڑھاتا تھا ــــ اور مجھے یہ کہنا پڑتا ہے کہ اس کا انتخاب موزوں تر تھا۔ سمر دیس" ملکہ نے نپے تلے الفاظ میں بڑے مطمئن لہجے میں کہا۔ "سمر دیس اندر کی پرستش کرتا تھا اور یہ دیوتا بھی کافی اچھا معلوم ہوتا ہے۔ اور موجودہ شاہِ معظم آرمنداد کی طفیل دُنیا پر حکمرانی فرماتے ہیں۔ جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے میں ہمیشہ یہودی تصوّر کے مطابق توحیدِ الٰہی کی قایل رہی ہوں ــــ شاید یہ تخیّل آرمنداد عقلِ کُل سے بہت مِلتا جُلتا ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے؟"

جس پُر لطف طریقے سے ملکہ نے بات کا موضوع بدل کر گفتگو کو پھر مذہبیات پر مرتکز کر دیا تھا نہشتہ کو متبسم کر گیا۔ لیکن اُسے خوف تھا کہ اگر اس نے اس معاملے میں زیادہ دلچسپی کا اظہار کیا تو بُت پرستی کی خوبیاں، انسانی قُربانی اور حیوانیت کے متعلق ایک طویل تقریر کا آغاز ہو جائیگا اس لئے اس نے ظاہری بے التفاتی سے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ ایسا ہی ہے کیونکہ زرتشت بھی یہی کہا کرتا تھا اور یہی وہ نکتہ تھا جس کی بنا پر دانیال اُسے کبھی بھی معاف نہیں کر سکے۔ ان بیلوں سے ہو کر دھوپ آپ کے سر پر پڑنے لگی ہے۔ اُس طرف سائے میں گدّے نہ بچھوالیں؟" اس نے تالی بجائی اور خود آہستہ سے اُٹھ کر اپنا ہاتھ آتوسہ کی طرف بڑھایا۔ لیکن ملکہ بڑے سبک انداز سے اُچھل کر کھڑی ہو گئی۔

"میں بہت دیر تک یہاں بیٹھی رہی ہوں" اس نے کہا۔ "میرے ساتھ چلو شہزادی! دُوسری طرف سنگتروں کے باغ میں چلیں شاید" اس نے اپنے لبادے کی چنٹیں درست کرتے ہوئے کہا۔ "شاید وہاں زرتشت مِل جائے یا شہزادوں میں سے کوئی یا شاید خود شاہِ معظم! یا شاید تم میرے رہنے کا کمرہ دیکھ کر خوش ہو؟"

نہشتہ کی کنیزیں اس کا لبادہ لے آئیں اور ان میں سے ایک ململ کا تاج بھی لے آئی تاکہ سر پر لپٹی ہوئی باریک ململ کی جگہ یہ خوبصورت تاج سر کی زینت بنے۔ لیکن آٹوسہ اس تبدیلی کو کسی طرح بھی پسند نہیں کرتی تھی۔

"یہ بہت خوبصورت ہے" اس نے کہا۔ "اس لئے تم کچھ اور مت پہنو۔"

اس نے محبت سے نہشتہ کی کمر میں بانہیں ڈال دیں اور اُسے اندرونی سیڑھیوں کی طرف لے چلی۔ وہ چند قدم چل کر یکایک رُک گئی گویا اُسے کسی چیز کا خیال آگیا ہے۔

"نہیں نہیں!" اس نے کہا۔ "میں تمہیں وہ راستہ دکھاتی ہوں جہاں سے میں آئی تھی۔ یہ چھوٹا راستہ ہے اور تمہیں اس کے متعلق جاننا چاہئے۔ شاید کبھی ضرورت آن پڑے۔"

اس طرح یہ دونوں برآمدے کو چھوڑ کر اُس چھوٹے دروازے سے گذر گئیں جس کا زیادہ تر حصہ ستونوں کے سائے میں آکر چھپ گیا تھا اور تنگ و تاریک سیڑھیوں پر سے اُترنے لگیں۔ نہشتہ ہر قسم کی جسمانی تکلیف سے متنفر تھی اور وہ دل ہی دل میں چاہتی تھی کہ کاش! ملکہ اپنا خیال نہ بدلتیں اور اُسے کسی آسان راستے پر چلنا پڑتا۔

"کچھ ایسا دُور نہیں ہے" آٹوسہ نے اس کے آگے آگے تیزی سے اُترتے ہوئے کہا۔

"لیکن یہ خوفناک حد تک ڈھلوان ہے" نہشتہ نے معترضانہ انداز میں کہا۔ "مجھے تو راستہ دکھائی ہی نہیں دیتا۔ کتنی سیڑھیاں اور باقی ہیں؟"

"بارہ چودہ کے قریب اور ہیں" ملکہ کی آواز نیچے کافی فاصلے پر سنائی دی۔ وہ بڑی تیزی سے اُترتی معلوم ہوتی تھی لیکن نہشتہ کو ایسی جلدی نہ تھی۔ وہ آہستہ آہستہ اندھیرے میں ٹٹول ٹٹول کر قدم دھرتی ہوئی اُتر رہی تھی۔

جب وہ بَل کھاتی ہوئی سیڑھیوں کے آخری موڑ پر چھوٹے سے غرفے کے قریب پہنچی تو اس کے کان میں بلند آوازیں آئیں جو اندر راستے میں سے سُنائی دیتی تھیں۔ اُس احتیاط کے زیرِ اثر جو یہودی قوم کے لئے مخصوص ہے وہ رُک گئی اور سُننے لگی۔ کسی غضبناک مرد کی کرخت و بلند آواز باقی ساری آوازوں پر حاوی معلوم ہوتی تھی۔

(۸)

زرتشت ایک گھنٹے کے قریب بیٹھا رہا۔ اس کی آنکھیں نیلگوں آسمان کی وسعتوں کا جائزہ لیتی رہیں اور اس کا ذہن اس دُنیا کی چیزوں سے بہت زیادہ عظیم اور حقیقی چیزوں کے متعلق غور کرتا رہا۔ یہاں تک کہ مصلح فوجیوں کے نپے تلے قدموں نے اُسے چونکا دیا۔ وہ ہاتھ میں خود لئے دفعتہً اُٹھ کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ فوجی زندگی کی عادت نے اُسے یکلخت حقائق کی دُنیا میں کھینچ لیا۔ ایک لمحے میں وہی بھاری پردہ جس کی طرف سے آٹوسہ دو گھنٹے قبل برآمد ہوئی تھی ایک طرف ہٹایا گیا اور نیزہ برداروں کی دو قطاریں نکل کر دائیں بائیں کھڑی ہو گئیں۔ ایک لمحے کے بعد خود بادشاہ سلامت سر پر پروں والا خود رکھے جسم کو زرہ بکتر سے مزین کئے تشریف لائے۔ آج وہ خلاف معمول اکیلے تھے اور ان کا بایاں ہاتھ تلوار کے دستے پر تھا۔ جب وہ فوجیوں کی قطار کے درمیان آئے تو اُن کی چال قدرے دھیمی پڑ گئی اور ان کی کالی گہری آنکھیں ہر ایک نیزہ بردار کے سراپا کا جائزہ لیتی ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔ بادشاہ کو تخت نشین ہوئے ابھی زیادہ دن نہ گذرے تھے، اس لئے وہ چار آئین اور رسم و رواج کی جگہ لبادہ یا خود کی جگہ تاج وغیرہ پہننے سے

ہمیشہ احتراز فرماتے تھے۔ آپ کی چال ڈھال اور حرکات و سکنات میں سپاہیانہ عنصر غالب تھا اور آپ کے چہرے سے فاتحانہ جلال مترشح تھا۔

جب بادشاہ زرتشت کے قریب آئے تو زرتشت ایک دو قدم آگے بڑھ کر پرانے دستور کے مطابق بادشاہ کے قدموں میں سجدہ ریز ہونے کے لئے سیدھا کھڑا ہو گیا۔ لیکن دارا نے اسے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا اور چہرے کو تھوڑا سا گھما کر محافظین کے دستے کو واپس لوٹ جانے کا اشارہ کیا۔ دستہ یہ اشارہ پاتے ہی الٹا گھوما اور اسی پردے کے پیچھے غائب ہو گیا۔

"مابدولت یہ پرتکلف دستور پسند نہیں فرماتے" بادشاہ نے فرمایا۔ "ہاتھوں کو ہونٹوں اور ماتھے تک لیجا کر سادہ سلام کر دینا ہی بہت کافی ہے۔ جتنا وقت لوگوں کو دن میں بیس مرتبہ میرے قدموں پر جھکنے اور پھر سیدھا کھڑے ہونے میں صرف ہوتا ہے اتنے وقت میں ایک بہت بڑی لڑائی فتح کی جا سکتی ہے"

کیونکہ بادشاہ کی گفتگو میں استفسار کا اشتباہ نہ تھا اس لئے زرتشت احکامی انتظار میں خاموش کھڑا رہا۔ دارا برآمدے کے ایک طرف گیا اور وہاں کافی دیر تک دھوپ میں کھڑا ہو کر باہر دیکھتا رہا پھر پلٹا۔

"آج شہر میں خاموشی سی معلوم ہوتی ہے" اس نے کہا۔ "زرتشت، ملکہ کب تک تمہارے پاس کھڑی باتیں کرتی رہی تھیں؟"

"ملکہ غلام سے آدھ گھنٹے تک گفتگو فرماتی رہی تھیں" باوجودیکہ زرتشت دفعتہً ایسا سوال سنکر گھبرا سا گیا تھا تاہم اس نے ہچکچائے بغیر جواب دیا۔

"وہ تمہاری شہزادی سے ملنے گئی ہے" دارا نے کہا۔

"ملکہ نے فرمایا تھا کہ نہشتہ سے ملنے کا ابھی وقت نہیں ہے" فوجی نوجوان نے کہا۔

"بہرحال وہ اُسی سے ملنے کو گئی ہیں"۔ بادشاہ نے زور دیا۔ "یہ تو ایک موٹی بات ہے کہ جب دُنیا کی حسین ترین عورت کے کان میں یہ بھنک پڑ جائے کہ ایک اور عورت خوبصورتی کے لحاظ سے اُس سے بھی بڑھ چڑھ کر ہے تو وہ اُس سے فوراً ملے گی"۔ اس نے زرتشت کو تیز نگاہوں سے دیکھا اور گھنی داڑھی کے باوجود مُسکراہٹ کی لہر اس کے ہونٹوں پر نمایاں طور پر نظر آنے لگی۔ "آؤ"۔ اس نے کہا۔ "اب وہ دونوں اکٹھی ہی ملیں گی"۔

بادشاہ آگے آگے چل پڑا اور زرتشت بڑی متانت سے اس کے پیچھے ہو لیا۔ یہ دونوں اُنہیں سیڑھیوں پر پہنچے جہاں سے ملکہ ابھی ابھی گذر کر گئی تھی اور سیڑھیاں طے کرنے کے بعد اُسی دروازے کے سامنے جا کھڑے ہوئے جس کو جاتے وقت ملکہ نے بڑی دِقت سے بند کیا تھا۔ بادشاہ نے اپنے سارے جسم کا زور لگا کر اُسے کھولنا چاہا لیکن دروازہ نہ کھُلا۔

"زرتشت! تم مجھ سے بہت زیادہ قوی ہو"۔ اس نے ایک گہری ہنسی ہنس کر کہا۔ "دروازہ کھولو"۔

نوجوان فوجی نے دروازے کے کواڑوں کو پوری قوت سے دھکیلا اور اُسے ایسا معلوم ہوا کہ ایک پٹ کچھ ہِلا ہے۔ پھر ایک قدم پیچھے ہٹ کر اس نے مٹھی بھینچی اور اپنی پوری طاقت سے دروازے پر ضرب لگائی پھر دوسری، اور پٹ ٹوٹ گیا۔ اب اس نے بآسانی ہاتھ اندر بڑھا کر کُنڈی اُتار دی اور دروازہ کھُل گیا۔ اس کے

ہاتھ سے خون بہنے لگا۔

"بہت خوب!" دارا نے دروازے میں گھستے ہوئے کہا۔

اس کی تیز نگاہوں نے دھندلے راستے کے کونے میں پڑی ہوئی سفید رنگ کی چیز دیکھ لی۔ بادشاہ نے جھک کر اسے اٹھا لیا۔ یہ وہی لپٹا ہوا سربمہر کاغذ تھا جو ملکہ نے دروازہ بند کرتے وقت زمین پر رکھ دیا تھا۔ دارا اس کاغذ کو لئے ہوئے سیڑھیوں میں لگی ہوئی چھوٹی سی تنگ کھڑکی کی طرف گیا پہلے اسے غور سے دیکھا اور پھر اس کی مہر توڑ دی۔ زرتشت قریب کھڑا زخمی کلائی پر سے خون پونچھ رہا تھا۔

کاغذ کے مندرجات نہایت مختصر تھے۔ اور یہ مادیا کے صوبہ اکباتنا کے کسی باشندے فروروتس کی طرف لکھا گیا تھا۔ اس میں یہ خبر درج تھی کہ شاہِ معظم نے اسیریا کی بغاوت کو دو زبردست لڑائیوں کے بعد فرو کر دیا ہے اور فاتح واپس تشریف لائے ہیں۔ اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ وہی فروروتس فوراً ملکہ عالیہ سے متعلق تمام اطلاعات بہم پہنچائے اور اس وقت تک کچھ نہ کرے جب تک اسے مزید احکام نہ پہنچیں۔

بادشاہ ایک لمحے کے لئے گہری سوچ میں مبتلا ہو گئے۔ پھر وہ آہستہ آہستہ کھلے ہوئے کاغذ کو ہاتھ میں پکڑے برآمدے سے نیچے اترنے لگے۔ عین اسی وقت آتوسہ تاریک سیڑھیوں سے نیچے اتر آئی اور جب وہ یکدم خود شاہِ معظم کے بالمقابل ہوئی تو حیرت کی ایک ہلکی سی چیخ اس کے ہونٹوں سے نکل گئی۔

"باتیں کرنے کے لئے بہترین موقع ہے" دارا نے مطمئن لہجے میں کہا۔ "کوئی تیسرا

ہماری بات نہیں سُن سکتا اِس لئے فوراً سچی بات بتا دو۔" اس نے کاغذ اسکی آنکھوں کے قریب بڑھا دیا۔

آلوٹسہ کی حاضر جوابی اس وقت آڑے آئی۔ گو وہ جانتی تھی کہ اس کی زندگی کا دار و مدار اس کے الفاظ پر ہے پھر بھی وہ مطمئن رہی اور اس کا چہرہ مطلقاً متغیر نہیں ہوا۔ وہ جواب دیتے وقت قدرے ہنس پڑی۔

"مَیں آج صبح نیچے اُتری ....."

"تاکہ دُنیا کی حسین ترین عورت کے دیدار سے فیضیاب ہو۔" دارا نے بلند آواز سے کہا۔ "تم اُس سے مِل لی ہو۔ مجھے یہ سُن کر بہت خوشی ہوئی ہے۔ لیکن تم نے راستے کا دروازہ کیوں بند کر دیا تھا؟"

"کیونکہ دربار کے بہت سے لوگ اس راستے سے آشنا ہیں اور یہ مناسب نہ تھا کہ ایک عورت کے کمرے میں جانے والا راستہ ہر کہ و مہ کے لئے کھلا رہے۔" اس نے برجستہ جواب دیا۔

"اس طرف جاتی دفعہ تم یہ کاغذ لئے جا رہی تھیں؟" دارا نے پُوچھا۔ اُسے اب شک پیدا ہو چلا تھا کہ دال میں کچھ کالا کالا ہے

"اکبا نتا کو بھیجنا تھا" ملکہ نے مکمل معصومیت سے جواب دیا۔

"یہ فرورتس کون ہے؟"

"والدِ محترم نے اکبا نتا میں جو جائداد میرے نام کر رکھی ہے یہ شخص اُس کا والی ہے مَیں نے اُسے شاہِ معظم کی فتوحات کے متعلق لکھا تھا اور یہ لکھا تھا کہ وہ میرے متعلق جو معلومات رکھتا ہے مجھ تک پہنچا دے اور یہ کہ اُس وقت تک کوئی مزید کارروائی

نہ کرے جب تک میں خود اُسے حکم نہ دوں؟"

"کیوں؟"

"کیونکہ میرا خیال تھا کہ شاہِ معظم موسمِ گرما میں اکباتانا میں رہائش اختیار فرمائینگے۔ اِس صورت میں خود موقعہ پر پہنچ کر سب کچھ کر سکتی تھی۔ دروازے کی کنڈی چڑھانے کے لئے مجھے دونوں ہاتھوں کی ضرورت تھی اس لئے یہ کاغذ یہیں پڑا رہ گیا اب مَیں اِسے لینے کے لئے واپس آ رہی تھی۔"

بادشاہ نے اپنی بیوی کے خوبصورت چہرے کو غور سے دیکھا۔

"بظاہر ایسی معلوم ہوتا ہے کہ تم سچ کہہ رہی ہو۔" اس نے دھیمی آواز میں کہا۔ "لیکن تمہاری سچّی باتوں سے مطلب اخذ کرنے میں ہمیشہ آسانی ہوتی ہے میں اکثر سوچتا ہوں کہ تمہارا اگلا گھونٹ دینا ہی زیادہ دانشمندی ہے۔ تمہارا خیال ہے کہ نہشتہ بھی یہیں کہیں ہے؟ تو اُسے بلاؤ۔ وہ رُک کیوں گئی؟"

حقیقت یہ ہے کہ جب نہشتہ نے سیڑھیوں پر جُھک کر یہ ساری باتیں سُنیں تو وہ سر سے پاؤں تک کانپ اُٹھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اِسی جگہ پر کھڑا رہنا مستحسن ہے یا اوپر بھاگ جانا۔ ملکہ نے بلند آواز سے نہشتہ کا نام پکارا لیکن نہشتہ نے خاموش رہنا ہی مناسب سمجھا اور دبے پاؤں اوپر چڑھ گئی۔

"شاہِ معظم خود اوپر تشریف لیجا کر اُس سے مل سکتے ہیں۔" آتوسہ نے مغرورانہ لہجے میں کہا۔ "اگر حضورِ مکرم کو شک ہے۔"

وہ راستہ سے پرے ہٹ کر کھڑی ہو گئی لیکن بادشاہ نے زرتشت کو جانے کا اشارہ کیا۔ زرتشت کچھ فاصلہ چھوڑ کر ایک طرف کھڑا بادلِ ناخواستہ

بادشاہ اور ملکہ کی اِس چقلش کو دیکھ رہا تھا۔ لیکن جب وہ بادشاہ کے حکم کی تعمیل کرنے کے لئے ملکہ کے قریب سے ہوکر گذرا تو ملکہ کی آنکھوں میں وہ پہلی سی بے پروائی نہ تھی بلکہ اب وہ آنکھیں اِس مشکل وقت میں مدد کی التجا کرتی ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔ وہ اندھیرے کے باوجود بڑی تیزی سے سیڑھیوں پر چڑھ گیا۔ نہشتہ کھڑکی سے لگی کھڑی تھی۔ اُسے کسی طرح بھی یہ توقع نہ تھی کہ خود زرتشت اُسے بُلانے کے لئے اِدھر آئیگا۔ اِس لئے جب اُس نے زرتشت کو دیکھا تو حیران رہ گئی لیکن زرتشت نے لپک کر اُسے اپنے سینے سے لگالیا اور اس کے حسین رُخساروں پر محبت بھرے بوسے ثبت کر دیئے۔

"جلدی چلو میری زندگی!" اس نے کہا۔ "بادشاہ تمہارا انتظار کر رہے ہیں"۔

"مَیں نے اُن کی آواز سُن لی تھی اور پھر مَیں ـــــ بھاگ آئی"۔ اس نے جلدی سے کہا اور پھر جب وہ سیڑھیوں پر سے اُترنے لگے تو وہ بولی۔ "مجھے اُس عورت سے سخت نفرت ہے ـــــ مَیں جانتی تھی کہ ایسا ہوگا"۔ اس نے زرتشت کے کندھوں پر سہارا لیکر اُترتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا۔

آخر وہ برآمدے میں پہنچ گئے۔ جہاں دارا ان کا انتظار کر رہا تھا۔ ملکہ وہاں نہ تھی اور راستے کے دُوسرے سرے کا دروازہ چوپٹ کھلا پڑا تھا۔ بادشاہ کا چہرہ بالکل مطمئن تھا گویا کچھ ہُوا ہی نہیں۔ لیکن کھُلا ہُوا خط ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھا۔ جب نہشتہ آداب بجالانے کے لئے قدرے جُھکی تو اُس نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا لیکن فوراً بعد ہی چھوڑ دیا۔ اس کے باوجود نہشتہ کے ہاتھ کے لمس نے اس کی رگ میں بجلیاں سی بھر دی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں شعلے لپکنے لگے اور

اس کی مچھلیاں پھڑک اُٹھیں۔

"تم راستہ بھول گئی تھیں شاید" اس نے کہا "محل بہت وسیع ہے اور اس میں بے شمار راستے ہیں۔ میرے ساتھ چلو میں تمہیں باغ تک پہنچا دیتا ہوں۔ وہاں تمہیں سہیلیاں بھی مل جائیں گی اور ملکہ کی خواصیں بھی ہونگی۔ تمہارا وقت آرام سے کٹ جائیگا۔ شوشان کے حسن سے لطف اُٹھاؤ اور اگر کسی چیز کی ضرورت محسوس ہو تو فوراً ہمیں اطلاع دو ہم اُسے پورا کریں گے۔"

نہشتہ نے اظہارِ تشکر کے طور پر سر جھکا دیا۔ وہ نصف گھنٹے کے لئے مکمل تنہائی میں زرتشت سے ملنا چاہتی تھی۔ یہی ایک خواہش اس کے دل میں تھی اور اسی کا پورا ہونا محال نظر آتا تھا۔

"شاہِ معظم کی مرضی ہی باندی کے لئے سرمایۂ مسرت ہے" اس نے جواب دیا۔ اور وہ بادشاہ کے ساتھ کھلے ہوئے دروازے میں سے گزر کر باغ کی طرف ہو لئے۔ باغ کے دروازے پر چند کنیزیں ملیں اور بادشاہ نے نہشتہ کو ان کے سپرد کرتے ہوئے انہیں حکم دیا کہ وہ نہشتہ کو باآرام باغ کے اُس حصے میں پہنچا دیں جہاں دربار کی معزز خواتین تفریح کرتی ہیں۔ زرتشت کو معلوم تھا کہ شاہی محلات میں آنے جانے کی آزادی ہونے کے باوجود وہ اُس باغ میں قدم رکھنے کی جرأت نہیں کر سکتا جو معزز درباری خواتین کے لئے مخصوص ہے۔ وہاں غلاموں اور محافظوں کی صوت سے متنفر تھا اور کسی طرح بھی پسند نہیں کرتا تھا کہ وہ چوبیس گھنٹے محافظوں میں گھرا رہے اس لئے اس کا مخصوص کمرہ اور کمرے کا بیرونی برآمدہ عام طور پر محافظین وغیرہ سے خالی رہتے تھے۔ صرف چند بہادر نیزہ بردار صدر دروازوں پر متعین کئے

گئے تھے۔ لیکن محل کے دوسرے حصّوں میں ملبوس درباری امرا کے خدّام و حشم زرق برق ملبوسات پہنے اِدھر اُدھر پھرتے نظر آتے تھے۔ پنکھا کرنے والی سیاہ فام لڑکیوں سے لے کر نازک اندام اور نفیس مزاج یونانی مشاطوں تک یہاں موجود تھیں۔ یہ عورتیں باغ کے دروازے کے قریب منقش فوارے کے اردگرد جمع رہتیں۔ اس کے باہر اسپ سواروں کے ہجوم اپنے اسلحہ کو صیقل کرتے یا گھوڑے کی چوڑی چوڑی زینوں پر سُرخ رنگ کا پالش کرتے نظر آتے تھے۔ کہیں کچھ فوجی جوان کسی نووارد افسر یا پیغامبر کے گھوڑے کو مالش کرتے دکھائی دیتے یا کچھ آدمی اِدھر اُدھر پھرتے باریک ململ کے لبادے پہنے دُھوپ سینکتے اور سلطنت کے سیاسی حالات پر اُس تیقن کے ساتھ جو ہر فوجی کے لئے مخصوص ہوتا ہے بحث مباحثہ کرتے نظر آتے تھے۔ محل میں بہت تھوڑے شہسواروں کے لئے جگہ تھی لیکن یہ سب فوج میں سے چیدہ چیدہ اور برگزیدہ تھے یہی وجہ تھی کہ ان میں سے ہر ایک کسی امر پر اظہارِ رائے کرتے وقت اپنے آپ کو جنرل سے کم نہیں سمجھتا تھا اور یقین رکھتا تھا کہ اس کی رائے کے بعد کسی دوسری رائے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

لیکن دارا کسی باتونی غلام یا زرہ پوش فوجیوں کو مخصوص کمروں کے قریب بھٹکنے نہیں دیتا تھا۔ اس کے کمرے کے سامنے مکمل سکوت بلکہ سناٹا مسلط تھا اور وہ زرتشت کو ساتھ لئے اسی سکوت و سکون کی دُنیا میں آ گیا۔ زرتشت کو تعجب تھا کہ شاہِ معظم کس طرح خدم و حشم کے بغیر اتنی بے پروائی سے چلے جا رہے ہیں گویا وہ بھی ایک ایک معمولی سپاہی سے زیادہ نہیں۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ نوجوان دارا کی بے چین مطلق العنانی کبھی ختم نہ ہونے والی چستی اور پھرتی اور انفرادی طور پر مکمل

بے پروائی سے ہنوز ناواقف تھا۔ یہ تصوّر کرنا ہی بڑا مشکل امر تھا کہ یہ سادہ، سخت و کم محنت ماتھوں والا اور سیدھی سادی باتیں کرنے کا عادی انسان شاہِ معظم ہو سکتا ہے، وہ اُس پرشکوہ اور رفیع الشان بادشاہ سیرس کے تخت پر متمکن ہے جو دربار کی پوری شوکت و عظمت کو جلو میں لئے بغیر ایک انچ جنبش نہیں کر سکتا تھا۔ یہ کون تصوّر کر سکتا کہ یہ شخص اُس آرام طلب شہنشاہ کیمبیس کا جانشین ہے جو مرمر کے ننگے فرش پر پاؤں دھرتے ڈرتا تھا جو سیر بطیخوں کی ہوا سے گھبرا آتا تھا اور جو سات سال تک اپنے جسم کی نگہداشت کرتے کرتے آخر ایک نامردانہ جوش کے اثر سے موت کے جبڑے میں پہنچ گیا۔ دارا فارس کے تخت و تاج تک اس طرح پہنچ گیا جس طرح شیر کچھار سے نکل کر گیدڑوں کی بستی پر حکمران ہو جاتا ہے یا شہباز کوّوں کے گھونسلے پر قابض ہو جاتا ہے۔ وہ ایک آسمان گیر شاہیں تھا۔ ۔ ۔ اَن تھک، تُند و تیز، بے پروا اور بہادر۔

"اکبانتا کے کسی فرورتس شخص کو جانتے ہو تم؟" دارا نے دفعتہً زرتشت سے پوچھا۔

"مَیں جانتا ہوں" شہزادے نے جواب دیا۔ "وہ ایک امیر کبیر اور طاقتور آدمی ہے، مور کی طرح مغرور اور سانپ کی طرح بدیوں سے بھرا ہوا ہے۔ وہ امرا میں سے نہیں ہے، کسی مچھیرے کا بیٹا ہے اور نمک لگی مچھلی بیچ بیچ کر امیر ہو گیا ہے۔ وہ ملکۂ معظمہ کی مزروعہ زمین اور شاہِ معظم کے اصطبل کا افسرِ اعلیٰ بھی ہے۔"

"وہاں جاؤ اور اُسے میرے سامنے حاضر کرو" بادشاہ نے کہا۔

زرتشت جواب دیئے بغیر سلام کر کے جانے کے لئے اُلٹا گھوما۔ لیکن اُسے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی قوی دشمن نے اس کے جگر میں خنجر بھونک دیا ہے۔ بادشاہ نے

اِس شاندار فرمانبرداری کو بنظرِ استحسان دیکھا۔
"ٹھہرو" اس نے کہا۔ "کتنی دیر تک باہر رہو گے؟"
زرتشت سپاہیانہ انداز میں تیزی کے ساتھ گھوما اور بولا۔
"اکباتانا یہاں سے ایک سو پچاس فرسنگ دُور ہے۔ میں چھ دنوں میں وہاں تک پہنچ جاؤں گا اور اُسے اپنے ساتھ لے کر چھ دنوں کے اندر واپس آجاؤں گا ــــ اگر وہ سفر کی وجہ سے مر نہ گیا تب"۔ زرتشت نے ایک ہلکی سی طنزیہ مسکراہٹ کیساتھ کہا۔
"وہ بوڑھا ہے یا جوان؟ موٹا ہے یا ہلکے جسم کا؟" بادشاہ نے پوچھا۔
"اُس کی عمر چالیس کے لگ بھگ ہے۔ کچھ ایسا موٹا بھی نہیں۔ گھوڑے کی سواری میں بھی خاصا ہے لیکن ہمارے ایسا نہیں"۔
"اگر تھک کر گرنے لگے تو گھوڑے پر باندھ دینا۔ اُسے بتا دینا کہ اُسے ہمارے سامنے حاضر ہونے کا حکم ہوا ہے اور اُسے شاہی دربار میں جلد از جلد حاضر ہونا ہے۔ آمورا تھ تمہاری مدد فرمائیں۔ جلدی جاؤ"۔
زرتشت پھر گھوما اور لمحے کے اندر اندر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ اس نے بادشاہ کا وفادار نوکر رہنے کی قسم کھائی تھی اور ارادہ کر لیا تھا کہ خواہ کچھ ہو جائے وہ اپنی سوگند پر قائم رہے گا۔ اِس لئے باوجودیکہ نہشتہ کو کچھ بغیر کہے اِس طرح ایکا ایکی جدا ہو جانیکا خیال انتہائی رُوحانی کرب کا باعث تھا تاہم وہ شاہِ معظم کے احکام کی تعمیل کے لئے فوراً تیار ہو گیا۔ سفر کے ہلکے پھلکے کپڑے پہنتے وقت اس نے سوچا تھا کہ جانے سے پہلے اُسے ایک رُقعہ لکھ دیگا۔ چنانچہ اُس نے ایک کاغذ پر چند حروف لکھے اور اسے لپیٹ کر اپنے پاس رکھ لیا۔ باہر جاتے وقت جب وہ باغ کے قریب سے گذرا تو اس نے ایک

یونانی مشاطہ عورت کو بُلا کر اس کی ہتھیلی پر سونے کا ایک سکہ رکھا اور اُسے کہا کہ یہ کاغذ یہودی شہزادی نہشتہ کو دیدے۔ اس کے بعد وہ جلدی سے باہر نکلا اور شاہی اصطبل کے بہترین گھوڑے پر سوار ہو کر شدت کی تندی سے ڈھلوان پہاڑی پر سے اُترنے لگا۔ ایک لمحے کے اندر اندر پُل قطع ہو گئی اور زرتشت نینوا کی طرف جانے والی گرد آلود سڑک پر ہو لیا۔ ایک چوتھائی گھنٹے کے عرصے میں قلعے پر کھڑا ہوا آدمی اُسے دُور سبز پوش میدانوں کے انتہائی کونے میں ایک نقطے کی طرح شفق کی سُرخیوں میں تحلیل ہوتے دیکھنے لگا۔

لیکن یونانی عورت زرتشت کا رُقعہ ہاتھ میں لئے اور اس کا دیا ہوا سکہ دانتوں میں دبائے ابھی یہی سوچ رہی تھی کہ وہ کیا کرے۔ اتفاقاً وہ یونانی عورت ملکہ کی خاص رازدار کنیز تھی۔ اِس لئے رُقعہ ہاتھ میں لیتے ہی اس کے ذہن میں فوراً یہ خیال پیدا ہوا کہ اگر نہشتہ کی بجائے یہ رُقعہ ملکہ کے ہاتھوں تک پہنچ جائے تو بہت ممکن ہے کہ ملکہ اسے کسی مفید طریقے پر استعمال کر سکیں۔ اِس کنیز نے نہشتہ کو ایک دفعہ گذرتے ہوئے دیکھا تھا اور اس کا گندمی رنگ اس ظاہر پرست یونانی عورت کے دل پر کوئی خاص اثر پیدا نہ کر سکا بلکہ کسی پُراسرار خیال کے زیر اثر وہ اُس سے متنفر سی ہو گئی تھی۔ اس نے خط ملکہ کے ہاتھوں تک پہنچا دینے کا فیصلہ کر لیا لیکن یکایک اُسے خیال آیا کہ وہ خط کے مندرجات سے قطعی نابلد ہے۔ خط کے حروف بڑی جلدی میں لکھے گئے تھے اور ان کا طرزِ تحریر بھی چالڈان والوں کا تھا۔ یہ عورت محل میں نو وارد نہ تھی۔ وہ جانتی تھی یا یوں کہئے کہ اُسے شُبہ پیدا ہو گیا تھا کہ ملکہ دل ہی دل میں زرتشت کی محبت کا دم بھرتی ہے۔ وہ زرتشت کو بھی مُدت سے

جانتی تھی اور جب اس نے یہ دیکھا کہ آج وہ سفر کے کپڑوں میں ملبوس ہے اور باہر جانے وقت اس نے نہشتہ کو ایسی جلدی میں خط لکھنے کی تکلیف کی ہے تو وہ فوراً سمجھ گئی کہ زرتشت یہودی شہزادی کو چاہتا ہے۔ اِس لئے اگر یہ خط محض محبت نامہ ہی تھا اور اس پر کسی کا نام نہیں لکھا گیا تھا تو ملکہ اسے اپنی طرف منسوب سمجھ کر ضرور خوش ہوگی اور اگر کسی طرح یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ یہ رُقعہ خاص نہشتہ ہی کیلئے ہے تو اس کا نہشتہ تک نہ پہنچنا ہی ملکہ کی خوشنودی مزاج کا ضامن ہوگا۔ اس پُرمغز سوچ بچار کا نتیجہ یہ ہوا کہ یونانی عورت نے رُقعہ اپنی جیب میں رکھا اور سکہ زنبیل میں ڈال کر ملکہ کو تخلئے میں ملنے کی کوشش میں مصروف ہو گئی۔

اُس دِن شام کے قریب ملکہ اپنے اندرونی کمرے میں قدآدم آئینے کے سامنے بیٹھی تھی۔ میز پر عقیق کے چھوٹے چھوٹے ڈبے۔ چاندی کے کنگھے۔ بالوں میں لگانیکی طلائی سوئیاں، ہاتھی دانت کی چھوٹی چھوٹی چیزیں اور سنگھار کا دوسرا سامان بکھرا پڑا تھا۔ اِن چیزوں میں دو یا تین بیش قیمت جواہرات پڑے تھے جو برنجی شمعدانوں پر رکھے ہوئے دو بڑے بڑے چراغوں کی روشنی میں جگمگا رہے تھے۔ وہ کپڑے پہن چکی تھی اِس لئے اس وقت اس کے پاس کوئی کنیز نہ تھی لیکن اس کے باوجود وہ آئینے کے سامنے بیٹھی کاغذ کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے کو بغور دیکھ رہی تھی جو اس کی کنیز نے اس کے ہاتھ میں دیا تھا۔ اس وقت اس کے پاس صرف پنکھا کرنے والی لونڈی کچھ فاصلے پر کھڑی ایک پاؤں آگے جمائے ہاتھ میں پام کا پتہ لئے کھڑی پام کے چوڑے پتے سے اپنی مالکہ پر ہوا کی ایک مسلسل لہر دوڑا رہی تھی۔ ملکہ نے کاغذ کے اُس چھوٹے سے پُرزے کو ایک دفعہ پھر اپنے ہاتھ میں گھمایا

اور چاندی کی صیقل شدہ تھالی کی طرف دیکھ کر مسکرائی جو میز کے ایک طرف آڑی کھڑی تھی، وہ یہودی زبان کچھ کچھ جانتی تھی اور چلڈان رسم الخط کو بھی واجبی سا سمجھ لیتی تھی اِس لئے تھوڑی سی تکلیف کے بعد اس نے خط کا متن پڑھ لیا۔ اس میں چند سادہ لفظ تھے۔

"مَیں شاہی کام کے لئے بارہ دنوں کے لئے یہاں سے جا رہا ہوں۔ محبوبہ! میری رُوح تمہاری رُوح کے ساتھ ہے اور میرا دل تمہارے دل کے ساتھ! جس طرح کونج صبح جاتی ہے اور شام کے وقت اپنے جوڑے کے پاس واپس آجاتی ہے اسی طرح مَیں بھی بہت جلد تمہارے پاس آجاؤنگا۔"

آتوسہ خوب جانتی تھی کہ اِس خط کا مخاطب نہشتہ کے سوا اور کوئی نہیں۔ اس کی کنیز نے اُسے بتایا تھا کہ زرتشت نے کاغذ کا یہ ٹکڑا اُسے دیا ہے لیکن وہ یہ بھی جانتی تھی کہ زرتشت ایسی محبت بھری باتیں اُسے نہیں لکھ سکتا اور اگر لکھتا بھی تو یہودی زبان میں کبھی نہ لکھتا۔

لیکن خط پڑھ کر ملکہ فارس کے شہزادے اور اُس کی محبوبہ کے خلاف غیظ و غضب سے آگ بھبھوکا ہو گئی۔ اُس دِن جب اس نے زرتشت سے باتیں کی تھیں اُسے ایسا محسوس ہونے لگا تھا کہ محبت کی وہ چنگاری جو وقت کی راکھ تلے دب کر تقریباً مُردہ ہو چکی تھی پھر بڑھ پھیل کر شعلہ جوالہ بنا چاہتی ہے۔ اُسے اپنے متعلق یہ خیال تھا کہ اُسے مردوں سے کوئی لگاؤ نہیں لیکن اُسے یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ نصف گھنٹے کی گفتگو نے اُسے یہاں تک متاثر کیا ہے کہ فروردتس کو خط بھیجنے میں محض اِس لئے دیر ہو گئی تاکہ زرتشت کی محبوبہ کو ایک نظر دیکھ لے یہی نہیں بلکہ خود فراموشی

اِس حد تک پہنچ گئی کہ وہ ایسا خطرناک اور ضروری خط دروازے پر ہی بھول گئی۔ اب اگر فرورتس کا راز طشت از بام ہو جائے تو اس کی کیا درگت ہوگی؟ ملکہ ابھی تک اپنے آپ کو محفوظ محسوس نہ کرتی تھی۔ جہاں تک زرتشت کی ذات سے تعلق تھا اُسے اپنی کنیزوں سے معلوم ہو چکا تھا کہ وہ دوپہر سے قبل فارس کے بہترین گھوڑے پر سوار ہو کر تن تنہا کوئی ہتھیار لئے بغیر نینوا کو جانے والی سڑک پر گیا ہے۔ اُسے یقین تھا کہ دارا نے اُسے فوراً ایلباتانا جا کر فرورتس سے ملنے یا مُلکی حالات کا جائزہ لینے کو روانہ کیا ہے۔ اُسے اِس آنے والی ناگہاں مُصیبت کے مقابلے کے لئے تیار کرنا بھی مُشکل امر تھا ـــــ یہ ضروری تھا کہ زرتشت اُس ملے گا اور اگر اُس کا طرزِ عمل کسی طرح بھی مشکوک معلوم ہوا تو اُسے فوراً موت کے گھاٹ اُتار دیا جائیگا۔ اِس کے باوجود ملکہ مطمئن تھی کہ اگر حالات اِس حد تک اس کے خلاف ہو گئے تب بھی وہ اپنی برتیت کی راہ نکال لے گی۔ تاہم اس نے فرورتس کو آگاہ کر دینے یا بادشاہ کو چند دنوں کے لئے محل سے چلے جانے پر آمادہ کر لینے کا اِرادہ کر لیا۔ وقت کافی تھا ـــــ کم از کم گیارہ دِن کی مُہلت تھی۔

اِس اثنا میں محبّت اور رقابت کی ایک خُون آشام کشمکش اس کے قلب و جگر کو تڑپائے دیتی تھی۔ اِنہی خیالات کی بنا پر وہ جلد از جلد ایک نتیجے پر پہنچ گئی جس کی تفصیل خود اس کے لئے ایک معمّہ تھی۔

یہ حقیقت اِس کے لئے رُوحانی خلش کا باعث بن گئی تھی کہ زرتشت جس نے آج سے پہلے اس کے اظہارِ محبّت پر سخت ترین نفرت کا اظہار کیا تھا آج ایک یہودی شہزادی کو نہ صرف ترجیح دے رہا ہے بلکہ حقیقتاً اس کی محبّت میں وارفتگی کا

اظہار کر رہا ہے ۔۔۔ وہ شخص جو اپنے آپ کو محبت سے ماورا سمجھتا تھا آج ایک عورت کی محبت میں سرتاپا مقید ہو چکا ہے۔ وہ اس یہودی شہزادی سے سخت نفرت کرتی تھی جس کے قدموں پر زرتشت جیسے مرد نے اپنا دل بھینٹ کر دیا تھا اور جس کے متعلق شاہِ معظم نے انتہائی سفاکانہ لہجے میں کہا تھا کہ وہ دُنیا کی حسین ترین عورت ہے۔ وہ اُسے تباہ کر دینے کی آرزو مند تھی اور یہ آرزو اتنی شدت کے ساتھ اس کے دل و دماغ پر مسلط ہو چکی تھی کہ آج سے پہلے ایسی آرزو اُس کے دل میں کبھی پیدا نہیں ہوئی تھی۔ وہ نہشتہ کے خلاف مجسم حقارت بن گئی تھی کیونکہ صرف زرتشت ہی اُس سے محبت کا دعویدار نہ تھا بلکہ وہ بادشاہ جس نے انتہائی سرد مہری سے اس پر عدم اعتماد کا اظہار کرنے کے باوجود اُسے دُنیا کی خوبصورت عورت کہا تھا آج زرتشت بلکہ نہشتہ کے سامنے اِس امر کا اعتراف کرنے لگا تھا کہ یہ سیاہ چشم شہزادی دونوں میں سے زیادہ خوبصورت ہے۔ ایک شخص نے اپنے غرور کی بنا پر اس کے دل پر زخم لگائے تھے اور دُوسرے نے دل کی بنا پر۔

بادشاہ سے بدلہ لینے کا ابھی موقع نہ تھا۔ اس کی ان تھک دِقت نظری کو دھوکا دینا یا اُسے بہلا پھسلا کر اپنی ذاتی تباہی کی طرف مائل کر لینا ناممکن تھا۔ وہ طاقت و صولت اور جاہ و حشم کو زرتشت سے کہیں زیادہ چاہتی تھی۔ ایک دوسری شہنشاہی کا قیام ناممکن تھا کیونکہ دارا بابل پر مکمل فتح پا چکا تھا۔ البتہ اس نے یہ تجویز سوچ رکھی تھی کہ اگر دارا کو بابل میں شکست میسر آئے تو فروروتس کبانتا میں خود مختار حکومت قائم کر لے لیکن دارا بابل سے فتحیاب لوٹا تھا اور اب چند دنوں کے لئے اُس تجویز پر عمل کرنا مشکل نظر آ رہا تھا اسی لئے فروروتس کے

نام خط لکھا گیا تھا جس کو بھول جانے کی خطرناک حماقت ملکہ سے آج صبح ہوئی تھی۔
جہاں تک اس کے ضمیر کا تعلق تھا محض ذاتی عناد کی بنا پر سلطنت کا تختہ اُلٹ کر بادشاہ کو قتل کروا دینے میں اُسے کوئی پس و پیش نہ تھی۔ صرف یہی نہیں بلکہ وہ دلپسند ہیرا حاصل کرنے کے لئے کائنات کے ٹکڑے ٹکڑے اُڑا دینے پر بھی تیار تھی۔ اس کے ذہن میں خواہشات کی تکمیل اور اس تکمیل کے ذرائع میں کوئی توازن نہ تھا۔ البتہ وہ یہ دیکھ لیا کرتی تھی کہ اس کی ایک خواہش کسی دُوسری خواہش سے متصادم ہو کر فنا نہ ہو جائے۔ کسی چیز کا خطرناک ہونا اس کے لئے کسی خاص وقعت کا حامل نہ تھا اور نہ ہی وہ اپنی کوئی قرارداد اِس لئے مسترد کرنے پر تیار ہو سکتی کہ اس کی تکمیل میں ہزاروں بیگناہ جانیں موت کے گھاٹ اُترتی ہیں۔ وہ بڑی بے رحمی سے اُس قلبی اور ذہنی اطمینان کا اندازہ کرتی تھی جو اس کی لاتعداد خواہشات میں کسی ایک کے پُورا ہونے پر حاصل ہوتا۔
زرتشت کو کسی قسم کی تکلیف پہنچانے کا خیال شاید اُسے نہ آتا۔ وہ اُس سے اپنی طبیعت کے مطابق محبت کرتی تھی لیکن بہرحال یہ محبت تھی ـــــ اور وہ اُس شخص کو کسی تکلیف میں مُبتلا ہوتا دیکھنا پسند نہ کرتی تھی جس کو اس نے اپنے دل کا مرکز بنا لیا ہو۔ اب یہ بدیہی امر تھا کہ وہ اپنے غیظ و غضب کا نشانہ نہشتہ کو بناتی اور اس نے اِرادہ کر لیا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ نوجوان شہزادی کے جذبۂ رقابت کو ناکام محبت کی جگر خراش مایوسیوں میں بدل دینے سے اُسے کتنا لُطف اور اطمینان حاصل ہوگا۔ نہشتہ کو یہ یقین دلا دیا جائے کہ زرتشت اُس سے محبت نہیں کرتا بلکہ وہ ملکہ کی زُلفِ گرہ گیر میں اسیر ہے، یا زرتشت کو ایسے حالات پیدا پیدا کرنے پر مجبور کیا جائے جس سے وہ یا تو بزبانِ خاموشی نہشتہ کو یہ یقین دلا دے

کہ وہ حقیقت میں ملکہ سے محبت کرتا ہے یا اگر یہ نہیں تو کم از کم سچ بول کر بادشاہ کے رازِ طشت از بام کر دے۔ اس کے پہلو بہ پہلو نہشتہ کے غرور کو بادشاہ کی بے موقع ستائش سے اُکسایا جائے ـــــ یہی نہیں بلکہ اُسے مجبور کر دیا جائے کہ وہ بادشاہ کے حرم میں داخل ہو جائے۔ جب یہ سب کچھ ہو جائے اُس وقت پھر نہشتہ اور زرتشت کی محبت کو بیدار کر کے یکدم بادشاہ پر ظاہر کر دیا جائے اور اس طرح نہشتہ کو سارے شہر میں ذلیل و رسوا کر دیا جائے ـــــ ان سب چیزوں کو بسرعت تمام کامیابی سے پورا کر لینے اور ان سب کے بعد اپنی رقیبہ کے مُنہ پر تھوکنے کی بے پناہ مسرت حاصل کرنے کا خیال ملکہ کی رگ رگ میں انبساط کی ایک لہر سی دوڑا گیا۔ آٹوسہ کو یہ ایسی عمدہ تجویز معلوم ہو رہی تھی جو نہ صرف ملکہ کی اعلیٰ دماغی قوتوں ہی کی شایان شان تھی بلکہ ان سے اس کے زخم خوردہ غرور اور محبت کی ناکامی کا بہترین انتقام بھی لیا جا سکتا تھا۔

نہشتہ کو بادشاہ کی بیگم اور بادشاہ کی نظروں میں محبوب ترین عورت دیکھنا ملکہ ایک لمحے کے لئے بھی شاید گوارا نہ کر سکتی لیکن آخر الامر نہشتہ کی شکست اس کا آسمان کی بلندیوں سے تحت الثریٰ کی بھیانک گہرائیوں میں گرنا ملکہ کے لئے جس روحانی انبساط کا باعث ہوگا وہ اس تکلیف سے کہیں زیادہ تھا اور پھر اس سے بڑھ کر شہزادی کی بیقراریوں کا لطف بھی کیا کم تھا۔ اتفاق بلکہ اُسکی یونانی کنیز کی چالاک طبیعت نے ایک ایسا ہتھیار اس کے ہاتھوں میں دیدیا تھا جس کو بڑی آسانی سے دوزخ کے شعلوں میں بدلا جا سکتا تھا اور ملکہ آئینے کے سامنے بیٹھی اُس چھوٹے سے پرزے کو اپنی پتلی پتلی انگلیوں سے مروڑتی رہی اور خود بخود ایک دلکش مسکراہٹ اسکے ہونٹوں پر بکھرتی گئی ـــ آخر اس نے اپنا حسین سر پیچھے کی طرف جھکا کر اپنے آپ کو پنکھے کی پُر لطف ہواؤں میں گم کر دیا۔

(۹)

محل کے ساتھ ملحقہ باغ کی ہوا دوپہر کے وقت سخت گرم اور بے کیف ہو رہی تھی لیکن اسی باغ کی مرمریں بارہ دری کی ہوا میں فرحتناک خنکی تھی اور گرتے ہوئے پانی کی مترنم آواز سے فضا معمور ہو رہی تھی۔ گلاب کے قد آور پودے اور ہری بھری بیلیں لمبی لمبی کھڑکیوں پر پردوں کی طرح تنی ہوئی تھیں جن سے بہشت پہلو ہال کی فضا پر ہلکی سی نیلاہٹ مسلط ہو گئی۔ اسی ہال کے وسط میں ایک چھوٹا سا فوارہ پانی کے ننھے ننھے قطرے اُچھال رہا تھا جو فرش میں کھدے ہوئے ایک گول حوض کو بالیاں پہنا رہے تھے۔ پانی میں ایک ہلکا سا مسلسل تموّج برپا تھا اور اس کی کروٹیں لیتی ہوئی سطح پر نیلوفر کے ننھے ننھے پھول اپنے لمبے لمبے ڈنٹھلوں کے سہارے پانی میں کھڑے گویا کبھی نہ ٹوٹنے والے نشے کے زیر اثر جھوم رہے تھے۔ چاروں طرف خنکی، سکوت اور آرام کا دور دورہ تھا، اور اسی سماوی فضا میں نہشتہ کھڑی فوارے کی طرف تک رہی تھی۔

وہ تنہا تھی اور انتہائی مایوس! زرنشت اُسے اطلاع دیئے بغیر محل سے چلا گیا تھا اور اس کی کنیزوں نے اُڑتی اُڑتی خبر سُنی تھی کہ وہ کئی دنوں تک واپس نہ آ سکے گا۔ اس کی آمد سے پہلے پہلے حالات کتنی کروٹیں بدل لیں گے اور یہ کروٹیں ان دونوں کیلئے

کہاں تک مُضر یا مفید ثابت ہو گی نہشتہ نہیں جانتی تھی۔ تاہم اس کا دِل ڈوبتا ہُوا سا محسوس ہوتا تھا اور اس کی آنکھیں رہ رہ کر اشک آلود ہو جاتی تھیں۔

"یہاں تنہا کھڑی ہو پیاری شہزادی؟" نرم اور صاف آواز اس کی پُشت پر سے سُنائی دی۔ نہشتہ آٹوسہ کی آواز پہچان گئی۔ اُسے ایسا محسوس ہُوا کہ کسی زہریلے کیڑے نے اس کی رُوح میں اپنے زہر آلود دانت گھونپ دیئے ہیں۔ اب اس کے جواب میں وہ تکلف اور زمانہ سازی کی باتیں نہ تھیں جو گذشتہ روز سُنائی دی تھیں۔ یہ خیال کہ آج اس کا محبوب ترین ساتھی اُسے ملے بغیر چلا گیا اسے اس قدر رنجیدہ اور دلگرفتہ بنائے ہوئے تھا کہ وہ بناوٹی دلجوئی اور تصنع آمیز دوستی کا اظہار بھی نہ کر سکی۔

"ہاں ـــــ تنہا ہوں" اس نے جلدی سے جواب دیا۔

"مَیں بھی تنہا ہوں" آٹوسہ نے جواب دیا۔ اس کی نیلی آنکھیں سُورج کی اُس کرن سے چمک رہی تھیں جو وہ اپنے ساتھ اندر لے آئی تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کا سراپا ایک لامحدود مسرت کے احساس سے چھلکا پڑتا ہے۔ "دربار کی خواتین شاہِ معظم کے ہمرکاب شہر کو گئی ہیں اور ہم دونوں اس محل میں اکیلی ہی ہیں کیسی پُرلطف خُنکی ہے یہاں"

وہ ایک کھڑکی کے قریب پڑے ہوئے گدیلوں پر بیٹھ گئی اور نہشتہ کو جواب بھی چشمے کے قریب کھڑی تھی غور سے دیکھنے لگی۔

"تم بہت افسردہ اور تھکی ہوئی سی معلوم ہوتی ہو نہشتہ پیاری!" اس نے کہا۔

"تمہیں یہاں افسردہ نہیں ہونا چاہیئے ـــــ یہاں تو کوئی بھی اُداس نہیں ہوتا"

"مَیں سخت اُداس ہوں" نہشتہ نے مضمحل لہجے میں ایسی خود فراموشی کے عالم میں

جواب دیا گویا اُسے خود بھی پتا نہیں کہ وہ کیا کہہ رہی ہے۔
ایک لمحے کی خاموشی کے بعد آٹوسہ نے جواب دیا۔
"اس کی وجہ تو بتاؤ" اس نے بڑے رازدارانہ لہجے میں کہا۔ "مجھے بتاؤ کیا بات ہے، شاید تمہیں کسی چیز کی کمی محسوس ہوتی ہے ــــ کسی ایسی چیز کی کمی جس کی تمہیں اکیاتا میں عادت تھی۔ مجھے بھی نہ بتاؤ گی نہشتہ"
"کیا بتاؤں تمہیں؟" نہشتہ نے پوچھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس نے ملکہ کی بات سُنی ہی نہیں۔
"یہ بتاؤ کہ تم اتنی پریشان کیوں ہو؟" ملکہ نے اپنا سوال دُہرایا۔
"تمہیں بتاؤں؟ شہزادی نے دفعتہً شعلہ آسا آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ "تمہیں؟ ــــ نہیں!"
آٹوسہ نے نہشتہ کی طرف متفکر آنکھوں سے دیکھا گویا اُس عدم اعتمادی کی شاکی ہے جو نہشتہ کے لب و لہجہ سے ظاہر ہو رہی تھی۔ لیکن یہودی شہزادی اُلٹے پاؤں گھوم کر کھڑکی میں جا کھڑی ہوئی اور سبز بیلوں کے پتوں میں سے باہر باغ کی طرف دیکھنے لگی۔ ملکہ آہستہ سے اُٹھ کر شہزادی کے قریب آئی۔ اپنا ہاتھ اُس کی کمر میں حمائل کر دیا اور اپنا خوبصورت گورا گال یہودی شہزادی کے گندم گوں چہرے پر رکھ دیا۔ نہشتہ نے زبان ــــ سے کچھ نہیں کہا لیکن وہ سر سے پاؤں تک کانپ اُٹھی گویا کوئی سخت نفرت انگیز چیز زبردستی اس کے ساتھ چھو گئی ہے۔
"اِس لئے متفکر ہو کہ تمہارا دوست اِس طرح دفعتہً چلا گیا ہے۔" آٹوسہ نے زیرلب بڑے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

نہشتہ چونک پڑی۔

"نہیں" اس نے غضبناک لہجے میں گرج کر کہا "تم کیوں کہتی ہو یہ؟"

"جانے سے پہلے اس نے مجھے ایک خط لکھا تھا۔ مَیں سمجھتی تھی کہ تم اس کی خوشی کی خبر سُن کر خوش ہو گی" ملکہ نے نہشتہ کی پتلی سی کمر کو قدرے زور سے بھینچتے ہوئے کہا۔

"تمہیں لکھا ہے؟ نہشتہ نے غضب آلود حیرت سے کہا۔

"ہاں پیاری" ملکہ نے مصنوعی تفکر کے انداز میں نیچے دیکھتے ہوئے کہا "مَیں تمہیں کبھی نہ بتاتی لیکن مَیں نے سوچا کہ تم اس کے متعلق سُن کر خوش ہو گی۔ اگر تم چاہو تو مَیں خط کا کچھ حصہ پڑھ کر تمہیں سُنا دوں" اس نے اپنے سینے بند میں سے لپٹے ہوئے ٹکڑے کو نکالتے ہوئے کہا۔

نہشتہ اس سے زیادہ برداشت نہ کر سکتی تھی۔ اس نے جھٹکا دیکر اپنے آپ کو ملکہ سے علیحدہ کر لیا۔

"نہیں ــــ نہیں۔ مَیں نہ سُنوں گی یہ! جاؤ یہاں سے! ــــ تمہیں اپنے دیوتاؤں کی قسم جاؤ!"

آلوسہ سیدھی کھڑی ہو گئی اور ظالمانہ آنکھوں سے نہشتہ کی طرف دیکھنے لگی گویا وہ اس طرزِ عمل سے سخت حیران اور غضبناک ہو رہی ہے۔

"یہ بات دوبارہ کہنے کی ضرورت نہیں" اس نے متکبرانہ لہجے میں کہا "مَیں تمہیں تسکین پہنچانا چاہتی تھی۔ مَیں جاتی ہوں ــــ لیکن مجھے تمہارے ساتھ کوئی گِلا نہیں، ــــ تم بہت زیادہ کم عمر اور بہت بڑی احمق ہو"

آلوسہ نے متفکرانہ انداز میں سر ہلایا اور باغ کے تخت سے غضبناک وقار کے

انداز میں تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی نکل گئی۔ لیکن کچھ دُور آنے کے بعد مسرت کی ایک ہلکی سی مُسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر مچل گئی اور وہ غیر شعوری طور پر آہستہ آہستہ وہ گانا گنگنانے لگی جو اس نے گذشتہ رات ایک مصری رقاصہ سے سُنا تھا۔ وہ آرا مصر سے آئی دفعہ اپنے ساتھ رقاصوں کا ایک بڑا مجمع لیتا آیا تھا تاکہ رات کے کھانے کے بعد ناچ گانے اور مزاحیہ اداکاری سے درباریوں کو محظوظ کیا جائے۔

آٹوسہ کی موسیقی آفریں آواز نارنگی اور گلاب کے پودوں میں دھیمی سی گنگناہٹ پیدا کرتی ہوئی بڑی ہلکی آواز میں نہشتہ کے کانوں میں بھی پہنچ گئی۔ وہ چند لمحوں تک وہیں کھڑی رہی۔ جہاں ملکہ نے اُسے چھوڑا تھا۔ اس کا رنگ زرد پڑ گیا تھا اور اس کے ہاتھ بیقراری کے انداز میں ایک دُوسرے کو مروڑ رہے تھے چند لمحوں کے بعد کسی فوری جذبے کے زیر اثر وہ پلٹی اور گدّوں پر گر پڑی۔ اس نے اپنا حسین چہرہ نرم نرم گدیلوں میں گھونپ دیا۔ اس کے ہاتھ اس کے خوبصورت بالوں میں پھرنے لگے اور اس کے گرم گرم آنسوؤں نے تکیے کے نرم و نازک ریشم کو داغوں سے بھر دیا۔

وہ ایسا کس طرح کر سکا؟ یہ کس طرح ممکن ہو سکتا ہے۔ اُس نے تو کہا تھا کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے لیکن اب جبکہ اُسے کافی عرصے کے لئے باہر بھیج دیا گیا اُس نے اپنی پہلی فرصت میں ملکہ کو خط لکھا ــــ اُسے نہیں! رقابت کی بے پناہ آگ اس کی کائنات کے ذرّے ذرّے پر چھا گئی۔ اُسے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ اپنی رُوح کی دھجیاں اُڑا دینے کی طاقت رکھتی ہے، وہ اس قابل ہے کہ اپنے دل کو اپنے ہاتھوں سے اپنے سینے میں سے نکال کر اپنے پاؤں تلے روند دے، کُچل ڈالے۔ اس نے بپھری ہوئی مجبور شیرنی کی طرح اپنے پنجوں میں اپنی پنڈلیاں

پکڑ کر غصّے سے جھنجھوڑ ڈالیں۔ پھر یکلخت اُسے سارے خیالات چند لمحوں کے لئے ایک نئی اور ناقابل برداشت درد میں جذب ہو گئے جو اس کے سر کو ٹکڑے ٹکڑے کئے دیتی تھی۔ چند لمحوں کے بعد وہی سرد اور بے مہر بوجھ سر پر سے اُتر کر اپنی پوری قوت کے ساتھ پھر اس کے سینے پر گرا اور اس کے تمام جذبات آنسوؤں کے ایک خوفناک سیلاب کی صورت میں بدل کر اس کی آنکھوں سے اُبل پڑے۔ وہ ایک ہاتھ کے سہارے اُٹھی اور بالکل بے معنی طور پر اپنے چھوٹے سے جوڑا جوتے کی طرف دیکھنے لگی جو اُس کے پاؤں سے اُتر کر مرمریں فرش پر اُلٹا پڑا تھا۔ اس نے کچھ سوچے سمجھے بغیر ہاتھ بڑھا کر اُس جوتے کو پکڑ لیا اور بڑی متانت سے اس پر کڑھے ہوئے نازک پھولوں اور سونے کے موٹے موٹے پتروں کو نمناک آنکھوں سے دیکھنے لگی ـــــ جس طرح کوئی رنج و کرب کی انتہائی حالت میں ایسی احمقانہ حرکت کرے جس کے کوئی معنی نہ ہوں۔

کیا یہ بھی ممکن ہو سکتا ہے کہ ملکہ نے اُسے دھوکا دیا ہو؟ اسکی کتنی تمنا تھی کہ وہ ملکہ کے خیال کے مطابق اُسے خط کا وہ حصّہ پڑھنے دیتی۔ اُسے اس سے پہلے کبھی یہ گمان بھی نہیں ہوا تھا کہ یہ خط اُسی کو مخاطب کر کے لکھا گیا ہے اور غلط ہاتھوں میں پہنچ گیا ہے۔ لیکن اب وہ یہ بھی محسوس کرتی تھی کہ ملکہ بڑی آسانی سے اس خط کو اپنی طرف منسوب کر سکتی ہے یا خود ہی کسی کاغذ کے ٹکڑے پر چند سطور لکھ کر یہ کہہ سکتی ہے کہ زرتشت نے اُسے خط لکھا ہے۔ وہ اُس کاغذ کو حاصل کر کے اپنی آنکھوں سے اُسے دیکھنے کے لئے بیقرار تھی۔ محض خط کی طرز دیکھ کر یہ اندازہ کر لینا کہ یہ زرتشت ہی کے ہاتھوں کا لکھا ہوا ہے یا نہیں بڑا مشکل کام تھا لیکن نشتہ کو یقین تھا کہ

وہ کسی لفظ کی طرز تحریر یا زبان اور لب ولہجہ سے پہچان سکے گی کہ یہ زرتشت کے ہاتھوں کا لکھا ہوا ہے یا نہیں۔ وہ اسی وقت ملکہ کو ڈھونڈ کر اس کے جھوٹ کا پول ظاہر کر دینا چاہتی تھی۔ لیکن اُس کے غرور نے اُسے ایک انچ جنبش نہ کرنے دی۔ اُس نے اتنی کمزوری کا اظہار کیوں کیا؟ اُسے آٹوسہ پر ایک لمحے کے لئے بھی یہ ظاہر نہ کرنا چاہئے تھا کہ اُسے تکلیف ہوئی ہے یا اُسے زرتشت سے محبت ہے۔ اس نے اپنے جذبات پر پردہ ڈال دیا تھا تاکہ آٹوسہ انہیں نہ دیکھ سکے لیکن آٹوسہ بہت بڑھ گئی۔ اتنی بڑھ گئی تھی کہ نہشتہ اُسے کسی صورت بھی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ اگر وہ پہلے ہی سے یہ جانتی کہ آٹوسہ اُس سے ایسا برتاؤ کرنے کو ہے تب بھی اُس حسین ظالم عورت کے میٹھے، چبھتے ہوئے، قاتل طعنے نہشتہ کی قوت برداشت سے بہت زیادہ تھے۔

چند لمحوں کے بعد ایک دفعہ پھر زرتشت کے بے وفا ہو جانے کے امکانات اس کے ذہن میں آئے اور آنکھوں کے سامنے متشکل ہو گئے۔ وہ آٹوسہ کو بہت پہلے سے جانتا تھا اور اس کی محبت کا دم بھرتا تھا۔ اب شاید اُس پرانی محبت کی دبی ہوئی چنگاری نے آٹوسہ کے آتش رخسار سے آگ پکڑ لی تھی، ایک شعلہ جوالہ بن کر زرتشت کے سینے میں طوفان برپا کر رہی تھی اور اسی طوفانِ آتش نے شاید اُس نئی محبت کو جلا کر راکھ کر دیا تھا جس کو برقرار رکھنے اور جس پر ہمیشہ کے لئے قائم رہنے کی اس نے اکبانتا کی اُجلی چاندنی میں قسم کھائی تھی۔ اس قسم کے باوجود اُس نے اِس دوسری عورت کو خط لکھا ہے۔ اُسے نہیں لکھا۔ کیا یہ سچ ہے؟ کیا یہ آٹوسہ کا ظالمانہ جھوٹ تھا؟ طوفان انگیز شکوک اور غضبناک جذبات نے

پھر اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کا سیلاب بھر دیا اور وہ پھر زرد رنگ تکیوں میں مُنہ دے کر رونے لگی۔ اس کا حسین سراپا سر سے پاؤں تک کانپنے لگا اور ہچکیوں اور سسکیوں نے اس کے جوڑ بند ہلا دیئے۔

یکایک اُسے احساس ہُوا کہ کوئی دُوسرا شخص چھوٹے کمرے میں داخل ہُوا ہے اور اس کے قریب آکر کھڑا ہو گیا ہے۔ وہ پلٹ کر دیکھنے کی جُرأت نہیں کر سکتی تھی۔ غم اور غصّے کی شدّت نے اس کی رُوح کے ساتھ ساتھ اُس کے جسم کو بھی مُردہ بنا دیا تھا اور یہ کسی مرد کے مضبوط اور نپے تُلے قدموں کی چاپ تھی۔ چاپ خاموش ہو گئی اور اس طرح خاموشی سے داخل ہونے والا اس کے قریب کھڑا ہو گیا۔ قدرے توقف کے بعد اس نے ہمّت کی اور سر اُٹھا کر دیکھا۔ شاہِ معظم بہ نفسِ نفیس اس کے قریب کھڑے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر وہ اتنی پریشان نہ ہوتی تو شاید قدموں کی چاپ سُن کر ہی سمجھ جاتی کیونکہ خواتین کے لئے مخصوص باغ میں شاہِ معظم کے سوا کسی اور کو داخل ہونے کی جُرأت نہ ہو سکتی تھی۔

دارا خاموشی سے کھڑا اس کی طرف غور سے تک رہا تھا اس کے چہرے پر شک اور تجسس کا ایسا ملا جُلا جذبہ جھلک رہا تھا جو اس کے سیاہ فام چہرے پر مضحکہ انگیز معلوم ہوتا تھا۔ نشستہ چونک پڑی اور سہمے ہوئے ہرن کی دلکش پھرتی کے ساتھ سیدھی کھڑی ہو گئی۔ وہ طبعاً سُست تھی لیکن خوف یا سنسنی کے زیرِ اثر وہ ہوا کی طرح سبک اور تیز تھی۔

"ہمارے محل میں تم اتنی غمزدہ ہو رہی ہو؟" دارا نے بڑے ہمدردانہ لہجے میں پُوچھا۔ "رو کیوں رہی ہو تم؟ کس نے تکلیف دی؟"

نہشتہ نے اپنا چہرہ دُوسری طرف پھیر کر آنسو پونچھ لئے اس کا چہرہ انگارے کی طرح دُہک رہا تھا۔

"مَیں رو نہیں رہی ــــ کسی نے ــــ مجھے تکلیف نہیں پہنچائی"۔ نہشتہ نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔ وہ اس طرح یکلخت بادشاہ کے روبرو جانے سے چونک پڑی تھی۔

دارا مُسکرایا اور پھر اپنی گنجان بھوری داڑھی پر ہاتھ پھیر کر ہنسنے لگا۔

"شہزادی" اس نے کہا۔ "بیٹھ جاؤ۔ ہم تمہیں ایک نصیحت کرنا چاہتے ہیں۔ کبھی بھی ایسی بات کہنے کی حماقت" وہ قدرے ہچکچایا "نہ کرو جو حرف بہ حرف درست نہ ہو"

بادشاہ کے اندازِ گفتگو میں ایسی سادگی اور سچائی تھی کہ جب نہشتہ بادشاہ کے قدموں کے قریب گدّوں پر بیٹھی تو وہ اپنی نم آلود آنکھوں کے باوجود مُسکرا دی۔ وہ خود بھی اُس بلند مرمریں چوکی پر بیٹھ گیا جو ہشت پہلو کمرے میں دیواروں کے ساتھ ساتھ بچھی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے پر متانت برسنے لگی جو کم از کم بناوٹی معلوم ہوتی تھی۔ پھر اس نے اپنا وعظ کہنا شروع کیا۔

"ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جب کوئی شخص جھوٹ بولتا ہے تو وہ یہ سمجھ لیتا ہے کہ اس پر اعتماد کر لیا جائیگا۔ اس لئے کوئی بات یا کوئی واقعہ ایسا ضرور ہونا چاہئے جو اس کے جھوٹ کو قابلِ قبول ثابت کرے۔ موجودہ واقعہ بہت ہی انوکھا ہے۔ مَیں اس وقت تمہارے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا اور تمہارے حسین کلّوں پر بہتے ہوئے آنسوؤں کو گن رہا تھا لیکن پھر بھی تم کہتی ہو کہ تم رو نہیں رہیں۔

اس میں کسی ایسی بات کی رمق بھی نہیں پائی جاتی جس سے تمہارا کہنا قابل قبول سمجھا جائے یہ ظاہر ہے کہ جو تم نے کہا ٹھیک نہ تھا۔ ٹھیک بات ہے نا؟"

نہشتہ نے آنکھیں اُٹھا کر بادشاہ کی طرف دیکھا اور جب اس نے بادشاہ کی سیاہ آنکھوں میں ہمدردی کی چمک دیکھی تو مسکرائے بغیر نہ رہ سکی۔ اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ شاہِ معظم اُسے اپنے میں آنے کے لئے خوش کر رہے ہیں اور باوجودیکہ بادشاہ نے چند ہی دن پہلے اُس سے شادی کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا پھر بھی نہشتہ اپنے آپ کو بادشاہ کے قریب پاکر محفوظ سمجھتی تھی۔

"عمر و دولتِ شاہ پایندہ باد" اس نے دربار کے معمولی انداز میں دربار کا خاص فقرہ کہا۔

"یہ ممکن ہو سکتا ہے" وارا نے متانت سے جواب دیا "ہزاروں آدمی یہی کہتے ہیں اور اگر میں یہ کہوں کہ یہ سب جھوٹ کہتے ہیں تو میں دُنیا کے ہر فرد کو جھوٹا سمجھنے پر مجبور ہو جاؤں گا۔ لیکن مجھے تمہاری ذات کے متعلق کچھ کہنا ہے۔ جو کچھ تم نے کہا یہ نہ کہنا بہت زیادہ آسان تھا۔ اس لئے ہم یہ سمجھنے پر مجبور ہیں۔ کہ اس طرح بے راہ روی اختیار کرنے اور ایسے قاطع دلایل کے ہوتے ہوئے مجھے دھوکا دینے کی کوشش کر رہے ہیں ـــــ اُس وقت جبکہ تمہاری ان غزالیں آنکھوں میں حقیقتاً آنسو موجود تھے تم نے یہ کہدیا کہ تم رو نہیں رہی ہو ـــــ تمہارا کوئی ذاتی مطلب تھا جس کو حل کرنے کا تم نے غلط راستہ نکالا۔ مرد سچ اور جھوٹ کو انہی وجوہ کی بنا پر استعمال کرتے ہیں۔ جو شخص سچائی کی عظمت کا قایل نہیں بہر صورت جھوٹ بولے گا کیونکہ اس سے اُسے زیادہ

فائدے کی اُمید ہے۔ وہ شخص جو جھوٹ بولتا ہے اس سے کچھ فائدے کی توقع رکھتا ہے اور جو سچ کہتا ہے وہ اس لئے کہتا ہے تاکہ آیندہ زمانے میں اُس کیلئے راستہ صاف رہے۔ لیکن کچھ بھی ہو نقطۂ نظر بہرحال ایک ہے۔ اس لئے شہزادی! مجھے بتاؤ کہ مجھے دھوکا دیکر تم کیا فایدہ حاصل کرنا چاہتی تھیں"۔

دارا یہ بحث ختم کرکے ہنس پڑا اور نہشتہ کی طرف دیکھنے لگا۔ نہشتہ بھی بے اختیار ہنسنے لگی۔ بادشاہ کا لطیف مزاج اس کے غم کو دُور کر رہا تھا۔ اس نے قدم بڑھا کر وہ جُوتا پہن لیا جو ابھی تک فرش پر پڑا تھا۔

"جو کچھ کنیز نے عرض کیا تھا وہ ایک طرح درست بھی تھا اور غلط بھی"۔ اس نے کہا۔ مَیں بڑی شدّت سے رو رہی تھی لیکن جب شاہِ معظّم کے تشریف لانے کی آواز سُنائی دی تو یکدم چُپ ہو گئی تھی۔ جہاں تک نقطۂ نظر کا تعلق ہے"۔ وہ ہلکی سی ہنسی ہنس کر بولی۔ "وہ شاید یہی تھا کہ آنسو خشک کرنے کے لئے تھوڑا سا وقت مِل جائے"۔

دارا نے اپنی جگہ بدلی۔

"مَیں جانتا ہوں" اس نے متفکر لہجے میں کہا۔ "مَیں جانتا ہوں کہ تم کیوں رو رہی تھی، یہ میرا ہی قصور ہے، مجھے معاف کر سکو گی شہزادی؟ مَیں بہت سریع العمل انسان ہوں اور مجھے احکام جاری کرتے وقت سوچنے کی عادت نہیں ہے"۔

نہشتہ نے دفعتہً مستفسرانہ انداز میں دیکھا۔

"مَیں نے اُسے بہت جلد باہر بھیج دیا"۔ بادشاہ نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا "اگر مَیں نے کچھ بھی سوچا ہوتا تو مَیں یقیناً اُسے تمہاری طرف بھیجتا تاکہ جانے سے پہلے وہ تم سے مِل لے۔ وہ یقیناً تم سے ملے بغیر جانا پسند نہ کرتا ــــ لیکن یہ سب غلطی

میری ہے۔ وہ بارہ دِن کے اندر اندر آجائیگا۔"

نہشتہ خاموش کھڑی اپنے ہونٹ چباتی رہی اور جب اُسے خیال آیا کہ زرتشت کا ایکا ایکی چلا جانا ہی اِس کے غم کا واحد باعث نہیں ہے تو اس کے سینے میں نئے سرے سے ہلچل مچ گئی۔ پھر اس کے ذہن میں ایک اور خیال بجلی کی سی تیزی سے کوند گیا۔ شاید بادشاہ نے اس کا دِل جیتنے کے لئے اس کے محبّ کو جان بوجھ کر یہاں سے بھیج دیا ہو۔

"حضور نے اُسے ہی کیوں بھیجا اور ــــ دُوسرے کو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔" اس نے آنکھیں اُٹھائے بغیر دیکھا وہ بھول گئی تھی کہ وہ بادشاہ کے سامنے بیٹھی ہے۔

"کیونکہ وہی ایک ایسا آدمی ہے جس پر مَیں پُورا اعتماد کر سکتا ہوں اور اِس کام کیلئے مجھے خاص طور پر قابلِ اعتبار پیغام رساں کی ضرورت تھی۔" دارا نے سادگی سے جواب دیا۔

نہشتہ نے بادشاہ کے چہرے کی طرف دیکھا۔ وہ کسی ایسے جذبے کی جھلک ڈھونڈ رہی تھی جس سے اُس کے اوہام کو سہارا ملتا لیکن بادشاہ نے بات انتہائی صدق دل سے کہی تھی۔

"مَیں نے سمجھا ــــ" وہ کچھ کہنا چاہتی تھی کہ یکدم رُک گئی اور اس کا چہرہ حیا کی سُرخی سے گلنار ہو گیا۔

"تم نے یہ سمجھا ہو گا کہ مَیں نے اُسے وہاں بھیجا ہے جہاں سے وہ واپس نہ آسکے گا کیونکہ مَیں تمہیں اپنی بیوی بنانا چاہتا ہوں۔ یہ قدرتی بات تھی لیکن انصاف تو یہ نہیں چاہتا۔ مَیں نے اُسے بھیجا ہے کیونکہ مَیں مجبور تھا۔ اگر تم چاہو تو ابھی چلا جاتا ہوں اور

وعدہ کرتا ہوں کہ زرتشت کے واپس آنے تک یہاں نہ آؤں گا۔"

نہشتہ اب بھی زمین ہی کی طرف دیکھ رہی تھی اور اب بھی اُس کا چہرہ سُرخ تھا اُسے اپنی سماعت پر اعتبار نہیں آتا تھا۔

"ہاں" اس نے ٹوٹتی ہوئی آواز میں کہا "یہی ــــ یہی سمجھتی تھی"۔ وہ فقرہ مکمل نہ کر سکی۔ دارا آہستگی سے اپنی جگہ سے اُٹھا۔

"خوش رہو میری شہزادی۔ تمہاری مرضی پُوری کی جائیگی"۔ اور وہ بھاری قدموں سے چلتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا۔ اس کا رنگ زرد پڑ گیا تھا اور ہونٹ آپس میں پیوست ہو رہے تھے۔

نہشتہ قدرے تذبذب میں پڑ گئی اور پھر دفعتہً اس عظیم الشان شخصیت کی رُوحانی عظمت اس پر ظاہر ہو گئی۔ وہ شخص جس کا نام سُنکر کائنات کا ہر ذرہ لرز اُٹھتا تھا، جو اپنے دشمنوں کو انڈے کے خالی چھلکوں کی طرح اپنے پاؤں تلے روند دینے کی قوت رکھتا تھا وہی شخص جب اپنی محبوبہ کو اپنے پنجے میں بے بس پاتا ہے تو اس کے سامنے اس لئے نہیں آنا چاہتا کیونکہ اس کا آنا اس کی محبوبہ کو ناگوار گذرتا ہے۔

وہ اُچھل کر اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔ بادشاہ کے پیچھے پیچھے بھاگی اور بادشاہ کے قدموں میں ایک گھٹنے پر جُھک کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ بادشاہ نے اس کی طرف نہ دیکھا لیکن اس کا ہاتھ نہشتہ کے نازک ہاتھ کے لمس سے شدّت کے ساتھ کانپنے لگا اور اس میں ایسی جُنبش پیدا ہوئی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ اُسے زمین پر سے اُٹھا لیگا۔

"نہیں" اس نے روتے ہوئے کہا "شاہِ معظم کو کنیز پر خفا نہ ہونا چاہئے۔ شاہِ معظم میری فریاد سُنیں کیونکہ وہ دُنیا کے بادشاہ ہیں اور شاہوں کے شہنشاہ"۔

اپنے جذبات کی رَو میں اس کا طرزِ تخاطب پھر ویسا ہی ہو گیا جیسا رعایا کے ایک حقیر فرد کا اپنے بادشاہ کے سامنے ہوا کرتا ہے۔

"کہو شہزادی" دارا نے جواب دیا۔ "اگر ممکن ہوا تو تمہاری عرض قبول کیجائے گی۔"

"کنیز چاہتی ہے" وہ کہتے کہتے رُک گئی اور سُرخی پھر اس کے گندم گوں چہرے پر منتشر ہو گئی۔ "مَیں چاہتی ہوں ـــــ مَیں نہیں جانتی کہ مَیں کیا چاہتی ہوں۔ لیکن مَیں حضورِ مکرم کی ممنون ہوں ـــ مَیں غمزدہ ہو رہی تھی حضورِ مکرم نے مجھے افکار سے نجات دلوائی۔ میرا یہ مطلب نہیں تھا کہ شاہِ مکرم کی زیارت سے محروم رہنا ہی میرے لئے احسن ہے۔"

اس نے آخری فقرہ سر جھکا کر اتنی دھیمی آواز میں کہا کہ دارا کو سُننے میں دِقّت ہوئی۔ لیکن اس کی سماعت نے نشتہ کے الفاظ اس تک پہنچا دیئے اور وہ سمجھ گیا۔

"کل تمہارے پاس آئیں شہزادی؟ اِسی وقت؟" اس نے ملتجیانہ انداز میں کہا۔

"نہیں۔ شاہِ معظم پر روشن ہے کہ باغ ہر دم درباری خواتین سے بھرا رہتا ہے۔" شہزادی نے قدرے تکلف سے کہا۔ کیونکہ اس کا خیال تھا کہ اگر درباری خواتین نے اُسے دُور سے بادشاہ کے ساتھ باتیں کرتے دیکھ لیا تو معاملہ برعکس ہو جائیگا۔

"گھبراؤ مت" دارا نے کہا۔ "باغ تمہارے لئے وقف کر دیا جائیگا۔ شوشان میں گلاب کے ہزاروں تختے ہیں جہاں عورتوں کا یہ ریوڑ جا سکتا ہے۔ تمہارے سوا اس باغ میں اور کوئی نہ آسکے گا۔ الوداع ـــــ ہم کل دوپہر کے وقت آئیں گے۔"

بادشاہ نے مُڑ کر نشتہ کی آنکھوں میں دیکھا اور نشتہ نے اظہارِ تشکر میں اس کا ہاتھ اپنی پیشانی پر رکھ لیا۔ ایک لمحے میں وہ چلا گیا اور اس کے پاؤں کی چاپ

باہر مرمریں راستے اور گلاب کے تختوں پہ درمیانہ روشوں پر سُنائی دینے لگی جب اُسے یقین ہو گیا کہ بادشاہ چلا گیا ہے تو نہشتہ وہاں سے نکل کر دوپہر کی سُنہری دُھوپ میں آ گئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس میں ایک پُراسرار تغیّر پیدا ہو گیا ہے جس کو وہ سمجھنے سے قاصر ہے۔

تنہائی کے مسرت آفریں جذبۂ تحفّظ کے زیر اثر وہ بھاگتی ہوئی نیچے اُتری اور پھولوں کی روشوں اور پگڈنڈیوں پر کلیلیں کرنے لگی۔ پھر اس نے پھولوں سے لدی ہوئی گلاب کی ایک بڑی ٹہنی کو جھکا کر اپنا حسین چہرہ معطر اور رنگین پتیوں میں چھپا لیا۔ مدہوش کُن بُو سونگھی اور خود بخود ہنسنے لگی۔

"کتنی خوش ہوں میں" اس نے بآواز بلند کہا۔

لیکن جب اُس نے اپنے محسوسات کو سمجھنے کی کوشش کی اس کا چہرہ دفعتہً متین ہو گیا۔ بہرحال زرتشت صرف بارہ دنوں ہی کے لئے باہر گیا ہے اور اس عرصے میں باغ کی اِن کیف زا تنہائیوں میں آزادی کے دِن بسر کرنے کی اجازت اُسے مل گئی ہے۔ وہ اس سرور انگیز باغ میں آزادی سے ٹہلنے لگی اور جی بھر کر مکمّل آزادی کے ساتھ زرتشت کی یاد میں محو ہے گی۔ اور خط؟ یہ یقیناً جعلی تھا۔ وہ چالاک عورت زرتشت سے محبّت کرتی ہے چاہتی ہے کہ نہشتہ اس سے دست بردار ہو جائے جب بادشاہ دُوسرے دن آئیں تو شاید نہشتہ اس کے متعلق اُسے بھی کچھ کہہ دے۔ اس کا غصّہ کس حد تک شاہانہ ہو گا؟ وہ اس جھوٹ کو کتنی نفرت کی نگاہ سے دیکھے گا۔ لیکن اس کے باوجود اُسے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ کوئی پُراسرار وجہ ایسی ہے جس کی بنا پر وہ دارا کو اپنی اس مخصوص تکلیف میں شریک نہیں کر سکتی۔ وہ اتنا شریف النفس اور اتنا مہربان ثابت ہوا ہے گویا وہ خود بادشاہ

نہیں جس کی دائیں اور بائیں مٹھی میں موت اور زندگی بند ہے، جس کا سایہ دُنیا کے لئے انتہائی خوف کا باعث ہے اور جس کے مختصر سے حکم پر ساری کی ساری قوم ہتھیار بند ہو کر دشمن کا تختہ پلٹ دیتی ہے بلکہ وہ ایک مہربان بھائی ہے۔ کیا یہی وہ خوفناک دارا ہے؟ وہی شخص جس نے غاصب کو اپنی تلوار کی ضربوں سے موت کے گھاٹ اُتار دیا تھا؟ جس نے بابل کے باغیوں کی چند دنوں میں سرکوبی کر دی تھی اور ہزاروں جنگی قیدی ساتھ لے آیا تھا؟ وہ ایک لڑکی کی طرح نرم دل تھا، وہ خوفناک جنگجو سپاہی ـــــ لیکن جب دارا کا چہرہ اس کے تصوّر میں آیا تو اُسے یاد آگیا کہ جب بادشاہ سنجیدگی سے کسی مسئلے پر غور کرتا ہے تو اس کے چہرے پر کتنی خوفناک روشنی چمکنے لگتی ہے۔ اِس خیال سے وہ متنفر سی ہو گئی اور پھول کی ایک نازک پتّی کو اپنے خوبصورت دانتوں سے کاٹتی ہوئی باغ کی روش پر اِدھر سے اُدھر ٹہلنے لگی۔ اسکے ذہن میں ہزاروں خیالات تھے اور ان میں اکثر یہ تھے کہ وہ کس طریقے سے آٹوسہ سے اُس رنج و کرب کا انتقام لے جس میں آج صبح اُسے مبتلا کر دیا گیا تھا۔

اِسی وقت آٹوسہ صبح کی عظیم الشان فتح کے خیال سے پھولی نہ سماتی تھی اور دل ہی دل میں وہ تجویز سوچ رہی تھی جس سے وہ زرتشت کے آنے تک نہشتہ کو کباب سیخ کی طرح تڑپا سکے اور اس کے ظلم و جور میں کسی قسم کی کمی واقع نہ ہو۔ کچھ وقفے کے بعد اس کی رازدار کنیز نے اُسے اطلاع دی کہ بادشاہ خود باغ میں تشریف لیگئے تھے اور نہشتہ سے گفتگو فرماتے رہے تھے۔ یہ سُن کر آٹوسہ کو رُوحانی مسرت کا احساس ہوا۔ اب اگر دُوسرے دِن بادشاہ نہشتہ سے ملنے گئے تو ملکہ کے لئے یہ انتہائی آسان بات ہوگی کہ وہ بادشاہ کے سامنے نہشتہ سے ملے اور پھر دار

گول گول باتوں میں زرتشت کا ذکر کر کے نہشتہ کو اُس خلش میں مبتلا کر دے جس کی چبھن کا اظہار بادشاہ کے سامنے کرنا نہشتہ کے لئے ممکن نہ ہوگا۔

لیکن اس کے پہلو بہ پہلو اس خبر نے اُسے ایک اور طرح غلطاں کر دیا۔ وہ یقیناً اِس امر کے لئے تیار نہ تھی کہ نہشتہ گھنٹوں تک بادشاہ کے پاس رہے۔ وہ جانتی تھی کہ نہشتہ کے دل کی ساری دُنیا زرتشت کے لئے وقف ہے لیکن وہ یہ بھی سمجھتی تھی کہ وہ قلبی اطمینان جو بادشاہ ایک عورت کے لئے بہم پہنچا سکتے ہیں دل جیت لینے کیلئے بہت کافی ہے۔ اگر حالات اِس طرح پلٹ جائیں تب بھی اس نے اِرادہ کر لیا تھا کہ وہ نہشتہ اور بادشاہ کی شادی کرا دے گی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ جب نہشتہ اپنی خواہشات کی تکمیل دیکھ کر مسرت کی معراج پر ہوگی اُس وقت اُسے گرا کر ذلیل و رسوا کر دینا ملکہ کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔

اِتفاق ایسا ہوا کہ بادشاہ نے اُس رات صِرف ملکہ آٹوسہ کی معیت میں رات کا کھانا تناول کرنے کا فیصلہ کیا۔ وہ جب درباری تکلفات سے اُکتا جایا کرتے تھے تو عموماً ایسا ہی کرتے تھے۔ اِس لئے جب غروبِ آفتاب کے قریب وہ دونوں محل کی دُوسری منزل کے ایک تنہا کمرے میں بیٹھے تو ملکہ کو نہشتہ اور اسکی کارروائیوں کے متعلق بحث کرنے کا سُنہری موقعہ ہاتھ آ گیا۔

دارا دسترخوان کے ایک طرف ایک نرم گدّے پر نیم دراز تھا اور ملکہ اس کے بالمقابل ایک دُوسرے گدّے پر بیٹھی تھی۔ ہوا میں خشکی اور شدّت کی گرمی تھی اور دو سیاہ فام ہوا کش کنیزیں خاموشی سے اپنی پوری قوت خرچ کر کے پام کے پتّے ہلا رہی تھیں۔ بادشاہ ایک گدّے پر پُشت کے بل لیٹا ہوا تھا۔ اس کا سر ننگا تھا

اور اس کے بھرے گھنگریالے بال پُشت پر بکھرے ہوئے تھے۔ اس کا چوڑا مضبوط ہاتھ ایک سادہ سی طلائی صراحی کے گرد لپٹا ہوا تھا جو میز پر پڑی تھی۔ اس نے اپنا سینہ بند کھول دیا تھا اور سُرخی مایل سفیدی کی جھلک اس کے لبادے پر کھیل رہی تھی۔ لیکن ہندوستانی فولاد کی تیز تلوار اس کے قریب ہی رکھی تھی۔ آٹوسہ کہنیاں ٹیکے لیٹی تھی۔ اس کی تیز نیلی آنکھیں بادشاہ کے چہرے پر گڑی ہوئی تھیں اور اس کے چہرے سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ بادشاہ کے الفاظ سُننے کی منتظر ہے۔ آج خلاف معمول وہ ایک چھوٹے سے یونانی فیشن کے کوٹ میں ملبوس تھی جس کی تنگ آستینوں کو طلائی کنگن کندھے پر تھامے ہوئے تھے۔ اس کے خوبصورت بال ایک لمبی چوٹی کی صورت میں اس کے سر سے کہیں نیچے تک لٹک رہے تھے۔ اس کی خیرہ کُن باہیں اور گلا برہنہ تھا لیکن دائیں ہاتھ کی کلائی پر ایک چمکدار طلائی سانپ لپٹا ہوا تھا۔ یہی اس کا گہنا تھا۔

"آج شاہِ معظم کو پیاس نہیں لگی" آٹوسہ نے بھری ہوئی صراحی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جو بادشاہ کے ہاتھ میں تھی لیکن ابھی اُٹھائی نہیں گئی تھی۔

"ہم ہر وقت پیاسے نہیں رہتے"۔ دارا نے جواب دیا۔ "کیا تم چاہتی ہو کہ مَیں بابل کے کتّوں کی طرح ہر وقت نشے کی حالت میں رہوں؟"

"نہیں! اور نہ ہی ہر وقت پارسی کپتان کی طرح نشے سے گریزاں"

"کون پارسی کپتان؟" بادشاہ نے دفعتہً اس کی طرف دیکھ کر ماتھے پر بل ڈالتے ہوئے کہا۔

"جس کی عقلمندی کی وجہ سے شاہِ معظم نے آج اُسے نینوا کی طرف روانہ فرمایا ہے"

"ہم نے آج کسی کو نینوا کی طرف نہیں بھیجا۔"

"تو پھر اکبانتا کی طرف تاکہ حضورِ مکرم کو معلوم ہو جائے کہ مَیں نے اپنے غلام فردر وتس کے متعلق حضورِ اعلیٰ کی خدمت میں جھوٹ نہیں بولا تھا۔" ملکہ نے نفرت آمیز طنز سے چمکتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ کہا۔

"ہم تمہیں یقین دلاتے ہیں" بادشاہ نے جواب دیا۔ "کہ محض تمہارے دلفریب حُسن کی بدولت آج تک تمہیں قتل نہیں کرایا گیا۔ جونہی تمہاری شکل و صورت میں فرق پیدا ہوا تم یقیناً قتل کر دی جاؤ گی۔ پھر بھی یہ میری بہت بڑی حماقت ہے۔"

ملکہ نے بھی دھیمی آواز میں ایک نقرئی قہقہہ لگایا۔

"مَیں اپنے حُسن کی ممنون ہوں کہ اس نے ابھی تک مجھے موت سے بچائے رکھا ہے" اس نے کہا۔ "مَیں جانتی ہوں کہ مَیں بہت حسین ہوں لیکن اب مَیں دُنیا کی حسین ترین عورت نہیں رہی۔"

ملکہ کی گفتگو یا چہرے کے تاثرات سے ہرگز یہ ظاہر نہیں ہوتا تھا کہ اس کے دل میں خوف کا شمہ بھی ہے۔ وہ اسے ایک لطیف مزاح سمجھ رہی تھی۔

"نہیں" دارا نے متفکرانہ انداز میں کہا۔ "مَیں سمجھتا تھا کہ تم دُنیا کی حسین ترین عورت ہو، آدمی فطرتاً رائے بدلنے پر مجبور ہے۔ بہرحال تم بہت خوبصورت ہو۔ مجھے تمہارا یہ یونانی لباس اچھا لگتا ہے۔"

"اپنی کنیز کے ہاتھ اسی قسم کا ایک جوڑا نہشتہ کو بھی بھیج دوں؟" آٹوسہ نے ایک دلفریب مسکراہٹ کے ساتھ اپنی نازک بھنویں اُٹھاتے ہوئے پوچھا۔

"ہمارے دل میں اس کی جگہ پیدا کرنے کے لئے تمہیں اُس کی ظاہری شکل و شباہت

تبدیل کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔" دارا نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔ "لیکن بہرحال مذاق بڑا پُرلطف ہے۔ کسی زیور کی بجائے اُسے ہندوستانی سانپ بھیجئے تو زیادہ بہتر اور حسبِ حال رہے گا۔"

"ہاں" ملکہ نے جواب دیا جو بادشاہ کی فطرت کو خوب سمجھتی تھی۔ "حضور مجھ سے یہ توقع نہیں رکھ سکتے کہ میں بھی اُس عورت سے نفرت نہ کرنے لگوں جس کو حضورِ کرم مجھ سے زیادہ خوبصورت تصوّر فرماتے ہیں۔ یہ بالکل غیر فطری ہے۔ اور اِنتہائی بدقسمتی کی بات ہے کہ وہ لڑکی اُس متین پارسی کپتان کو شاہِ معظم پر ترجیح دے۔"

"یہ بدقسمتی ہی کی بات ہے ـــــ ہاں ـــــ اور تمہارے لئے سب سے زیادہ بدقسمتی کی بات۔"

"میرا مطلب یہ ہے کہ جب حضورِ عالی اُسے اپنی زوجیت میں لے لیں گے تو یہ خیال سخت تکلیف دہ بن جائیگا۔"

دارا نے صراحی کو اُٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیا اور ایک ہی گھونٹ میں خالی کر دیا۔ جب صراحی واپس دسترخوان پر رکھی گئی تو ملکہ نے خود اُٹھ کر اُسے قریب ہی رکھے ہوئے ایک طلائی مٹکے سے دوبارہ بھر دیا۔ شیراز کی سُرخ، میٹھی اور تُند و تیز شراب نے بادشاہ کے ذہن پر فوری اثر کیا اور اس نے ملکہ کا چھوٹا سا سفید ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر اس کی طرف دیکھا۔

"کتنا خوبصورت ہے یہ ہاتھ۔" اس نے کہا۔ "نہشتہ کی اُنگلیاں تمہاری اُنگلیوں سے قدرے چھوٹی ہیں ـــــ کچھ زیادہ باریک ـــــ گہرائی میں کچھ کمزور۔ مجھے نہشتہ سے شادی کرنی چاہئے یا نہیں؟" اس نے سوال کر کے ملکہ کے

چہرے کی طرف دیکھا اور ہنس دیا۔

"نہیں" آٹوسہ نے بھی ہنستے ہوئے جواب دیا۔

"زرلشت کے ساتھ شادی کر دیں اس کی"۔

"نہیں" اس نے پھر جواب دیا لیکن اس دفعہ اسکی آواز میں تصنع کانپتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔

"تو پھر کیا کریں اس کا" بادشاہ نے پوچھا۔

"گلا گھونٹ کر مار دیجئے" آٹوسہ نے بادشاہ کا ہاتھ دباتے ہوئے نڈر آواز میں کہا۔

"اگر تم بادشاہ ہوتیں تو پارس کی سرزمین لاشوں سے پٹ جاتی"۔

"میں سمجھتی ہوں کہ لاشیں اب بھی کم نہیں" ملکہ نے کہا "شاید ایک ــــ یا دو ــــ"

بادشاہ کا چہرہ دفعتہً متین ہو گیا اور اس نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

"دیکھو" اس نے کہا "میں مذاق پسند کرتا ہوں لیکن مذاق میں میرے سامنے حد سے مت بڑھو۔ نہشتہ کو تکلیف پہنچانے کی کوشش نہ کرنا ورنہ میں تمہارے اس مذاق کو ہمیشہ کیلئے ختم کر دوں گا۔ تمہاری اس خوبصورت سفید گردن پر رسی کا نشان بہت برا دکھائی دیگا"۔

ملکہ نے ہونٹ دانتوں تلے دبا لئے۔ بادشاہ نے اس کے ساتھ شاذ و نادر ہی متانت سے گفتگو کی تھی اور آج کی بات نے اسے لرزا دیا تھا۔

دوسرے دن جب وہ باغ کی طرف گئی تو اس نے دیکھا کہ باغ کے دروازے پر دو قد آور نیزہ بردار کھڑے ہیں۔ ملکہ جب دروازے میں سے ہو کر گذرنے لگی تو نیزہ برداروں نے اپنے نیزوں سے راستہ روک دیا اور پتھر کے مجسموں کی طرح خاموشی سے کھڑے ہو گئے۔

(۱۰)

آٹوسہ حیران ہو کر پیچھے ہٹ گئی اور ان دونوں محافظوں کا چہرہ یکے بعد دیگرے دیکھنے لگی۔ پھر اس نے غصّے کی حالت میں اُن دونوں کے نیزوں پر اپنے ہاتھ رکھ دیئے وہ چاہتی تھی کہ زبردستی اِن نیزوں کو ہٹا کر اندر چلی جائے لیکن وہ ایسا نہ کر سکی۔

"کِس کے کُتّے ہو تم۔ تم ملکۂ عالیہ کو بھی نہیں پہچانتے۔ ہٹ جاؤ راستے سے"۔ اس نے غضبناک لہجے میں کہا۔

لیکن دونوں شہزور سپاہی پہاڑ کی طرح اٹل کھڑے رہے۔ نہ انہوں نے ملکہ کو جواب دیا اور نہ ہی اس کے حکم کی تعمیل کی۔

"کُتّے کی شکل والے غلام" ملکہ نے دانت پیس کر کہا۔ "سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے تمہیں صلیب پر کھنچوا دوں گی"۔

وہ پلٹ کر واپس چلی گئی لیکن وہ دل میں خوش تھی کہ اس تنگ راستے میں اس کی ایسی بے عزتی دیکھنے والا کوئی تیسرا آدمی آس پاس نہ تھا۔ یہ واقعہ اس کی زندگی میں اپنی نوعیت کا پہلا واقعہ تھا۔ آج سے پہلے کسی ماتحت نے اس کے حکم سے انحراف کی جرأت نہ کی تھی لیکن جب آدھ گھنٹے کے بعد اُسے معلوم ہوا کہ

پہرہ دار شاہِ معظم کے احکام کی تعمیل کر رہے ہیں تو اس نے خاموشی سے اپنا سر جھکا دیا اور اپنی تجویزیں مناسب ردّوبدل کرنے کے لئے اپنے کمرے میں چلی گئی۔

وہ کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی۔ شاہِ معظم کے احکام کے خلاف آواز اُٹھانے کی کسے جُرأت تھی؟ یہ شاہِ معظم کا حکم تھا کہ نہشتہ کے سوا باغ میں اور کسی کو جانے کی اجازت نہ دی جائے خواہ وہ ملکہ معظمہ ہی کیوں نہ ہوں۔ بادشاہ نے خود پہرہ دار مقرر کئے تھے اور اپنی زبان خاص سے احکام صادر فرمائے تھے۔

پُورے گیارہ دِن دروازے پر محافظ کھڑے رہے لیکن ملکہ نے دوبارہ باغ میں جانے کی کوشش نہ کی۔ دارا اس جُرم کی سزا بڑی خوفناک تجویز کرتا اور ملکہ جانتی تھی کہ کتنے نازک حالات پیدا ہو چکے ہیں۔ اس نے بادشاہ کے احکام کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا اور اپنی ساری ذہنی قوتیں دوسرے مسایل کے لئے وقف کر دیں۔

ہر روز نہشتہ پُروقار انداز کے ساتھ اینڈتی اور اکڑتی ہوئی دوپہر سے ایک گھنٹہ قبل دروازے میں سے گذرتی اور گلاب اور چنبیلی کی معطر دُنیا میں روپوش ہو جاتی۔ ہر روز عین اُس وقت جبکہ آفتاب نصف النہار پر ہوتا شاہِ معظم نیزہ برداروں کا سلام قبول کرتے اور نہشتہ کی طرح باغ کی رنگین فضاؤں میں جا کر نظروں سے اوجھل ہو جاتے۔

ملکہ کی طرف دارا کا طرزِ عمل دفعتہً ایسا خشک اور روکھا ہو گیا تھا کہ ملکہ اس کے سامنے باغ کا ذکر کرتے ہوئے گھبراتی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اگر اس نے باغ کا نام بھی زبان پر آنے دیا تو بادشاہ کا غیظ و غضب مصائب کا پہاڑ بن کر اس کے سر پر ٹوٹ پڑیگا اور اس کی درباری زندگی ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائیگی۔ بہت ممکن تھا کہ اس کی جسمانی زندگی بھی اسی چکّی میں پس جائے۔

جہاں تک نہشتہ کا تعلق تھا اس کے پاس سوچنے کے لئے کافی مواد اور تصور کرنے کے لئے کافی سے زیادہ وقت تھا اگرچہ یہ دن مسرت اور راحت کے دن نہ تھے تاہم ان میں وہ سکون ضرور تھا جو اس نوزائیدہ آزادی کا رہین منت تھا۔ اگر وہ چاہتی تو شاہ معظم اُسے لاتعداد غلام، باندیاں اور ہیرے جواہر عنایت فرما دیتے۔ اس نے کہا تھا کہ اس کی ضرورت کی تمام چیزیں اس کے پاس موجود ہیں اور یہ بات فخریہ انداز میں کہی تھی۔ البتہ اتنی بات ضرور تھی کہ بادشاہ دوپہر کے وقت تشریف لایا کرتے تھے۔ اور روز بروز ان کا وقت باغ میں زیادہ صرف ہونے لگا تھا اور آخر نوبت یہاں تک آگئی تھی کہ بادشاہ دوپہر کے آئے شام کے قریب باغ سے برآمد ہوتے تھے۔

نہشتہ بالعموم بہشت پہلو کمرے میں بادشاہ کا انتظار کیا کرتی تھی اور جوں جوں یہ دونوں ایک دوسرے کی طبیعت کو سمجھتے گئے بادشاہ نے اُسے تعظیم دینے اور درباری پُرتکلف زبان استعمال کرنے سے بھی روک دیا۔ وہ آتا اور اس کے پاس بیٹھ کر باتیں کرتا۔ اس پر سوال کرتا اور اس کے جوابات سُنتا گویا وہ بھی اپنی رعیت ہی کا ایک فرد ہے۔ سلطنت کے لاتعداد کاموں اور بیشمار فکروں کے بوجھ تلے دبا ہوا شہنشاہ نہیں بلکہ ایک آزاد منش بے پروا سپاہی ہے۔

زرتشت کو اکبانتا کی طرف گئے ایک ہفتہ گذر چکا تھا اور بادشاہ معمول کے مطابق پتھر کی چوکی پر بیٹھا تھا۔ نہشتہ اس کے پاس گدّوں پر بیٹھی ہر اس معمولی سے معمولی بات کے متعلق گپیں ہانک رہی تھی جسے موضوعِ گفتگو بنایا جا سکتا تھا۔ اسے محسوس ہوتا تھا کہ دارا معمول سے زیادہ چُپ چُپ ہے اور اس کا سیاہ رنگ چہرہ

زرد پڑ گیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی پُراسرار کشمکش سے تھک کر چُور چُور ہو رہا ہے۔ نہشتہ باتیں کرتے کرتے یکدم خاموش ہو گئی اور بادشاہ کے جواب کا اِنتظار کرنے لگی۔

"نہشتہ! تم جانتی ہو" آخر اس نے تھکی ہوئی آواز میں کہا۔ "کہ مَیں اپنی زندگی میں سب سے بھدا اور بُرا کام کر رہا ہوں"۔

نہشتہ چونک پڑی اور اس کے چہرے کا رنگ متغیّر ہو گیا۔

"یُوں کہئے کہ آپ اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ رحمدلی کا کام کر رہے ہیں"۔ اس نے زیرِلب جواب دیا۔

"اگر یہ کام بُرا نہیں تو احمقانہ یقیناً ہے"۔ دارا نے اپنی ٹھوڑی اپنے ہاتھ پر رکھکر قدرے آگے کی طرف جُھکتے ہوئے کہا۔ "مَیں چاہتا ہوں کہ یہ احمقانہ ہو بُرا نہ ہو — لیکن مجھے خوف ہے کہ اِس کام میں یہ دونوں باتیں موجود ہیں"۔

نہشتہ سمجھتی تھی کہ وہ کیا کہنا چاہتا ہے۔ اُسے معلوم تھا کہ وہ گفتگو کا موضوع بدل بھی سکتی ہے اور ہزاروں طریقوں سے اُس کی بات کاٹ سکتی ہے۔ لیکن اس نے اِن میں سے ایک بات بھی نہ کی۔ اس کے دل میں ایک ناقابلِ فہم خواہش پیدا ہوئی وہ نہ جانے کیوں دارا کے مُنہ سے یہ سُننے کے لئے بیتاب ہو گئی کہ وہ اُس سے محبّت کرتا ہے۔ اِس میں نقصان ہی کیا ہے؟ وہ آنا باوفا اور شریف النفس ہے کہ دوستی کی حد سے متجاوز ہونا اس کے لئے طبعاً ناممکن ہے۔ ساری دُنیا اس کی زیرِ نگیں ہے۔ اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے اُسے کسی کوشش کی ضرورت نہیں لیکن اس کے باوجود وہ کتنا با اصول اور مہربان اِنسان ہے۔ اس کی زبان سے نکلا ہوا ایک لفظ زشت کے

نام کو ماضی کی ایک دھندلی یاد میں بدل سکتا ہے اور دوسرا لفظ نہشتہ کو بادشاہ کی بیگم بنا سکتا ہے۔ اُسے اپنے جذبات کو چھپانے اور اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے اچھے ہتھیار استعمال کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ وہ شاہِ عالم جس کے سائے میں موت اور زندگی سانس لیتی ہے جس کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ قانون کا حکم رکھتا ہے اس کی خواہشات اور خواہشات کی تکمیل کے درمیان کوئی چیز حایل نہیں ہو سکتی — سوائے اُس فطری انصاف اور طبعی سچائی کے جس پر وہ ایسے شاہانہ طریقے سے اعتماد رکھتا تھا۔ نہشتہ کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس پر کامل اعتبار کر سکتی ہے اور وہ — محض تجسس کی بنا پر — اس کی زبان سے محبت کے الفاظ سننے کے لئے بے چین تھی۔ یہ محض ایک لمحے کی بات ہے — محبت کے الفاظ آنکھ جھپکتے میں کہے جا سکتے ہیں اور پھر جب وہ اُسے منع کر دے گی تو وہ ان کا اعادہ عمر بھر نہیں کریگا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اس خود مختار قوت کے جن کو اپنی مرضی کے مطابق عمل کرنے پر مجبور کرنے میں اُسے کیوں مسرت محسوس ہوتی تھی۔ وہ اُس شخص کو بولنے سے باز رکھ سکتی تھی یا اُسے بولنے کی اجازت دے سکتی تھی جو دُنیا کے اِس سرے سے لے کر اُس سرے تک حکومت کرتا تھا اور جس سے لوگ اتنے ہی خائف تھے جتنے خود موت سے تھے۔

اس نے جواب دیتے وقت اوپر دیکھا۔

"یہ کس طرح ممکن ہو سکتا ہے کہ کسی دُوسرے کو خوش کرنے کی کوشش میں حماقت یا بُرائی کا عنصر ہو۔"

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرے اِس فعل میں یہ دونوں چیزیں نہیں — لیکن اس کے باوجود نہ معلوم وہ کونسی قوت ہے جو مجھے یہ باور کرنے پر مجبور کر رہی ہے کہ اس میں

یہ دونوں اجزا موجود ہیں۔" بادشاہ نے بڑی متانت سے جواب دیا۔ "یہاں میں تمہارے پاس ہر روز آکر بیٹھتا ہوں، اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا ہوں اور اپنے آپ کو اِس خیال سے دھوکا دیتا رہتا ہوں کہ میں تمہارے تنہائی کے ایام میں ایک خوشگوار تبدیلی پیدا کر رہا ہوں لیکن ....."

"اِس میں دھوکا دینے کی کیا بات ہے"۔ نہشتہ نے بات کاٹ کر کہا۔ وہ بادشاہ کی زبان سے زرتشت کا نام سُننا نہیں چاہتی تھی۔ "میں شکریہ ادا نہیں کر سکتی"۔

"شکر گذار میں ہوں تمہارا شہزادی!" بادشاہ نے اپنی باری پر بات کاٹی۔ "میں بیحد شکر گذار ہوں کہ تم مجھے ہر روز اپنے پاس آنے کی اجازت دے دیتی ہو۔ مجھے اجازت دیتی ہو کہ میں تمہارے پاس آکر گھنٹوں باتیں کرتا رہتا ہوں اور تم میرے آنے پر مسرت کا اظہار کرتی ہو ....." وہ کچھ جھجک کر خاموش ہو گیا۔

"اِس میں بُرائی یا حماقت کی تو کوئی ایسی بات نہیں"۔ نہشتہ نے دفعتہً مُسکراتے ہوئے اس کے چہرے کی طرف دیکھ کر کہا۔

"اِس میں کچھ ایسی بات ہے جس کو میں اپنے خیال کے قریب لانے سے بھی گھبراتا ہوں"۔ بادشاہ نے جواب دیا۔ "تم کہتی ہو کہ تمہارا وقت خوشی خوشی کٹ جاتا ہے۔ کیا تم نے کبھی یہ بھی سوچا کہ یہ وقت میرے لئے کتنا کٹھن ہوتا ہے؟" اس کی آواز دھیمی پڑ گئی۔ "میں یہاں ہر روز آتا ہوں اور ہر نئے دِن کے ساتھ میری محبت بھی بڑھتی جاتی ہے۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں اس کے چھپانے کی ضرورت ہی کیا ہے ـــــ لیکن کاش میں اسے چھپا سکتا۔ شاید تمہیں مجھ پر رحم آتا ہے کیونکہ تمہیں مجھ سے محبت نہیں ہو سکتی۔ تمہیں مجھ پر رحم آتا ہے ـــــ مجھ پر جس کے قدموں کے نیچے دُنیا ہے اور جو مصری

بازیگر کی طرح اِس گیند کو جہاں چاہے گھما کر لے جا سکتا ہے۔" وہ یکدم خاموش ہو گیا۔
"کاش تم مجھ سے محبّت نہ کرتے۔" نہشتہ نے متانت سے جواب دیا۔ وہ زمین کی طرف دیکھنے لگی۔

حقیقت یہ ہے کہ شاہِ معظم کا اعترافِ محبّت اتنا سرور انگیز اور لذّت پاش تھا کہ نہشتہ کو خوف پیدا ہو گیا کہ اس کی آنکھیں اس کی مُسکراتی ہوئی رُوح کی غمّازی نہ کر دیں۔ خود اُسے بادشاہ سے محبّت نہ تھی اور وہ حیران تھی کہ بادشاہ اس کے بعد کیا کریں گے۔

"تو پھر تم یہ بھی تمنّا رکھنے لگو کہ جب بارش نہ ہو اور آفتاب کی آنکھیں شعلے برسائیں اُس وقت وہ تپتے ہوئے ریگستان کو جھلسنا چھوڑ دیں۔" اس نے گریز پا غصّے کی حالت میں کہا۔ "کم از کم مجھے یہ اطمینان حاصل ہے کہ میری محبّت تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا رہی ـــــ تم کم از کم مجھے اپنا دوست سمجھتی ہو۔"

"سمجھتی ہوں ـــــ تمہاری دوستی شاید میری زندگی کی عزیز ترین شے ہے۔" شہزادی نے بلند آواز سے پُرجوش لہجے میں کہا۔

بادشاہ کی کالی کالی آنکھوں میں ایک ملکوتی چمک کانپ اُٹھی۔

"شاید! ـــــ ہاں سچ کہتی ہو نہشتہ میری دوستی اور دوسرے مرد کی محبّت عزیز ترین چیز ہی ہونی چاہیئے۔ اس کی محبّت کے بغیر میری دوستی کی وقعت ہی کیا ہے؟ امورا تھا اور آسمان کے چھ فرشتوں کی قسم میں یہ دِل سے چاہتا ہوں کہ کاش تمہیں میری محبّت اور کسی دُوسرے کی دوستی پر فخر ہوتا۔ میری تمنّا ہے کہ زرتشت بادشاہ ہوتا اور مَیں بادشاہ کا ادنیٰ نوکر زرتشت ہوتا۔ مَیں پارس، ماویا، بابل، مِصر اور اپنی سلطنت کے تمام دُور افتادہ علاقے تمہاری

پیاری زبان سے صرف یہ الفاظ سُننے کے لئے قربان کرسکتا ہوں کہ "دارا! مجھے تم سے محبت ہے"۔ مَیں اپنا بایاں ہاتھ قربان کرسکتا ہوں۔ مَیں اپنا دل سینے سے نکال کر تمہارے قدموں پر بھینٹ کرسکتا، اپنی رُوح تمہارے اِن خوبصورت پاؤں پر قربان کرسکتا ہوں ـــــ مَیں قربان کرسکتا ہوں اپنی زندگی، اپنی قوت، اپنی صولت، اپنی سلطنت اِن الفاظ پر" دارا! آؤ اور اپنی باہیں میری گردن میں حمائل کردو۔ اُف! تم نہیں جانتی کہ یہ تمہارے قدموں کی پرستش کرنے کے لئے آسمان کی بے قیاس بلندیوں سے بھی ارفع، تمہیں اپنے دامن میں بھر لینے کے لئے کائنات کی بے کراں وسعتوں سے بھی وسیع تر اور ہمیشہ تمہارے لئے وقف رہنے کے لئے سمندر کی ناقابلِ پیمائش گہرائیوں سے بھی کہیں زیادہ گہری ہے"۔

بادشاہ کی مضبوط آواز اور اس کے زوردار الفاظ میں اتنی زبردست گہرائی تھی کہ سُننے والا جواب دینے پر مجبور ہوجاتا تھا۔ نشتہ کو افسوس تھا کہ اس نے بادشاہ کو اپنے جذبات کے اظہار کا موقع کیوں دیا ہے ـــــ لیکن وہ یہ بھی نہیں چاہتی تھی کہ اِن زوردار الفاظ کا مخاطب اس کے سوا کوئی اور ہو۔ اس نے اپنے ایک ہاتھ سے اپنی آنکھیں ڈھانپ لیں اور خاموش کھڑی رہی ـــــ کیونکہ وہ کچھ کہہ ہی نہ سکتی تھی۔ ایک نیا جذبہ اس کے دل میں پیدا ہوچکا تھا اور اس نئے جذبے نے اس کی قوتِ گویائی کو سلب کرلیا تھا۔

"تم خاموش ہوگئی ہو"، بادشاہ نے کہا "تم بھی سچی ہو۔ تم جواب دو بھی تو کیا؟ میری آواز اُس پاگل کی سماعت پاش چیخوں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی جو کسی زنجیر سے باندھ دیا گیا ہو اور وہ اُس زنجیر کو نہ توڑ سکے۔ اگر مجھ میں پہاڑ کی

قوت بھی پیدا ہو جاتی تب بھی مَیں تمہارے دل میں جگہ حاصل کرنے میں ناکام رہتا۔ مَیں جانتا ہوں۔ دُنیا کی ساری نعمتیں مجھے حاصل ہیں۔ لیکن یہ سماوی نعمت ـــــ تمہاری یہ محبّت میرے لئے نہیں ہے کیونکہ تم نے اِسے کسی اَور کے حوالے کر دیا ہے۔ کاش! مَیں یہ حاصل کر سکتا۔ اگر مجھے تمہاری محبّت مِل جاتی تو مَیں انسانیت کی فطرت بدل دیتا۔ تم کس سے محبّت کرتی ہو؟ ایک کپتان سے ایک جنگجو سپاہی سے مَیں تمہیں بتاتا ہوں۔ کیونکہ تم نے اس کی اتنی عزّت افزائی کی ہے، اپنے دل کے تخت پر اُسے بٹھا دیا ہے، مَیں بھی اُس کی عزّت کروں گا اور اُس کی دُنیاوی حیثیّت میں اتنا اضافہ کر دوں گا کہ ساری قوم کی گردنیں اُس کے سامنے جُھک جائیں گی۔ مَیں ساری سلطنت میں احکام نافذ کر دوں گا کہ وہ ایک دیوتا کی حیثیّت سے پُوجا جائے ـــــ وہ انسان جس کو تم نے اپنی محبّت کے جادُو سے آدمی سے دیوتا بنا دیا۔ مَیں تم دونوں کا ایک شاندار مندر بناؤں گا اور پھر ساری قوم کو اپنے ساتھ لیکر خود اُس مندر میں جا کر تمہاری پرستش کروں گا۔ مَیں اپنے جسم کے ہر ذرّے کو تمہارے قدموں میں جُھکا دوں گا۔ اپنی رُوح کی ہر خواہش کو تمہارے قدموں پر نچھاور کر دونگا۔ تمہارا محبوب جو چیز بھی مجھ سے مانگے گا مَیں اُسے دُونگا۔ دُنیا میں کوئی چیز ایسی باقی نہ رہے گی جس کی تمہیں ضرورت ہو اور نہ ملے۔ مَیں تمہاری ہر خواہش پوری کروں گا ـــــ مَیں ساری دُنیا کا بادشاہ ہوں اور تمہارے سوا ہر ذی جان کا حاکم اعلیٰ ہوں۔"

وارا نے بھینچے ہوئے دانتوں کے درمیان ایک لمبا خوفناک سانس لیا پھر دفعتہً کھڑا ہو کر نہشتہ اور فواسے کے درمیان ٹہلنے لگا۔ وہ اب بھی خاموش تھی،

اس کے الفاظ نے اُسے ایک خاص قسم کے خوف میں گرفتار کر دیا ــــ یہ الفاظ جن کا ایک ایک حرف اگر وہ چاہے تو پورا کر سکتا تھا۔ وہ یکایک اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"مَیں نے ٹھیک ہی کہا تھا نا کہ مَیں پاگلوں کی طرح چیخ رہا ہوں ــــ احمقوں کی طرح اپنے الفاظ کو سمجھے بغیر چلّا رہا ہوں۔ تمہیں کس چیز کی ضرورت ہے؟ کیا تمہارے پاس وہ سب کچھ نہیں ہے جو فانی عورت اور فانی مرد کے لئے درکار ہوتا ہے؟ تم محبت نہیں کرتیں اور کیا تمہاری محبت کا جواب محبت ہی سے نہیں دیا جاتا؟ کیا تمہارے پاس کچھ نہیں ہے ــــ سب کچھ ــــ سب کچھ! افسوس میری زندگی پر جو دُنیا پر حکومت کرتا ہے جس کے قدموں میں کائنات لوٹتی ہے لیکن اس کے باوجود جو وہ چیز حاصل نہیں کر سکتا جو دُنیا کی بہترین چیز ہے۔ نہشتہ! مجھے اپنی زندگی پر رونا آتا ہے۔ تم نے ایسے ظالمانہ طریقے سے میرا اطمینان مجھ سے چھین لیا ایسا چھینا کہ مَیں اُسے ڈھونڈے سے بھی نہیں پاتا ــــ اور نہ شاید ساری عمر اُسے پا سکوں۔"

قوی ہیکل انسان ایک کمزور عورت کے سامنے کھڑا ہاتھ مَل رہا تھا۔ اس کا چہرہ مُردہ انسان کی طرح زرد پڑ گیا تھا اور اس کی آنکھوں میں دیوانگی کی ایک سمجھ میں نہ آنے والی بجلی تڑپ رہی تھی۔ نہشتہ میں اُس طوفان کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھنے کی جُرأت نہ تھی جو خود اس کا پیدا کردہ تھا۔ وہ سر سے پاؤں تک کانپ رہی تھی، اور اپنے ہاتھوں سے اپنے سینے کو دبائے آنکھیں جُھکائے خاموشی سے کھڑی تھی۔

"نہیں! تم سچی ہو" اس نے چیخ کر کہا۔ "مجھے جواب نہ دو کیونکہ تمہارے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔ کیا یہ بھی تمہارا تصور ہے کہ مَیں دیوانہ ہو گیا ہوں؟ یا یہ

تمہارا کام ہے مجھے تم سے محبت ہو گئی ہے؟ اس میں کسی کا قصور نہیں۔ کسی کا گناہ نہیں۔ میں تمہیں دیکھتا ہوں ـــــ میں نے تمہیں اپنے خیمے کے دروازے میں کھڑا ہوا دیکھ لیا اور میرے دل میں محبت کا ایک بے پناہ طوفان برپا ہو گیا ـــ میں تم سے محبت کرتا ہوں اور اُس وقت تک کرتا رہوں گا جب تک آسمان کی بیکراں چادر لپیٹ کر رکھ نہ دی جائے گی اور جب تک موت اپنا کام پُورا نہ کر لے گی۔ تم کچھ نہیں کہہ سکتیں، تم کچھ نہیں کر سکتیں، یہ تمہارا قصور نہیں۔ اس میں تمہارا کوئی گناہ نہیں ہے لیکن تمہاری ہی وجہ سے میں اُس درخت کی طرح برباد ہو گیا ہوں جو پہاڑی طوفان کی زد میں آ کر جڑ سے اُکھڑ جائے اور پہاڑ کی بلندیوں سے کھڈ کی لامحدود گہرائیوں میں گر جائے۔ تمہاری ہی بدولت میری زندگی اُس پیاسے جانور کی طرح خراب ہو گئی ہے جو صحرا میں پانی کی ایک بوند کیلئے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جائے۔ نہشتہ یہ تمہاری آنکھیں ہی تھیں جنہوں نے مجھے اُس رسّے کی طرح ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے جو کنوئیں میں ٹوٹ کر گر پڑتا ہے۔ تمہاری ہی وجہ سے تمہاری ہی طفیل اور تمہاری ہی بدولت میں برباد ہو گیا ہوں ـــ اپنی شوکت و عظمت کے بھیانک جہنم میں ہمیشہ کے لیے جھونک دیا گیا ہوں۔ میری خوفناک مایوسی کی بھیانک موت نے مجھے پیس کر رکھ دیا ہے۔"

دارا وحشیوں کی طرح مرمریں فرش پر مُنہ کے بل نہشتہ کے قدموں پر گر پڑا اور اس کے لبادے کے کناروں میں مُنہ دے کر رونے لگا۔ اس کے جذبات کی بے پناہ شدت نے اُسے سرتاپا اپنے اندر جذب کر لیا تھا۔

نہشتہ کے سینے میں بھی دل تھا۔ وہ یقیناً ہر ایک کو ایسے رنج و کرب میں

مُبتلا دیکھ کر موم ہو جاتی۔ لیکن رحم، خوف اور تاسف کے اس فوری ہیجان میں اُسے ایک دُھندلا سا احساس یہ بھی تھا کہ آج سے پہلے کسی مرد نے ایسے الفاظ استعمال نہیں کئے۔ کوئی عاشق ایسا نہیں ہُوا جس نے اپنے جذبات کا اظہار ایسے خوبصوت الفاظ میں کیا ہو۔ اِس احساس نے رحم اور خوف کے جذبات کو پہلے سے کہیں قوی بنا دیا اور اس کے سینے میں اِن دونوں جذبات کے درمیان کشمکش برپا کر دی۔

وہ پہلے تو کچھ نہ کہہ سکی لیکن اس نے اپنا ہاتھ بڑھا کر بڑے پیار سے بادشاہ کے سر پہ رکھ دیا جس طرح کوئی رحمدل ماں اپنے جذبات پرست بچّے کو چمکار کر اُسے تسلّی دے۔ بادشاہ نے اس کا ہاتھ وہیں رہنے دیا۔ چند لمحوں کے بعد اس نے بادشاہ کا سر اُٹھا کر اپنی گود میں رکھ لیا۔ اس کی پیشانی پر ہاتھ پھیرا اور بولی۔

"تم نے مجھے افسردہ کر دیا ہے"۔ اس کی آواز اتنی دھیمی تھی کہ مشکل سے سُنائی دیتی تھی۔ "مَیں چاہتی ہوں کہ تمہیں وہ قلبی اور رُوحی محبت ملے جس کے تم یقیناً حقدار ہو ــــ کہ مجھ سے زیادہ اچھی عورت تمہیں وہ سب کچھ دے جو مَیں دینے سے قاصر ہوں"۔

اس نے اپنی سیاہ آنکھیں جو اب تھکی ہوئی اور مضمحل معلوم ہوتی تھیں کھولدیں اور نہشتہ کی طرف دیکھا۔

"تم سے زیادہ اچھا اور کوئی نہیں"۔ اس نے دھیمی شکستہ آواز میں کہا۔

"چھی چھی!" اس نے کہا۔ "ہزاروں ہیں۔ تم مجھے معاف کر دوگے ــــ اور مجھے

بھول جاؤ گے؟ تم یہ وقت اپنی یاد سے مٹا کر اُن عظیم الشان کاموں کے کرنے میں اپنے آپ کو جذب کر دو گے جس کے لئے تم اِس دُنیا میں آئے ہو۔ . . . . . اِس دُنیا میں تم سے زیادہ عظیم الشان، تم سے زیادہ شریف النفس اور تم سے زیادہ رحمدل اور کوئی نہیں۔"

دارا نے اپنا سر اس کے گھٹنوں سے پرے اُٹھایا اور تڑپ کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔

"مَیں سب کچھ کر گذروں گا لیکن تمہیں بھول نہ سکوں گا۔" اس نے کہا۔ "مَیں وہ عظیم الشان کام کروں گا ــــ تمہارے لئے۔ مَیں رحمدل بنوں گا تمہارے لئے۔ شریف النفس رہوں گا کیونکہ یہ تمہارا حکم ہے۔ میرے کارنامے اُس وقت تک دُنیا میں زندہ رہیں گے جب تک دُنیا قائم رہے گی۔ اور ان کے ساتھ لوگ اِس حقیقت کو بھی نہ بھلا سکیں گے کہ یہ سب کچھ تمہارے لئے ہی کیا گیا تھا۔ مجھے صرف ایک بات کی اجازت دیدو۔"

"جو جی میں آئے مانگو ــــ سب کچھ مانگ لو۔" نہشتہ نے دُکھی ہوئی آواز میں کہا۔

"نہشتہ تم جانتی ہو کہ مَیں تم سے کتنی حقیقی محبت کرتا ہوں ــــ نہیں نہیں ڈرو مت۔ اب مَیں آپے سے باہر نہ ہوں گا۔ مجھے بتاؤ ــــ صرف اِتنا بتا دو کہ اگر تمہیں زرتشت سے محبت نہ ہوتی تب تو تم مجھ سے محبت کر سکتیں۔"

نہشتہ کا چہرہ گلنار ہو کر پھر زرد پڑ گیا۔ اُس نے اپنے پاؤں پر کھڑا ہو کر بادشاہ کے پھیلتے ہوئے ہاتھوں کو پکڑ لیا۔

"ہاں ــــ ہاں۔ تم دُنیا کے سب اِنسانوں سے زیادہ محبت کئے جانے کے قابل ہو۔

اس کی آواز بہت ہلکی تھی اور آنسو اس کی آنکھوں میں لرز رہے تھے۔

"خدائے ادراک کی ساری رحمتیں تم پر نازل ہوں"۔ بادشاہ نے کہا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کے چہرے پر دفعتہً روحانی مسرت کا نور چمک اٹھا ہے۔ اس نے جھک کر اس کے دونوں ہاتھوں کو چوم لیا اور پھر دیر تک اسکی آنکھوں میں دیکھتے رہنے کے بعد وہ پلٹا اور چلا گیا۔

لیکن اُس دن کسی شخص نے بادشاہ کو نہ دیکھا، نہ ہی کوئی یہ جانتا تھا کہ وہ کہاں ہے اور کیا کر رہا ہے۔ البتہ اُن دو نیزہ برداروں نے بادشاہ کو دیکھا تھا جو دروازے پر پہرے کے لئے متعین کئے گئے تھے۔ وہ اپنے کمرے میں پڑا سوکھی اور وحشتناک آنکھوں سے چھت کی مینا کاری کی طرف دیکھتا رہا۔

---

(۱۱)

وقت گذرتا گیا اور زرتشت کو باہر گئے گیارہ دن بیت گئے۔ بادشاہ اور نہشتہ معمول کے مطابق ہر روز باغ میں ملتے رہے لیکن ان دونوں میں سے کسی نے بھول کر بھی اُن طوفان انگیز لمحات کا ذکر نہ کیا۔ جب بادشاہ کے ہیجان خیز جذبات بے زنجیر ہو گئے تھے۔ وقت خاموشی اور سرعت سے گذر گیا اور کوئی قابلِ بیان واقعہ ظہور پذیر نہ ہوا۔ وہ عجیب و غریب رشتہ جس میں محبت اور دوستی کا امتزاج تھا مضبوط سے مضبوط تر ہوتا گیا۔ نہشتہ کو بھی حیرت تھی وہ کس طرح بیک وقت دو مردوں کو ایسی شدت اور ایسے مختلف طریقے سے محبت کر سکتی ہے۔ یہ مرد فطرت کے اعتبار سے بھی مختلف تھے۔ وہ زرتشت سے محبت کرتی تھی لیکن بعض اوقات اُسے ایسا محسوس ہونے لگتا تھا کہ زرتشت عاشق کی بجائے ایک دوست کی حیثیت سے زیادہ موزوں ہے۔ وہ دارا کو ایک دوست سمجھتی تھی لیکن اس کی زندگی میں بعض گھڑیاں ایسی بھی آتی تھیں جب وہ یہ بھول جاتی تھی کہ دارا دوست کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ وہ زرتشت سے ملنے کے متعلق عام طور پر سوچا کرتی تھی ـــــ وہ سوچا کرتی تھی کہ آیا اب بھی جب

وہ زرنشت سے ملے گی تو اس کا دل اُسی شدت کے ساتھ دھڑکے گا یا جس وقت ان دونوں کے ہونٹ ایک دُوسرے کے ساتھ پیوست ہوں گے تو جذبات وہی شدت محسوس کریں گے یا نہیں۔ اس کی قوتِ فیصلہ اُسے کوئی جواب نہ دیتی تھی اور وہ خود اپنے دل کو سمجھنے میں ناکام تھی۔ آخر اس غور و فکر سے تنگ آ کر اس نے اپنے آپ کو بادشاہ کے سرور زا قرب کے حوالے کر دیا۔ اُسے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ کوئی زبردست انقلاب عنقریب رُونما ہونے والا ہے جس پر اس کا کوئی اختیار نہ ہوگا۔

سورج ابھی ابھی طلوع ہُوا تھا لیکن تیز رفتار جیحوں کی پُل ابھی تک محل اور قلعے کے اُس تاریک سائے میں تھی جو یہ عظیم الہیئت عمارت میدانوں میں دُور تک پھیلائے ہوئے تھی۔ اس وقت دو شہسوار نینوا کی طرف سے آنے والی سڑک پر سرپٹ آتے دکھائی دیئے۔ اور چند لمحوں کے بعد اُس نیلگوں کپڑے سے جو ابھی تک میدان پر مسلط تھا نکل کر اُسی تیز رفتار سے پُل پر سے ہوتے ہوئے قلعے کی پہاڑی پر چڑھنے لگے۔

ان میں سے ایک سیاہ رنگ کا معتوب سا آدمی معلوم ہوتا تھا جس کے زرد پچکے ہوئے رُخسار اور جھکی ہوئی کمر انتہائی تکان کا اعلان کر رہی تھی۔ اسکے گھوڑے کے سینے اور پیٹ پر چار آئینہ کے ٹکڑے بندھے ہوئے تھے جنکی وجہ سے وہ گھوڑے پر اس طرح بیٹھا تھا گویا کرسی پر بیٹھا ہو۔ لیکن اس خارجی مدد کے باوجود جب گھوڑا پہاڑی کے دامن میں جانے والی سڑک کے موڑوں پر مُڑتا تھا تو گھوڑے سوار دائیں بائیں جھوم جاتا تھا۔ اس کا لبادہ گرد کی افراط سے سفید ہو رہا تھا۔ سر پر

رکھی ہوئی ململ کی پگڑی کے سارے پیچ کھل گئے تھے اور کپڑے کے بے ترتیب ڈھیر کی طرح اس کے سر پر پڑی تھی اور اس کے سیدھے بال اور الجھی ہوئی داڑھی گرد آلود سوت کی طرح اس کے شانوں اور سینے پر بکھرے ہوئے تھے۔

اس کا ساتھی حسین اور قوی ہیکل زرتشت تھا جو اپنے گھوڑے پر اس طرح جما بیٹھا تھا گویا اس نے گیارہ دنوں کے قلیل عرصے میں تین سو فرسنگ کا فاصلہ طے نہیں کیا۔ یہ درست ہے اس کے کپڑے بھی اس کے قیدی کی طرح گرد آلود تھے لیکن اس کے خوبصورت بال تیز ہوا میں لہرا رہے تھے اور ہلکے فولاد کا خود اس کے ماتھے پر نجم السحر کی طرح چمک رہا تھا۔ اس نے آنکھیں اٹھا کر محل کی طرف دیکھا۔ اسے خیال آیا کہ اس کا سفر ختم ہو چکا ہے اور اس کے ساتھ ہی اس کا کام بھی۔ اس خیال نے زرتشت کے خوبصورت زرد رخساروں میں مسرت کی ہلکی سی سرخی پیدا کر دی۔ وہ بہت تھکا ہوا تھا لیکن اس کے باوجود اس کا لچکدار جسم بلا کا قوی تھا۔

جب وہ پہاڑی کی ڈھلوان پر چڑھے تو بیرونی دروازے کے محافظ نے بیس پچیس منٹ پہلے ان دونوں کو دور افق میں ایک نقطے کی طرح آتے دیکھا تھا۔ اس نے چلا کر اعلان کیا کہ زرتشت آگیا ہے اور دروازے کے افسر اعلیٰ نے بسرعت تمام زرتشت کی آمد کی اطلاع شاہ والا جاہ کے گوش گذار کر دی۔ دارا نے اس اطلاع کو خود اپنے کانوں سے سنا اور بنفس نفیس داروغہ کے پیچھے پیچھے سیڑھیوں پر سے اتر کر دروازے کے مینار میں آگیا جہاں دونوں سوار ابھی ابھی پہنچے تھے۔ جب کڑکی نے کڑک کر اعلان کیا کہ شاہ معظم کی سواری آرہی ہے تو نیزہ بردار ایک سیاہ قطار میں تن کر کھڑے ہو گئے۔ زرتشت انتہائی سبک انداز میں گھوڑے پر سے اچھلا اور

فرش پر کھڑا ہو گیا۔ اس نے اپنے قیدی کو بھی اُتر کر بادشاہ کی تعظیم کرنے کا حکم دیا لیکن مادیا کا رہنے والا نحیف انسان اتنا تھک گیا تھا کہ اُسے ہاتھ پاؤں ہلانا دوبھر معلوم ہوتا تھا۔ اور اگر مضبوط نیزہ بردار بروقت اس کی مدد کو پہنچ کر اُسے گھوڑے پر سے اُتار کر اس کے پاؤں پر کھڑا نہ کر دیتے تو وہ یقیناً مُنہ کے بل زمین پر آ رہتا۔

دارا تیزی سے قدم اُٹھاتا ہوا آیا اور ان دونوں کے سامنے آ کر خاموش کھڑا ہو گیا۔ زرتشت مختصر طور پر آداب بجا لایا۔

"خوش آمدید شاہوں کے شاہ۔ عمر و دولت پایندہ باد"۔ زرتشت نے کہا۔

"حضورِ والا کے حکم کی تعمیل غلام نے کر دی ہے۔ قیدی زندہ حاضر ہے"۔

دارا نے سجدے میں گرے ہوئے مادیا کے باشندے کو دیکھ کر ایک کھوکھلا قہقہہ لگایا۔

"زرتشت تم ایک باوفا نوکر ہو"۔ اس نے جواب دیا "اور تم اُس طوفان کی طرح گھوڑے کی سواری کرتے ہو جو بدکردار لوگوں کا تعاقب کرتا ہے ـــــ پہاڑی بھوتوں کی طرح جو جھوٹوں کا پیچھا کرتے ہیں۔ یہ پسینے میں تر مٹی کا تودہ زیادہ دیر تک تمہارے ساتھ بھاگنے کی تاب نہ لا سکتا۔ اُٹھو!" اس نے فروَرتس کے سر کو اپنے جوتے کی نوک سے چھوتے ہوئے کہا "تم پڑے ہوئے ایسے معلوم ہوتے ہو جیسے کوئی جانور کیچڑ میں پھنس گیا ہو"۔

سپاہیوں نے تھکے ہوئے آدمی کو اُٹھا کر کھڑا کر دیا۔ بادشاہ زرتشت سے مخاطب ہوئے۔

"ہوا کو گھوڑا بنا لینے والے نوجوان!" اس نے ہنستے ہوئے کہا "تم ہی بتاؤ کہ جب آدمی تھکا ہوا ہو تو وہ سچ بولنا پسند کرے یا جھوٹ کہنا"۔

"تھکا ہوا شخص وہی بات کہے گا جس سے اُسے آرام ملنے کی اُمید ہوگی"۔ زرتشت نے مُسکرا کر جواب دیا۔

"تو پھر ہم اِس شخص سے وعدہ فرماتے ہیں کہ یہ جتنی جلدی سچی بات ہمارے حضور میں عرض کر دے گا اُتنی ہی جلدی اِسے سونے کی اجازت دیدی جائیگی"۔ بادشاہ نے کہا اور زرتشت کے قریب جا کر دھیمی آواز میں بولا "تم آرام کرنے سے پہلے ملکۂ عالیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر انہیں ہماری طرف سے یہ پیغام دو کہ وہ اپنی لونڈی باندیوں کو چند لمحوں کے لئے رُخصت کر دیں کیونکہ ہم بذاتِ خود تمہارے لائے ہوئے قیدی کو لے کر اُن کے پاس آئیں گے۔ اِس شخص کو کچھ نہ کچھ کھانے کے لئے ملنا چاہئے ورنہ یہ سیڑھیوں پر ہی دم توڑ دیگا"۔

زرتشت مُڑا اور کشادہ سیڑھیوں پر سے ہوتا ہوا محل کی بڑی بڑی ڈیوڑھیوں اور فراخ راستوں میں سے گذرتا اُس برآمدے میں پہنچ گیا جہاں وہ بادشاہ کو ملنے سے پہلے آ کر سستایا تھا۔ وہاں کوئی نہ تھا اور زرتشت بھاری پردے کو اُٹھا کر اندر داخل ہی ہوا چاہتا تھا کہ ملکہ خود زرتشت کے سامنے آ گئی۔ باوجودیکہ ابھی ابھی صبح طلوع ہوئی تھی تاہم ملکہ نے بڑی احتیاط سے سنگھار کر رکھا تھا اور اس کے ملبوس باصرہ نواز ہلکے رنگ اور وہ تھوڑے بہت زیورات جو اس کے جسم کی زینت بنے ہوئے تھے طلوع ہوتے ہوئے سورج کی ہلکی کرنوں میں جگمگا رہے تھے۔ اس نے اندازہ کر لیا تھا کہ زرتشت آج ہی کے دن لوٹے گا اس لئے آج وہ اُس سے

ملنے کو بالکل تیار تھی۔

جب وہ اس طرح یکلخت زرتشت کے سامنے آگئی تو اس کے ہونٹوں سے ایک ہلکی چیخ نکل گئی جو بہت حد تک بناوٹی تھی۔

"اچھا! آگئے ہو تم؟" اس نے پوچھا۔

وہ مسرت جس کا اظہار اس کی آواز سے ہوتا تھا یقیناً حقیقی تھی۔ وہ سنہری دھوپ میں کھڑا دیوتاؤں کی طرح حسین معلوم ہوتا تھا اور محض اُسے دیکھ کر آٹوسہ کا دل خوشی سے چھلکنے لگا تھا۔

"حضور! میں ملکۂ عالیہ کے حضور میں شاہِ معظم کا پیغام لے کر حاضر ہوا ہوں۔ شاہِ معظم کا ارشاد ہے کہ ملکۂ عالیہ اپنی کنیزوں اور غلاموں کو چند لمحوں کیلئے رخصت فرما دیں کیونکہ شاہِ معظم اُس شخص کے ساتھ جس کو میں اپنے ساتھ لایا ہوں چند منٹ کے اندر اندر ملکۂ عالیہ کے پاس تشریف لائیں گے۔"

"بہت اچھا" ملکہ نے کہا۔ "لونڈی غلام یہاں کوئی نہیں ہے اور ہم شاہ معظم کا انتظار کر رہے ہیں۔" وہ ایک لمحے کے لئے خاموش ہو گئی۔ "یہاں واپس آکر تم خوش نہیں ہوئے ہو؟" اس نے دفعتہً پوچھا۔

"بجا ارشاد ہوا ملکۂ عالیہ"۔ زرتشت نے کہا اور اُس کا چہرہ چمک اُٹھا۔ "غلام یہاں واپس آکر واقعی محظوظ ہوا ہے۔ ہر شخص ایسے طول وطویل سفر کے اختتام پر خوش ہوگا۔"

ملکہ پردے والے دروازے کی طرف پشت کئے کھڑی تھی اور اس کی نگاہیں برآمدے کے آخری سرے پر سیڑھیوں کے دہانے تک دیکھ سکتی تھیں۔ زرتشت کا

مُنہ ملکہ اور دروازے کی طرف تھا۔ جب زرتشت نے کہنا شروع کیا تو ملکہ کی تیز آنکھوں نے سیڑھیوں پر چڑھتے ہوئے کسی شخص کو دیکھ لیا۔ اس نے فوراً نہشتہ کو پہچان لیا لیکن نہ تو اس کے پپوٹے تھرتھرائے اور نہ ہی اس کے چہرے کا رنگ متغیر ہوا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ اس کا دشمن آ رہا ہے۔ اس نے اپنی گہری نیلی آنکھیں زرتشت کے چہرے پر گاڑ دیں اور بڑی ہی نرم اور جذبات سے مملو آواز میں بولی۔

"زرتشت تمہارے جانے کے بعد نامعلوم یہ وقت اتنا طویل کیوں محسوس ہوتا تھا؟" اس نے کہا۔

زرتشت اس کی طرزِ گفتگو سے ہکا بکا رہ گیا۔ اس کا رنگ اُڑ گیا اور اس نے سنگدلانہ انداز میں اس کی طرف دیکھا۔ اس وقت نہشتہ برآمدے کے صاف و شفاف مرمریں فرش پر پہلا قدم رکھ رہی تھی۔

اب بھی آلوتسہ کی نگاہیں اسی طرح زرتشت پر جمی ہوئی تھیں۔

"تم مجھے کوئی جواب نہیں دیتے" اس نے شکستہ آواز میں کہا۔ پھر دفعتہً اس نے اپنی دونوں باہیں زرتشت کی گردن میں ڈال دیں اور اس کے چہرے پر بوسوں کی بارش کر دی گویا وہ ایک ایسے جذبے سے یکلخت مغلوب ہو گئی تھی جس کی شدت کو برداشت کرنا اس کے حیطۂ اختیار سے باہر تھا۔

"زرتشت ــــ میرے پیارے زرتشت" اس نے بلند آواز سے پکارا۔ "تم اب مجھے اس طرح اکیلا چھوڑ کر نہ جانا۔ کبھی نہ جانا" اس نے پھر اس کا مُنہ چومنا شروع کیا اور اس کے سینے سے ایسی مضبوطی کے ساتھ چمٹ گئی کہ زرتشت حیران رہ گیا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ گلو خلاصی کے لئے کس طرف سمٹے۔ اس نے اپنے

ہاتھ اس کے کندھوں اور اس کی کمر میں ڈال دیئے ـــــ اُسے علیحدہ کرنے کے لئے۔ لیکن اُسے علیحدہ کرنا ممکن نہ تھا وہ اس کے جسم سے اس طرح پیوست ہو گئی تھی، اور اپنا سر اس کے سینے پر رکھے ایسی تیزی سے سسکیاں لے رہی تھی کہ اُسے ہٹانا یا ہٹلانے کی کوشش کرنا ناممکن تھا۔

زرتشت کے ذہن پر ایسا فوری اور خوفناک اثر ہوا تھا کہ وہ چند لمحوں کیلئے بالکل بے حس ہو گیا یہاں تک کہ وہ ہلکی سی چیخ جو اس کی پشت پر گونجی تھی، اور واپس جاتے ہوئے تیز قدموں کی وہ چاپ جو کافی دیر تک فضا میں مسلط رہی تھی نہ سن سکا۔ لیکن آٹوسہ نے یہ سب کچھ سن لیا تھا اور مارے خوشی کے آپے سے باہر ہو گئی تھی، اس نے آنکھیں اُٹھا کر دیکھا نہشتہ جا چکی تھی ـــــ اپنے سینے میں ایک کبھی مندمل نہ ہونے والا زخم لے کر۔

آٹوسہ نے یکایک اپنے ہاتھ سپاہی کی گردن پر سے ہٹا لئے، دوبارہ اس کی آنکھوں میں دیکھا اور پھر اپنے دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ کر دروازے کے سہارے پیچھے کی طرف جھک کر کھڑی ہو گئی۔

"اُف میرے خدا ـــــ یہ کیا کیا میں نے؟" اس نے سسکی لیتے ہوئے کہا۔

زرتشت ایک لمحے کے لئے حیرت و استعجاب کے عالم میں پیچ و تاب کھاتا کھڑا رہا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یکایک اس کی نگاہوں کے سامنے ایسے راز منکشف ہو گئے جن کو سمجھنے کی اس نے کبھی کوشش بھی نہ کی تھی۔ آخر بڑی کوشش کے بعد اس نے کہا۔ اس کی آواز میں ہمدردی جھلک رہی تھی۔

"مجھے نیکی کی قوتوں کا شکر گذار ہونا چاہئے کہ مجھے تم سے عشق نہیں ہے ـــــ

اور میں چاہتا ہوں کہ تم بھی اس محبت سے دست بردار ہو جاؤ۔ کیونکہ میں شاہِ معظم کا غلام ہوں اور اُس وقت تک وفاداری سے خدمت انجام دیتا رہوں گا جبتک کہ میرے جسم سے رُوح پرواز نہ کر جائے۔ اگر میں تمہاری محبت میں گرفتار ہو گیا تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ میں جھوٹا ہوں، بُزدل ہوں اور دُنیا بھر کا ذلیل ترین کمینہ آدمی ہوں۔ میں تمہاری منّت کرتا ہوں کہ اس اظہارِ محبت کو بھُول جاؤ اور مجھے اطمینان سے جانے دو۔ شاہِ معظم آیا چاہتے ہیں اور ایسا نہ ہو کہ وہ تمہیں روتا ہُوا دیکھ لیں۔ ورنہ اُنہیں فوراً یہ شک پیدا ہو گا کہ تم فرورتس کے سامنے آنے سے ڈرتی ہو۔ میں التجا کرتا ہوں کہ تم یہ سب بھُول جاؤ ــــ اور اگر حضورِ ملکہ کے غلام سے کوئی گستاخی سرزد ہوئی ہے تو غلام منّت عفو کا ملتجی ہے۔

آٹوسہ نے یکایک سر اوپر کو اُٹھایا۔ اس کی آنکھیں ویسی ہی صاف اور ویسی ہی روشن تھیں۔ ان میں آنسوؤں کا نشان تک نہ تھا۔ اس نے ایک بلند آہنگ وحشیانہ قہقہہ لگایا۔

"میں ــــ شاہِ معظم کے سامنے ٹسوے بہاؤں گی۔ تم نے اندازہ کرنے میں غلطی کی ہے۔ اگر تم یہی چاہتے ہو تو جاؤ ــــ الوداع زرتشت"۔ اس کی آواز میں کچھ نرمی پیدا ہو گئی۔

"الوداع۔ یہ ہو سکتا ہے کہ تم زندہ رہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ موت جلد ہی تمہیں آلے ــــ کیونکہ ملکہ تم سے محبت کرتی ہیں"۔

زرتشت نے ادب سے اپنا سر جھکایا اور چلا گیا۔ ملکہ اُسے دُور تک دیکھتی رہی اور جب وہ سیڑھیوں میں پہنچ کر نظروں سے اوجھل ہو گیا تو ملکہ نے

اپنے ہاتھوں سے اپنے سر کا کپڑا درست کیا۔ خوبصورت گھنگریالے سنہرے بالوں پہ ہاتھ پھیرا اور آپ ہی آپ مسکرانے لگی۔

"یہ قاتلانہ زخم تھا ــــ اور بڑی کامیابی سے لگایا ہے" اس نے کافی بلند آواز سے کہا۔ لیکن جب اس نے باہر شہر کی جانب نگاہیں اٹھائیں تو اس کا چہرہ متفکر اور متین ہوگیا۔ "لیکن میں واقعی اس سے محبت کرتی ہوں" اس نے دھیمی آواز میں کہا "میں ــــ میں ــــ اسے مدت سے چاہتی ہوں" وہ تیزی سے پلٹی گویا اسے خوف تھا کہ کسی نے اس کی بات سن لی ہے "کتنی بیوقوف ہوں میں بھی" اس نے بے قراری کے انداز میں کہا اور جلدی سے پردہ اٹھا کر کمرے میں چلی گئی۔ برآمدہ پھر خالی رہ گیا ــــ لیکن نہیں بالکل خالی نہیں۔ اب بھی اس میں ایک ننھی سی چڑیا پھدک رہی تھی۔ یہ کبھی باہر جاتی اور کبھی اندر آتی پھر چند لمحوں تک کمرے کی فضا میں چکر کاٹنے کے بعد وہ یکلخت باہر گرما کی سنہری دھوپ میں چلی گئی۔

زرتشت آتوسہ سے رخصت ہوکر نہشتہ کو تلاش کرنے لگا لیکن یہ ناممکن تھا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ زمین دوز راستے سے ہوکر نہشتہ کے کمرے میں جانیکا مجاز نہیں اس لئے اس نے اپنا ایک غلام پہلے بھیجدیا تھا۔ غلام یہ مختصر خبر لایا تھا کہ شہزادی اپنے کمرے میں ہے اور اس کے کمرے میں داخل ہونے کی اجازت کسی کو نہیں ہے۔

زرتشت تکان سے اتنا چور چور ہو رہا تھا کہ وہ آج صبح کے عجیب و غریب واقعہ پر غور کرنے کے لئے بھی اپنے آپ کو تیار نہیں پاتا تھا اس لئے اس نے

یہ ارادہ کر لیا کہ کسی اور وقت نہشتہ کو مل لے گا۔ یہ سوچ کر وہ اپنے خنک کمرے میں آرام کرنے کے لئے چلا گیا۔ جب وہ بیدار ہوا تو شام کا دھندلکا دن کی ساری روشنی کو اپنے اندر جذب کر چکا تھا۔

اسی اثنا میں بادشاہ نے حکم دیا کہ فروروتس کو مفرح چیزیں کھلائی جائیں اور اسے جلد از جلد ملکہ کے کمرے میں پیش کیا جائے۔

زرتشت کے جانے سے آدھ گھنٹہ بعد آٹوسہ اپنے سنگھار کے کمرے میں پہنچ گئی۔ وہ تن تنہا اپنے عظیم الجثہ نقرئی آئینے کے سامنے بیٹھی آیندہ پیش آنیوالے انقلاب کا اندازہ کر رہی تھی۔ کسی اندرونی قوت نے اسے یہ یقین دلا دیا تھا کہ وہ اپنے کمرے میں بیٹھ کر اپنے دشمنوں کے پیہم حملوں کو زیادہ آسانی اور جرأت کے ساتھ برداشت کر سکے گی کیونکہ اس کمرے کی فضا کا ہر ذرہ اس کے اپنے رنگ میں رنگا ہوا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ اس کی کھڑکی کے آئینے اس ساخت کے ہیں کہ وہ اپنے مخالفوں کے چہرے کے ہر تاثر کو بڑی وضاحت سے دیکھ لے گی اور خود اندھیرے میں رہ سکے گی۔

اس نے قدرے آگے جھک کر آئینے میں اپنے چہرے کو غور سے دیکھا اور اونٹ کے بالوں کے چھوٹے سے برش سے اپنی بھنوؤں کے بال ٹھیک کئے جو زرتشت کے سینے سے لگتے وقت بے ترتیب ہو گئے تھے۔ اس نے اپنے چہرے کو خالص فن کارانہ نقطۂ نظر سے دیکھا اور خود بخود مسکرانے لگی۔

زیادہ دیر نہ گذری تھی کہ چمڑے کے جوتوں کی آواز باہر سنائی دی اور پردہ یکدم اٹھا دیا گیا۔ دارا نے فروروتس کو کندھوں سے پکڑ کر کمرے میں دھکیل دیا

اور اُسے ملکہ کے سامنے کھڑا کر دیا۔ ملکہ سرو قد ہو گئی اور آداب بجا لا کر پھر کرسی پر بیٹھ گئی۔ بادشاہ سخت گدّوں کے ڈھیر پر گر پڑا اور اپنے سامنے کے دونوں آدمیوں کو بغور دیکھنے کے لئے تیار ہو گیا۔

فروروتس خوف اور تکان کی شدّت سے کانپتا ہوا گھٹنوں کے بل ملکہ کے سامنے بیٹھ گیا اور پیشانی زمین پر رکھدی۔

"اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جاؤ۔" بادشاہ نے مختصراً کہا "اور ملکۂ عالیہ کے تمام معاملات کا مفصّل ذکر کرو۔"

"ٹھہریئے" آلوسہ نے مطمئن لہجے میں کہا "کس مقصد کو پیشِ نظر رکھ کر شاہِ معظم نے اِس شخص کو میرے سامنے پیش کیا ہے؟"

"یہ ہماری مرضی ہے" بادشاہ نے کہا "بولو! اپنا بیان دو اور یہ یاد رکھو کہ اگر تمہارا طرزِ بیان مابدولت کو غلط معلوم ہوا تو تمہیں صلیب پر کھینچ دیا جائیگا۔"

"عمر و دولت پایندہ باد! شاہِ معظم!" فروروتس نے بڑی کمزور آواز میں کہا۔ اس کے جھریوں سے بھرے ہوئے گال کانپ رہے تھے اور اس کی ہر حرکت اُسے تکلیف دیتی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔

"ملکۂ معظّمہ کی بھی عمر پایندہ باد۔" دارا نے مُسکرا کر کہا اور پھر متین لہجے میں بولا۔ "ملکۂ عالیہ کی اراضی کا کیا حال ہے؟"

اِس سوال پر فروروتس کی جُرأت دوبارہ عود کر آئی اور اس نے تیزی سے سامان اور مویشیوں کی طویل فہرست کا بیان شروع کر دیا۔

"اِس سال غلام نے دو ہزار ایکڑ زمین میں گندم کی کاشت کی ہے جو جلد کاٹنے کے

قابل ہو جائیگی۔ ایک ہزار ایکڑ میں دوہرا اناج بھی بویا گیا ہے۔ پچھلے سال سرما کے قریب غلام نے سڑک کے قریب بڑی بڑی خندقیں کھدوا دی تھیں انکی وجہ سے خربوزوں کی فصل حیرت انگیز حد تک اچھی ہوئی ہے۔ پھل دار درخت اور انگوروں کی فصل بھی بڑی اچھی ہے لیکن اس دفعہ بارش کی قلت کی وجہ سے انگوروں کی پہلی فصل اچھی نہیں ہوئی۔ اس میں کوئی شک ہی نہیں کہ زیتون اس سال بہت زیادہ پیدا ہوں گے کیونکہ پچھلے سال کم ہوئے تھے۔ اس اناج، شراب، تیل اور پھلوں کی کثرت کی وجہ سے مجھے یہ عرض کرنے میں کوئی باک نہیں کہ اس دفعہ ان کی قیمت ایک سو طلائی مہروں سے کم ہرگز نہ ہوگی۔"

"پچھلے سال کل پچاسی مہریں ملی تھیں" ملکہ نے کہا جو اس سارے بیان میں بڑی دلچسپی کا اظہار کر رہی تھی۔ "فرورتس! ہمیں تمہاری کارگذاری سن کر مسرت ہوئی ہے مجھے بھیڑوں اور مویشیوں ——— اور غلاموں کے متعلق بھی بتاؤ۔ ان میں سے کچھ زیادہ تو نہیں مرے؟"

"پانچ سو مویشی اور ایک سو بچھڑے موجود ہیں جو گذشتہ دو مہینوں میں پیدا ہوئے تھے ملکۂ عالیہ! بارش کی قلت کی وجہ سے چراگاہیں جل گئی ہیں۔ اس لئے گذشتہ سرما سے لے کر اب تک خشک گھاس بہت ہی کم مل رہی ہے۔ چنانچہ بندہ نے بہت سے غلاموں کو اونٹوں کے ساتھ مشرقی میدانوں کی طرف سے گھاس لانے کیلئے بھیجا تھا۔ وہ بہت سی گھاس اکٹھی کر لائے ہیں۔ یہ گھاس کھردری قسم کی ہے لیکن کام چل جاتا ہے۔ بھیڑیں گرمیوں تک کے لئے کوہِ زاغراز پر چرنے کیلئے بھیجی گئی ہیں۔ چھ ہزار دنبے بھیڑوں اور دو ہزار بکریوں کی اون گذشتہ

بہار میں کاٹی گئی تھی اور انہیں آٹھ مہروں کے عوض فروخت کر دیا گیا تھا۔
غلاموں کے متعلق غلام نے ایک نئی تجویز پر عمل کرنا شروع کیا ہے۔ گذشتہ
دو برسوں میں جو جنگ ہوئی تھی اس میں ہزاروں جنگی قیدی آئے تھے جو خوب
جوان اور مضبوط تھے۔ سایتھ کے بردہ فروشوں سے غلام نے ان غلاموں کیلئے
بیویاں خریدی ہیں۔ یہ بردہ فروش عورتوں کو بڑی ہی کم قیمت پر فروخت کرتے ہیں
یہ غلام بہت کریہہ اور وحشی ہوتے ہیں۔ کوئی اور زبان بولتے ہیں لیکن اس کے باوجود
بہت توانا اور تندرست ہیں، مجھے یقین ہے کہ شادی کے بعد یہ لوگ خوب بچے
دیں گے اور منافع میں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

"تمہاری تقریر بڑی فصیح ہے"۔ بادشاہ نے بات کاٹی "لیکن چند ایسی تفاصیل
بھی ہیں جو ملکۂ عالیہ سننے کے لئے بیقرار ہو رہی ہیں۔ تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ اکبانتا
جیسے ملک میں جو سلطنت کے محاذ پر واقع ہے ڈاکوؤں کے جتھوں کو فصلوں اور
مویشیوں کی حفاظت کرنے کی بھی ضرورت پیش آتی ہے۔ اس لئے تم نے ان غلاموں
میں سے کسی کو مسلح بھی کیا ہے یا نہیں؟"

"شاہِ معظم غلام سے ناراض نہ ہوں"۔ فروروتس نے پریشانی کا اظہار کئے بغیر جواب دیا۔
"حضور شاہِ معظم کے ہزاروں نمکخوار سپاہی اکبانتا میں مقیم ہیں اور شہسوار بھی گاہے
ماہے سڑکوں پہ پھرتے نظر پڑتے ہیں۔ میں نے غلاموں میں سے کسی کو بھی ہتھیار بند
کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ کیونکہ غلام کو احساس ہے کہ ہم سب حضور شاہ
کے سایۂ عاطفت میں بالکل محفوظ ہیں۔ لیکن اگر شاہِ معظم کا حکم یہ ہو تو ۔ ۔ ۔"

"تو تم انہیں فوراً مسلح کر سکتے ہو"۔ دارا نے بات کاٹی۔ وہ آتوسہ کے چہرے کو

بڑے غور سے دیکھ رہا تھا لیکن وہ سامنے نہیں تھی۔

"نہیں شاہِ معظم!" فروروتس نے جواب دیا۔ "ہمارے پاس اسلحہ مطلقاً نہیں ہیں۔ لیکن اگر شاہِ معظم ہمیں تلواروں اور نیزوں کی آنیاں مرحمت فرمائیں۔۔۔۔"

"کس لئے؟" آٹوسہ نے پوچھا۔ وہ پوری طرح سے مطمئن تھی کیونکہ اُسے یقین تھا کہ فروروتس اِس نازک نکتے پر بھی ٹھوکر نہیں کھائیگا۔ "وہ علاقے شاہی قلعے سے ایک دن کے راستے پر واقع ہیں ان کی حفاظت کے لئے مجھے علیحدہ فوج رکھنے کی ضرورت ہی کیا ہے مسلح ہونے کا خیال تمام غلاموں کو کاہل الوجود اور جھگڑالو بنا دیگا۔ انہیں پھاوڑے اور ہل ہی سے مسلح رہنے دو۔ وہ کھیتی باڑی ہی میں اچھے رہیں گے۔ سپاہی لڑنے کے لئے کافی ہیں۔ فروروتس اب کتنے غلام ہیں ہمارے؟"

"پچھلی مردم شماری میں چالیس ہزار سات سو ترپن مرد، دس ہزار دو سو سولہ عورتیں اور پانچ ہزار بچے تھے۔ لیکن مجھے اُمید ہے۔۔۔۔"

"اِتنے غلام رکھنے کی تمہیں کیا ضرورت ہے؟" دارا نے دفعتہً ملکہ کی طرف مڑتے ہوئے پوچھا۔

"ان میں سے اکثر دریاں بُننے کے کارخانے میں کام کرتے ہیں۔" فروروتس نے جواب دیا۔ "ملکۂ عالیہ کو دریوں کی فروخت سے پچاس مُہروں کی سالانہ آمدنی ہے۔"

"شاہِ معظم کے محلات کی ساری دریاں میرے ہی کارخانے کی بُنی ہوئی ہیں۔" آٹوسہ نے مُسکرا کر کہا۔ "میں بہت بڑی تاجر ہوں۔"

"اِس شُبہ نہیں کہ ہم نے تمہیں اِن چیزوں کی قیمت بہت زیادہ دی ہے۔" بادشاہ نے کہا۔ جو اِس سوال و جواب سے اُکتا سا گیا تھا۔ اُسے پُورا یقین تھا کہ یا تو

مادیا کا یہ دلال یا خود ملکہ مسلح غلاموں کا ذکر سن کر چونک پڑے گی اور گھبراہٹ کے عالم میں اس راز کا تھوڑا بہت انکشاف ہو جائیگا۔ کیونکہ اُسے یقین تھا کہ اگر آٹوسہ حقیقتاً علم بغاوت بلند کرنے کی تجویز کر رہی ہے تو وہ اپنے اِن لاتعداد غلاموں کو ہتھیاروں سے مسلح کرے گی اور انہیں انعام واکرام اور آزادی کا لالچ دلا کر بادشاہ کی مخالفت پر آمادہ کرنے کی کوشش کرے گی۔

لیکن فروروتس کی ظاہری ہیئت کذائی نے اُسے مایوس کر دیا۔ وہ سمجھتا تھا کہ یہ شخص مضبوط جسم اور طوفان خیز ذہنیت کا مالک ہوگا جسے ذرا سا لالچ بغاوت کرنے پر آمادہ کر سکتا ہے لیکن اس کے سامنے ایک مادیا کا مکار، میرلع، لفمہ، زرد رُو اور بزدل تاجر کھڑا تھا جو بابل کے یہودی کی طرح کسی قسم کی مجاہدانہ یلغار کے فطرتاً ناقابل تھا۔ یہ ظاہر تھا کہ فروروتس ایک نکمے ہتھیار سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ دارا نے بیتابانہ اپنا پاؤں زمین پر دے مارا جب اُسے احساس ہوا کہ اُسے دھوکا ہوا ہے اور ملکہ نے فروروتس کو اُس خط میں واقعی اپنی زمینوں وغیرہ کے متعلق لکھا تھا۔ بادشاہ انتہائی طور پر حساس تھا اور جب اس نے خط پڑھا تو پہلا خیال جو اس کے ذہن میں پیدا ہوا تھا وہ یہ تھا کہ وہ فروروتس کو بلوا کر خود اپنی آنکھوں سے دیکھے اس پر چند سوالات کرے اور اگر اس کے طرزِ عمل یا گفتگو سے کسی قسم کا شبہ پیدا ہو تو اسے فوراً قتل کروا دے۔ وہ شخص بادشاہ کے حضور میں پیش کر دیا گیا تھا۔ وہ اُس وقت تکان سے اِتنا چُور چُور ہو رہا تھا کہ اس کی موت کا اندیشہ تھا۔ تاہم اس نے خود شاہِ معظم کے رُوبرو اپنی کارگذاریوں کو ایک ایک کرکے گنوایا اور گو اس کے ہر لفظ سے خوف اور دہشت کا اظہار ہوتا تھا لیکن یہ کسی طرح بھی فرض نہیں

کیا جا سکتا تھا کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے غلط ہے۔ جہاں تک ملکہ کا تعلق تھا وہ بیٹھی ہاتھی دانت کے ایک چھوٹے سے آلے کے ساتھ اپنے ناخونوں کو رنگ رہی تھی۔ کبھی کبھار کوئی سوال کر دیتی یا کوئی بات کہہ دیتی گویا جو کچھ ہو رہا ہے بالکل معمولی واقعہ ہے اور دُنیا میں ایسے واقعات ہر روز بالعموم ہوتے رہتے ہیں۔

دارا سخت برہم بلکہ غضبناک ہو رہا تھا۔ اس کے فوری فیصلے عام طور پر درست ہوا کرتے تھے اور وہ ان پر فوراً عمل درآمد کرنے کا عادی تھا۔ لیکن وہ مکار یا نیچ طبیعت کا آدمی نہ تھا۔ وہ سراپا عمل تھا اور نتیجے کا انتظار کرنا اسکی دُنیا سے باہر تھا۔ اس کی فتوحات اس سریع العمل فطرت کی مرہون تھیں۔ اپنے عہدِ حکومت کے پہلے تین برسوں میں اس نے اُنیس لڑائیاں لڑی تھیں اور نو خود ساختہ بادشاہوں کو فاش شکستیں دے کر انہیں عدم آباد پہنچا دیا تھا لیکن اُسے آج تک کسی اندرونی شورش کا علم نہیں ہوا تھا اور نہ ہی وہ کبھی کسی ایسی بغاوت کو فرو کرنے میں کامیاب ہوا تھا جو بدیہی طور پر اس کے خلاف صف آرا نہ ہو چکی ہو۔ یہی وجہ تھی کہ اُسے عام طور پر آٹوسہ کے رحم و کرم پر تکیہ کرنا پڑتا تھا اور ہزاروں مرتبہ اس کے صاف جھوٹ کو سچائی کے پردوں میں چھپا جانے کی قوت اور بڑے آڑے وقتوں پر بے پروائی کے ایک غیر متعلق اظہار نے اُسے پریشان کیا تھا۔ اس کی بھولی طبیعت یہی سمجھتی تھی کہ جب کوئی شخص کسی مصیبت میں گرفتار ہو جاتا ہے تو گھبرا جاتا ہے اور اسی گھبراہٹ کے عالم میں اصل بات کا اظہار کر جاتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ عام طور پر آٹوسہ کے لئے ایسے حالات پیدا کر دیا کرتا تھا جو سخت پریشان کن ہوتے تھے اور ان سے اس کا مطلب یہی ہوتا تھا کہ ملکہ گھبرا کر اپنے خیالات کا اظہار کر دے گی لیکن

یہاں اُسے ملکہ کے مطمئن چہرے سے واسطہ پڑتا تھا اور اُسے مجبوراً یہ سمجھ لینا پڑتا، کہ ملکہ سچ بول رہی ہے خواہ دُوسرے واقعات ملکہ کی مخالفت کیوں نہ کر رہے ہوں۔

اَب بادشاہ نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ خود غلطی پر تھا اور فرورتس کو کسی قسم کی بغاوت سے دُور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ اس کی سمجھ میں یہ بات آ ہی نہیں سکتی تھی کہ ایسا بزدِل اور ڈرپوک آدمی کسی ایسی تجویز پر عمل نہیں کر سکتا جس میں جان کا خطرہ ہو؟ اِس لئے اس نے اسے آزاد کر دینے کا ارادہ کر لیا۔

"اِس سارے بیان کو سُن کر تمہیں خوب اطمینان کر لینا چاہیئے"۔ اس نے غور سے آٹوسہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "دیکھ لو تمہارے سب معاملات جلد از جلد تم تک پُہنچا دیئے گئے ہیں۔ تمہارے خطوط یہ کام اتنی جلدی اور اس تفصیل سے کبھی بھی نہ کر سکتے۔ اب اِس شخص کو جانے دو اور اسے پُوری طرح سے سمجھا دو کہ آیندہ یہ تمام تفاصیل تمہیں بالالتزام اور باقاعدہ ملنی چاہئیں ورنہ اسے پھر برق کی سی تُندی کے ساتھ یہاں پُہنچ کر سُنانا پڑے گا۔ تم جا کر آرام کر سکتے ہو"۔ اس نے اُٹھ کر فرورتس کو کمرے سے باہر دھکیلتے ہوئے کہا۔

"تم نے خوب کام کیا فرورتس مجھے تم پر پُورا بھروسہ ہے"۔ ملکہ نے کہا۔

حسین ملکہ ایک دفعہ پھر کمرے میں تنہا تھی اور اس نے ایک دفعہ پھر اپنے سراپا کو پہلے سے بھی زیادہ نقادانہ نظر سے نقرئی آئینے میں دیکھا۔ اس نے اپنا چہرہ دائیں بائیں گھما کر خوب غور سے دیکھا۔ اُسے ایسا محسوس ہُوا وہ پہلے سے قدرے زرد پڑ گئی ہے۔ یہ تغیر دُوسرے کی نگاہوں سے شاید اوجھل رہتا لیکن اس نے ناپسندیدگی کے

غصّے سے دیکھا۔ لیکن اس کے فوراً بعد اس نے اپنی پیشانی پر ہاتھ پھیرا اور خود بخود مُسکرانے لگی۔ آج اس نے ایک خطرناک مہم بڑی کامیابی سے سر کر لی تھی۔

اُسے اُمید تھی کہ وہ بادشاہ سے ملنے سے پہلے ہی فروروتس کو مل کر اُسے سمجھا دیگی لیکن کچھ تو اس لئے کہ ان کا آمنا سامنا اتنی جلدی ہو گیا اور کچھ اس لئے کہ اس نے اس وقفے کا کچھ حصّہ زرتشت سے ملنے اور وہ خوفناک منظر بنانے اور اس پر عمل کرنے میں صَرف کیا تھا کہ وہ اپنے رازدار آدمی سے دفعتہً ملنے پر مجبور ہو گئی۔ وہ جانتی تھی کہ فروروتس سخت بُزدِل اور ڈرپوک آدمی ہے اس لئے اُسے خوف تھا کہ کہیں وہ ڈر کر بادشاہ کے پاؤں پر نہ گر پڑے اور جان کی اَمان پا کر وہ سارا راز نہ کہدے جس کا انکشاف اس کی زندگی اور موت کی درمیانہ وسعتوں کو ایک لمحے میں قطع کر سکتا تھا۔ لیکن قیامت کی وہ گھڑی بال بیکا کئے بغیر گذر گئی اور اب کوئی ایسی بات نہ تھی جس سے خوف زدہ ہوا جائے۔ آلوسہ اُس گدّے پر بیٹھ گئی جہاں بادشاہ بیٹھا تھا اور اُس ذہنی اور رُوحانی کرب کی پُرلطف یاد میں محو ہو گئی جو اس نے اپنے آپ کو زرتشت کی گود میں پھینک کر نہشتہ کو دیا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ شہزادی نے زرتشت کا چہرہ نہیں دیکھا اِس لئے اُس نے ضرور یہی تصوّر کیا ہوگا کہ زرتشت نے اُسے اپنی گود میں بھینچا ہے۔ اور یہ تصوّر ــــ اگر نہشتہ واقعی زرتشت سے دِلی محبّت کرتی ہے ــــ زہریلے خنجر کی طرح اس کے جگر میں اُتر گیا ہوگا۔

(۱۲)

دارا ملکہ سے رخصت ہو کر معتوب فروز دلس کو پہرہ داروں کی حفاظت میں چھوڑ کر باغ کی طرف ہو لیا۔ ابھی سویر ہی تھی اور اس کا خیال تھا کہ نہشتہ معمول کے مطابق دوپہر سے قبل آئے گی اور وہ تنہائی چاہتا تھا۔ اسکی خواہش تھی کہ دربار کی پریشانیوں اور ملکہ کی موجودگی سے چند لمحوں کے لئے آزاد رہے۔ وہ دھیرے دھیرے قدم دھرتا ہوا مرمریں دروازے میں سے گذرا اور اس طویل راستے پر چل دیا جس کے دورویہ گلاب کے پودے کھڑے تھے۔ بادشاہ کبھی اس گلاب کی پتی نوچ کر انگلیوں سے ملتا اور کبھی اس گلاب کی، کلیوں کی دھیمی دھیمی مست خوشبو سونگھ سونگھ کر بچوں کی طرح خوش ہوتا اور گرما کی فرحتناک صبح کی مشام نواز ہوا کھاتا ہوا باغ کی لمبی روش پر چلتا گیا۔ وہ ایک غلطی کا مرتکب ہوا تھا اور اب اس غلطی کی وجوہ کے متعلق سوچنے کے لئے اسے تنہائی کی ضرورت تھی۔

وہ اسی طرح چلتا ہوا مرمریں بارہ دری کے قریب پہنچ گیا۔ وہ شاید آگے نکل جاتا لیکن دفعتہً اس کی نظر کسی عورت کے لبادے پر پڑی جو فرش پر بکھرا ہوا تھا۔ وہ چند سیڑھیاں چڑھ کر بارہ دری میں پہنچ گیا۔

نہشتہ مرمر کے فرش پر اُوندھے مُنہ پڑی تھی اور اس کے بازو اس کے سر سے آگے کی طرف پھیلے ہوئے تھے۔ اس کا چہرہ انتہائی زردی لئے ہوئے تھا، اس کے کھُلے ہوئے ہونٹ نعش کی طرح سفید پڑ گئے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ مر چکی ہے۔ اس کا ململ کا تاج اس کے سر سے اُتر کر دُور گرا ہوا تھا اور اس کے لمبے سیاہ بال بے ترتیبی سے فرش پر بکھرے ہوئے تھے۔ اس کی مٹھیاں مضبوطی سے بھنچی ہوئی تھیں اور اُس کے چہرے پر رُوحانی کرب کے ایسے شدید اثرات تھے جو دارا نے آج تک میدانِ جنگ کے مقتولوں کے چہرے پر بھی نہ دیکھے تھے۔

بادشاہ اس کی صُورت دیکھ کر چونک کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اس نے سمجھا کہ وہ مر چکی ہے ـــــ شاید قتل کر دی گئی ہے ـــــ یہاں تک کہ غور سے دیکھنے کے بعد اُسے سانس کی نہایت خفیف آمد و شد کا احساس ہُوا۔ وہ یکدم لپک کر اسکے قریب بیٹھ گیا۔ اس کا سر اُٹھا کر اپنے زانو پر رکھا اور اس کے ہاتھ اور پنڈلیوں کی مالش کرنے لگا۔ اس نے جُھک کر چھوٹے سے فوارے سے چلّو بھر پانی لیا اور اس کے مُنہ پر چھڑک دیا۔

آخر نہشتہ نے آنکھیں کھولیں ـــــ پھر تھک کر موند لیں ـــــ اور پھر جلدی سے کھولیں بادشاہ کو دیکھا اور اُسے پہچان گئی۔ وہ اُٹھنا چاہتی تھی لیکن بادشاہ نے اُسے روک دیا اور وہ پھر سمٹ کر اس کی گود میں گر پڑی۔ بادشاہ اب بھی اسکے تلوے سہلا رہا تھا اور بڑی بے چینی سے اُن آنکھوں کو دیکھ رہا تھا جو کبھی اُسے دیکھنے لگتی تھیں اور کبھی اس کے چہرے سے ہٹ کر دُوسری طرف۔

"کیا ہُوا ہے؟" نہشتہ نے بے خودی کے عالم میں پُوچھا۔

"مَیں نہیں جانتا" بادشاہ نے کہا۔ "مَیں نے تمہیں یہاں پڑا پایا ـــــ اِسی

فرش پر۔ تمہیں تکلیف ہوئی ہے؟" اس نے ہمدردی کے لہجے میں پوچھا۔

"تکلیف؟ — نہیں — ہاں مجھے تکلیف ہوئی ہے۔ اس تکلیف نے مجھے مار ڈالا ہے۔" اس نے جلدی سے کہا۔ "آہ! دارا! کاش میں تمہیں بتا سکتی؟ تم میرے دوست ہو نا؟"

وہ اس کی مدد کے بغیر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ گرم خون پھر اس کے چہرے میں دوڑنے لگا اور اس کی آنکھوں میں وہی پرانی چمک دوبارہ پیدا ہو گئی۔

"تمہیں اب بھی میری دوستی میں شبہ ہے۔ میں تمہارا بہترین دوست ہوں؟" بادشاہ نے کہا۔

نہشتہ کھڑی ہو گئی اور بڑے غصے میں کمرے میں ادھر سے اُدھر اور اُدھر سے ادھر ٹہلنے لگی۔ اس کے ہاتھ بیقرارانہ اس کے لبادے کے سنہرے حاشیئے سے کھیلنے لگے، اس کا تاج سر کی پچھلی طرف ڈھلک گیا اور اس کے لمبے لمبے گنجان بال آوارہ ہو گئے۔ بادشاہ فوارے کے قریب بیٹھا فکرمند نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا اور نہشتہ کبھی کبھی بادشاہ کی طرف دیکھ لیتی تھی۔

وہ دفعتہً اس کے سامنے کھڑی ہو گئی اور بڑی متانت سے اس کے چہرے پر نظریں جما کر بولی۔

"میں تمہیں کچھ کہنا چاہتی ہوں۔" اس نے دھیمی آواز میں کہنا شروع کیا۔

"میں تمہیں تھوڑی سی بات بتاؤں گی۔ سب کچھ کہہ دینا میرے اختیار سے باہر ہے، مجھے سخت ترین دھوکا دیا گیا، میرے ساتھ مکاری کی گئی ہے اور مجھے ایک کھلونے کی طرح استعمال کیا گیا ہے۔ میں یہ نہیں بتا سکتی کہ کس طرح — لیکن تم میرا اعتبار

کرو گے؟ اُس شخص سے میں محبت کرتی تھی — اب مجھے اُس سے محبت نہیں ہے۔ اُس نے مجھے پُرانے کپڑوں کی طرح گندگی پر پھینک دیا ہے۔ حقیر چیز کی طرح مجھے ذلیل کر دیا ہے۔ ایک ذلیل جُوتے کی طرح جو پُرانا ہو گیا ہو اور پاؤں میں پہننے کے قابل نہ رہا ہو۔ مجھے اُس سے محبت نہیں — میں اُس سے نفرت کرتی ہوں — مجھے اُس سے محبت نہیں ہے۔ نہیں ہے۔"

دارا کی آنکھوں میں خون اُتر آیا، اس کے دانت ایک دُوسرے کے ساتھ پیوست ہو گئے لیکن وہ ساقط و جامد کھڑا انتظار کرتا رہا کہ اب نہشتہ کیا کہے گی۔ لیکن نہشتہ خاموش ہو گئی اور پھر دفعتہً اپنی پسلیوں میں ہاتھ دے کر اِدھر اُدھر پھرنے لگی گویا کسی سخت تکلیف میں مُبتلا ہے۔ وہ ایک دفعہ پھر کھڑی ہو گئی اور بھڑکے ہوئے جذبات کے زیرِ اثر اپنے دونوں ہاتھ بادشاہ کے کندھوں پر رکھ دیئے جو اس کے لمس سے کانپ اُٹھا گویا کسی مضبوط آدمی نے اپنی پُوری قوت سے اُسے مارا ہے۔

"تم نے ایک دفعہ کہا تھا کہ تمہیں مجھ سے عشق ہے۔" نہشتہ نے ہانپتے ہوئے بیقرار لہجے میں کہا۔ "کیا تم اب بھی مجھے چاہتے ہو؟"

"کیا تم سے محبت کا اظہار کئے بہت لمبا عرصہ گذر چکا ہے نہشتہ۔" دارا نے کسی قدر غصّے کی حالت میں کہا۔ "میرے صبر کو زیادہ دیر نہ آزماؤ نہشتہ! میری کمزوریوں کو یُوں گدگدانے کی کوشش نہ کرو۔ تمہاری محبت؟ ہاں — جس طرح زمین کو سُورج سے محبت ہے — جس طرح آج تک کسی مرد نے کسی عورت سے محبت نہیں کی۔ تم سے محبت؟ ہاں میں تم سے محبت کرتا ہوں

اور اسی محبت نے میری دُنیا برباد کر دی ہے۔" وہ جذبات کی شدت سے سر سے لے کر پاؤں تک کانپ اُٹھا اور اس کے چہرے کے نقوش خون کے تیز دورے سے سیاہ پڑ گئے۔" اس کے باوجود کہ مجھے تم سے اتنی محبت ہے میں اُس کا بال بھی بیکا نہیں کرنا چاہتا ــــ لیکن اگر تم کہو تو میں اُس شخص کی بوٹیاں نچوا دوں گا ــ نہشتہ ــ نہشتہ! یہ نہ کہو ورنہ تم شاہِ معظم کو جھوٹا بن جانے پر مجبور کر دو گی!"

"میں تمہیں ورغلا نہیں رہی۔" نہشتہ نے کہا۔" میں نہیں چاہتی کہ اُسے ذرہ برابر بھی تکلیف ہو۔ وہ اس قابل نہیں کہ تم اُسے قتل کرنے کے لئے اپنی اُنگلی بھی بلند کرو۔ لیکن میں تمہیں اتنا بتا دوں ــــ" وہ کہتے کہتے رُک گئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بادشاہ نے اس کے دِل کی بات سمجھ لی ہے اور اس نے لپک کر اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے۔

"دارا" اس نے کہا۔" اگر تمہیں مجھ سے محبت ہے اور تم چاہتے ہو تو میں تمہاری زوجیت میں آنے کو تیار ہوں۔"

بادشاہ کی آنکھوں میں ایک وحشیانہ چمک پیدا ہو گئی۔ اس نے اس کے ہاتھ چھوڑ دیئے اور دو قدم پیچھے ہٹ کر غور سے اس کا چہرہ دیکھا وہ یکایک پاگلوں کی طرح بھاگا، پہلے مرمریں چوکی پر بیٹھ گیا پھر کمرے میں چاروں طرف دوڑنے لگا اور پھر اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ ڈھانپ کر سسکیاں لینے لگا۔

یہ قاتل لفظ کہہ کر نہشتہ کو کچھ اطمینان سا ہو گیا۔ وہ اس کے قریب جا کر گھٹنوں کے بل اس کے پاس بیٹھ گئی اور اپنے نازک ہاتھوں سے اس کی پیشانی اور اور اس کے کھُردرے بالوں کو ٹھیک کرنے لگی۔ بڑے بڑے آنسو بادشاہ کے

سیاہ فام چہرے پر لڑھک آئے تھے۔

"نہشتہ!" اس نے زیرِ لب کہا۔ "سچ کہہ رہی ہو؟"

نہشتہ نے خاموشی سے سر جھکا لیا اور دارا نے اُسے اپنی طرف کھینچ کر اس کا چہرہ اپنے سینے پر رکھ لیا۔ اس کا منہ بڑے محبت بھرے انداز میں اس کی طرف جھک گیا گویا وہ اس کا بوسہ لینا چاہتا ہے لیکن وہ دفعتہً سیدھا کھڑا ہو گیا اور دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"نہیں" اس نے کہا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس نے اپنے جذبات پر قابو پا لیا ہے "تم سے تمہارا بوسہ لینے کی اجازت مانگنا بہت زیادہ چیز مانگنے کے مرادف ہے۔ یہ بہت زیادہ ہے۔ بہت زیادہ! میں اس قابل نہیں ہوں کہ تم میری زوجہ کہلاؤ نہیں!" اس نے پکار کر کہا۔ لیکن نہشتہ نے اُسے اپنی جگہ سے نہ اُٹھنے دیا۔ "نہیں نہیں! مجھے چھوڑ دو ــــ مجھے جانے دو۔ یہ ٹھیک نہیں ہے ــــ مجھے اب تم سے نہ ملنا چاہئے۔ تم نے مجھے اتنا بہکا دیا ہے کہ میں بہت زیادہ کمزور ہو گیا ہوں ــــ"

"دارا! تم دُنیا کے سب آدمیوں سے زیادہ شریف النفس بہادر اور بہترین آدمی ہو" پھر یکایک نہشتہ کو ایسا محسوس ہونے لگا کہ وہ واقعی دارا کی محبت میں گرفتار ہے۔ زرنشت کی پُرشوکت طاقت اِس بہادر بادشاہ کی گرمجوشی کے سامنے ہیچ معلوم ہوتی تھی جو اتنے زبردست امتحان میں بھی ایسا عمل کرنا چاہتا تھا جو ہر لحاظ سے ٹھیک ہو ــــ وہ اُسے اس کی مرضی کے خلاف آزاد چھوڑ دینے پر مُصر تھا۔ اِس لمحے کے لئے وہ اپنی ہمجنسوں کی فطرت کی طرح دارا کی محبت میں بالکل کھو گئی۔ اس نے اپنا بازو اس کی گردن میں ڈال دیا اور اس کا چہرہ اپنی طرف جھکایا۔

"دارا! یہ درست ہے کہ میں تم سے محبت نہیں کرتی لیکن اب میں تمہیں چاہتی ہوں کیونکہ تم دُنیا کے بہترین اور بہادر ترین مرد ہو۔" اس نے ایک گرم بوسہ دارا کی پیشانی پر ثبت کیا اور اپنا سر دارا کے کندھوں پر رکھ دیا۔ بادشاہ ایک لمحے تک کانپتا رہا اور پھر دفعتہً ایسا معلوم ہونے لگا کہ سارے بند ڈھیلے پڑ گئے ہیں اس نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اپنی پوری قوت سے اُسے بھینچ لیا اور پاگلوں کی طرح اس پر بوسوں کی بارش کر دی۔

جب زرتشت اُٹھا اُس وقت رات ہو چکی تھی۔ اُس نے بہت بُرے بُرے خواب دیکھے تھے اور جب وہ بیدار ہوا تو اُسے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اس کی زندگی میں کوئی خوفناک انقلاب رُونما ہونے کو ہے۔ اس نے اپنے کمرے سے باہر غیر معمولی آوازیں سُنیں، وہ تڑپ کر اُٹھ بیٹھا اور اپنے محافظین میں سے ایک کو بُلایا۔

"کیا ہو رہا ہے یہ سب؟" اس نے جلدی سے پُوچھا۔

"شاہِ معظم نے، عمر و دولت پائندہ باد، آج نئی شادی فرمائی ہے"۔ سپاہی تن کر کھڑا تھا لیکن وہ متجسس نگاہوں سے زرتشت کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ زرتشت کا دل ڈُوبتا ہوا سا محسوس ہُوا۔

"کیا؟ کون ہے وہ؟" اس نے سپاہی کے قریب آتے ہوئے پُوچھا۔

"نئی ملکہ کا نام نہشتہ ہے ــــ یہودی شہزادی!" نیزہ بردار نے جواب دیا۔ "بہت بڑی دعوت ہونے کو ہے۔ ہمارے لئے بڑی بڑی عمدہ مٹھائیاں آئی ہیں اور غلاموں کو شراب اور پھلوں کی بہتات ہے ــــ"

"خُوب!" زرتشت نے جواب دیا "جاؤ! تم بھی دُوسروں کے ساتھ مل کر مزے اُڑاؤ۔"

سپاہی سلام کر کے کمرے سے باہر نکل گیا۔ زرتشت اکیلا کمرے میں کھڑا تھا۔ اس کے دانت بج رہے تھے اور اس کے مضبوط اعضا تھر تھر کانپ رہے تھے لیکن اس کے شدتِ غم نے غصّے کی صورت اختیار نہ کی اور نہ ہی اسکی آنکھوں میں آنسو آئے۔ اسے دیکھنے والے صرف اتنا ہی کہہ سکتے تھے کہ اُسے بخار چڑھ آیا ہے۔ اسکی نیلی آنکھیں چراغوں پر گڑ کر رہ گئی تھیں اور اس کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا لیکن اسکی زبان سے ہلکی سی آواز بھی نہ نکلی۔ وہ کرسی پر بیٹھ گیا اور اپنے دونوں بازو سینے پر باندھ لئے گویا کسی حادثے کا انتظار کر رہا ہو۔ باوجودیکہ اس کے کمرے سے باہر چلنے والے پاؤں کی مسلسل چاپ سُنائی دے رہی تھی اور غلاموں اور سپاہیوں کی ملی جلی آوازوں کی بھنبھناہٹ سُنائی پڑتی تھی لیکن زرتشت کی تنہائی میں خلل پیدا کرنے والا کوئی نہ آیا۔ اِس وسیع و عریض محل میں جہاں ہزاروں انسان زندگی کے دِن گذار رہے تھے اور جہاں لاتعداد غلام اور سپاہی آنے والی شاندار دعوت کے متعلق چہ میگوئیاں کر رہے تھے زرتشت تنہا تھا۔

آخر وہ بدقّت اُٹھا اور دو دفعہ کمرے کے اس کونے سے لے کر اس کونے تک پھرا۔ ایک کونے میں ایک چھوٹے سے چھجّے پر اس کے کپڑے لپٹے پڑے تھے اور اس کا چمڑا اخود، چار آئینہ اور زرہ بکتر جو اس نے اس طویل سفر میں پہننا مناسب نہیں سمجھا تھا، دیوار میں گڑی ہوئی کیلوں پر لٹک رہا تھا۔ اس نے اِن سب چیزوں کو غور سے دیکھا۔ کپڑوں کو ایک ایک کر کے دیکھا اور آخر ایک سیاہ جُبّہ اور ایک سیاہ نقاب اُسے مل گیا۔ یہی کپڑے مادیا میں پہنے جاتے تھے۔ اس نے یہ کپڑے پہن لئے اور اپنے لبادے کے نیچے ایک لمبا چاقو کمر سے کس لیا۔ پھر اپنے آپ کو سیاہ رنگ کپڑے میں لپیٹ کر

اور نقاب کو آنکھوں تک کھینچکر اس نے خاموشی سے پردہ اُٹھایا اور اپنے عقب میں دیکھے بغیر باہر نکل آیا۔

وہ غلاموں کے ہجوم میں سے دکھائی دیئے بغیر گذر گیا کیونکہ وسیع ہال میں دو چار شمعوں کی دُھندلی روشنی تھی اور اس کے علاوہ لوگ آنے والی دعوت کے خیال میں ایسے محو تھے کہ کسی کو اپنے اِرد گرد دیکھنے کی فرصت ہی نہ تھی۔

زرتشت نے اِدھر اُدھر کی باتوں سے یہ سمجھ لیا تھا کہ دعوت ابھی شروع نہیں ہوئی اس لئے وہ تیز قدموں سے چلتا ہوا ستونوں کے اُس عظیم الشان جھرمٹ تک پہنچ گیا جو محل کے عین قلب میں واقع تھا اور جہاں سے شاہی جلوس کو کمرۂ طعام کی طرف جاتے وقت گذرنا تھا۔ نیزہ برداروں کی قطاریں اُس راستے پر کھڑی تھیں جہاں سے ملکہ اور بادشاہ کو گذرنا تھا اور جس پر زرد ریت اور گلاب اور چنبیلی کی پتیوں کا فرش کیا گیا تھا۔ ہر ایک ستون پر ایک ایک شمع رکھی تھی جس میں موم اور گوندائی اون جل رہی تھی اور جن سے کچھ دم گھونٹنے والا خوشبودار دُھواں بلند ہو رہا تھا۔ غلاموں کا کثیر انبوہ نیزہ برداروں کی پشت پر کھڑا تھا۔ غلام ایک دوسرے کے ساتھ سُوقیانہ مذاق اور بچوں کی سی شکایتیں کر رہے تھے ــــ انسانوں کی غراتی ہوئی اور لہراتی ہوئی موجیں تھیں جو پتھر کی اس عظیم الجثہ عمارت میں سمٹ آئی تھیں۔ زرتشت اپنے بلند و بالا قد کی بدولت بڑی آسانی سے ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں وہ باآرام سب کچھ دیکھ سکتا تھا اور اب وہ اپنے سپاہیوں کی پشت پر کھڑا تھا جن کے سروں کے درمیانہ خلا سے اُسے سب کچھ نظر آتا تھا۔

یکایک نفیریوں کی آسمان گیر آواز دُور سے سُنائی دی اور اس طوفان انگیز مجمع پر موت کی سی خاموشی چھا گئی۔ جنگ کی جھنجھناہٹ سے ملتا جلتا ایک مترنم ہنگامہ یکدم بلند ہوا اور پھر دھیما پڑ گیا اور آخر جب طبل نواز کشادہ سیڑھیوں پر نظر آئے تو وہی مترنم آواز سُنائی دی۔ ان کے بعد دُوسرے ساز ندے آئے جن کی نسبتاً ہلکی سُریں قرنا کی بلند آہنگ آواز کے ساتھ گلا ملا کر موسیقی کے دریا بہا رہی تھیں اور ان کے پیچھے گویئے تھے جن کی مضبوط اور بلند آواز بادشاہ کے آگے آگے چلنے والے بینڈ کو مکمل کر رہی تھیں۔

یہ جلوس نپے تلے قدموں سے چلتا ہوا بڑھا۔ اس جلوس میں نہ کوئی پجاری تھا، نہ قربانی دینے والا اور نہ ہی کوئی ایسا شخص جس کا تعلق معبد سے ہو۔ لیکن گویوں کے بعد دو سو خوبصورت اور بھولے بھالے بچوں کا گروہ تھا جن کے ہاتھوں میں پھولوں کے بڑے بڑے ہار تھے جو چلتے وقت زمین پر گھسٹتے تھے اور جن کی پتیاں ٹوٹ ٹوٹ کر زمین پر بکھر جاتی تھیں۔

لیکن زرتشت کی آنکھیں نہ تو گویوں میں دلچسپی لے رہی تھیں اور نہ ہی بچوں میں بلکہ اس کی نگاہیں ان دو ہستیوں پر مرکوز تھیں جو ان سب کے پیچھے پیچھے چلی آ رہی تھیں ـــــ شہنشاہ دارا اور دُلہن ـــــ نہشتہ! وہ دونوں پہلو بہ پہلو چل رہے تھے اور جلوس کے دُوسرے ارکان اُن کے آگے پیچھے دس دس قدم کا فاصلہ چھوڑے ہوئے تھے۔ دارا سفید حاشیے والے سُرخ لبادے میں ملبوس تھا۔ تین رنگوں کا سُرخی مائل شانہ بند اس کے کندھوں پر لپٹا ہوا تھا، زرِ خالص کا شاہی تاج اس کے سر پر رکھے ہوئے ململ کے تاج کے گرد حائل تھا۔ اس کا بھورے رنگ کا سیاہی مائل جوڑا

دایاں ہاتھ خالی تھا اور تلوار کی طلائی مٹھ پر رکھا ہوا تھا۔ بائیں ہاتھ میں ایک طلائی چھڑی تھی جس کے سر پر تین ٹکڑوں میں منقسم سنہری گیند لگی تھی۔ وہ مغرورانہ انداز میں آگے بڑھتا چلا گیا اور جب وہ نیزہ برداروں کے قریب سے گذرتا تو اُن میں سے اکثر ایسے تھے جو بڑے فخر سے یہ سوچ رہے تھے کہ شاہِ معظم اُن جیسے سپاہیوں سے زیادہ مشابہت رکھتے ہیں۔

اُس کے بائیں ہاتھ نہشتہ تھی جو سر تا پا زرتار کپڑوں میں ملبوس تھی اور اسکے کندھے پر سُرخ رنگ کا شاہانہ لبادہ نیچے زمین تک لٹک رہا تھا۔ اس کا سفید تاج چاروں طرف سے چنبیلی اور گلاب کے ہاروں میں گھرا ہوا تھا اور اس کے ہاتھ میں چنبیلی کے پھولوں سے بنی ہوئی ایک نازک سی کمان تھی۔ اس کا چہرہ شمع کی روشنی میں زرد معلوم ہوتا تھا تاہم اس کی چال ڈھال سے استقلال اور اطمینان مترشح تھا وہ کبھی کبھار بادشاہ کی طرف بھی دیکھ لیتی تھی اور دیکھنے والے جانتے تھے کہ یہ نظریں حقارت کی نظریں نہیں ہیں۔

جُوں جُوں یہ دونوں زرتشت کی طرف بڑھتے آئے زرتشت کو ایسا محسوس ہونے لگا کہ وہ برف کی طرح سرد ہوا جا رہا ہے۔ دھوئیں کی کثرت۔ باجوں کے شور و شغب اور سارے منظر کی پریشان کُن اجنبیت نے اس کا دماغ چکرا دیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس میں حقیقت ہو ہی نہیں سکتی۔ اس نے نہشتہ کو غور سے دیکھا لیکن اس کا اپنا چہرہ نقاب میں چاروں طرف سے ڈھکا ہوا تھا تاہم اس نے کچھ ایسی تیز آنکھوں سے نہشتہ کی طرف دیکھا کہ نہشتہ کو خواہ مخواہ اسکی موجودگی کا احساس ہو گیا ــــ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ نہشتہ نے اس کی نظروں کو محسوس کر لیا ہے۔

اس نے سپاہیوں کے عقب میں دیکھا اور آخر ان دونوں کی آنکھیں چار ہو گئیں۔ اس نقاب کے باوجود یقیناً نشتہ نے زرتشت کو پہچان لیا ہو گا کیونکہ جب وہ آگے بڑھی تو اس کے چہرے پر پیشانی پر غصے کی سُرخیاں نظر آ رہی تھیں۔

عین اس وقت جب وہ اُس جگہ کے قریب آئی جہاں زرتشت کھڑا تھا تو زرتشت نے اپنی گردن سپاہی سے بلند کر کے اس کی طرف دیکھا اسکی آنکھیں دہکتے ہوئے کوئلوں کی طرح سُرخ ہو گئیں اور جس طرح مضبوط فولاد کی تلوار کسی لوہے کے ٹکڑے سے ٹکرا کر آواز پیدا کرتی ہے ویسی ہی تیز اور جگر خراش آواز زرتشت کی زبان سے یہ کہتی ہوئی سُنائی دی۔

"بے وفا!"

یہی الفاظ تھے جو اس کی زبان سے ادا ہوئے لیکن ارد گرد کھڑے ہوئے لوگوں نے وہ طنز آمیز جگر دوز آواز سُنی جس کو دبانے کے لئے مغنیوں کی بلند آہنگ تانیں اور طبل و قرنا کی سقف شکن گونجیں بھی ناکام رہی تھیں۔

نشتہ نے اپنا جسم سیدھا کیا اور ایک لمحے کے لئے رُک کر اسکی طرف دیکھا۔ اس کی نگاہوں میں ایسی ناقابلِ بیان نفرت اور حقارت کے جذبات مچل رہے تھے جو آج تک کسی نے کسی انسانی آنکھ یا چہرے پر نہ دیکھے ہوں گے۔ پھر وہ آگے بڑھ گئی۔

دو نیزہ برداروں نے تیزی سے پلٹ کر اپنے درمیان کھڑے ہوئے آدمی کی طرف دیکھا جس نے نئی ملکہ کی شان میں ایسے گستاخانہ الفاظ کہنے کی جرأت کی تھی اور لپک کر اُسے دونوں کندھوں پر سے پکڑ لیا۔ اگر ایک لمحہ اور گذر جاتا

تو نیزوں کی ظالم انیاں اس کی زندگی ختم کر دیتیں۔ لیکن اس کے مضبوط سفید ہاتھ بجلی کی سی سرعت سے تڑپ کر لبادے کے پردوں سے باہر نکلے اس نے اُن دونوں کی کلائیوں کو مضبوط ہاتھوں سے پکڑا اتنی پھرتی اور اتنی تندی سے مروڑ دیا کہ وہ درد و کرب کی شدت سے چیخ کر بے بس ہو گئے اس کی طرف خوف اور حیرت کی شدت سے ششدر رہ کر پلٹے اور زرتشت اِس حیرت زدہ مجمع کی نگاہوں تلے اپنے آپ کو سیاہ لبادے میں لپیٹ کر تیزی سے باہر نکل گیا۔

"پہاڑی بھوت ہے کوئی" ایک نے کہا۔

"یہ خود اہرمن ہے" دوسرا بولا۔

"یہ بال کے پجاری کی روح ہے جسے شاہِ معظم نے بابل میں قتل کیا تھا"

"یہ کیمبیس کی بدروح ہے"

"نہیں" ایک نیزہ بردار نے اپنی کلائی کو سہلاتے ہوئے کہا "یہ کپتان زرتشت تھا۔ میں نے اُس نقاب کے نیچے سے اس کا چہرہ دیکھ لیا تھا"

"ہو سکتا ہے" اس کے ساتھی نے جواب دیا "کہا جاتا ہے کہ وہ تین انگل موٹی لوہے کی سلاخ اپنے ہاتھوں سے توڑ دیا کرتا ہے۔ لیکن میرا تو یہی خیال ہے کہ یہ کوئی پہاڑی بھوت تھا"

لیکن جلوس اُسی شان سے آگے کو بڑھتا گیا اور اس سے پہلے کہ لوگ حیرت کے اِس گرداب سے نکل کر اپنے اپنے خیالات کا اظہار کر سکیں زرتشت ستونوں میں سے گذرتا، اُجاڑ صحنوں میں سے ہوتا ہوا فراخ سیڑھیوں سے اُتر کر قلعے کے دروازے پر پہنچ گیا اور وہاں سے تن تنہا، پا پیادہ ستاروں کے دُھندلے نور میں ملفوف

جنگل کی طرف ہولیا۔ وہ اپنے غم میں کسی کو شریک نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ اسے تنہا برداشت کریگا۔ اُسے فانی ہمدردی کی ضرورت نہ تھی اور وہ انسانی رحم و کرم پر اپنے آپ کو نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ ضرب قاتلانہ تیقن کے ساتھ لگائی گئی تھی اور اس سے پیدا شدہ وہ گہرا گھاؤ کسی عورت یا کسی مرد کی ہمدردی سے مُندمل ہونیوالا نہ تھا۔ مسرت کا وہ محل جو ایک سال کی شدید محنت کے بعد اس نے تیار کیا تھا بنیادوں تک پاش پاش ہو گیا تھا اور اس کی شکست انتہائی خوفناک اور صبر شکن تھی۔ اسکی بربادی نے اس کی رُوح کی پوری سلطنت پر اپنا بھیانک اثر کیا تھا اور اس کے جسم کی سلطنت کو بیخ و بُن سے اُکھاڑ پھینکا تھا۔ وہ عظیم الشان اور فلک شکوہ معبد جہاں وہ اپنے محبوب کے قدموں پر محبت اور عقیدت کے سجدے اُتارا کرتا تھا آج برباد ہو گیا تھا۔ اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی تھی۔ اس معبد کی بربادی ہڈیوں کے متعفن ڈھیر کی طرح کریہہ اور نفرت انگیز تھی یہاں تک کہ اس کی رُوحانی آنکھیں اس بربادی کی طرف دیکھ کر خوف اور نفرت کے عالم میں واپس پلٹ جاتیں ایسی گریہ آور بربادی انہیں پوری طرح سے مایوس کر چکی تھی۔

وہ تن تنہا اور پا پیادہ خوفناک مسافت طے کرتا رہا۔ اس کی آنکھیں خشک تھیں اور اس کے چہرے پر اطمینان کا نور رقص کر رہا تھا۔ اس کے ماضی کا کوئی حصہ ایسا نہ تھا جس کے لئے اسے رتی بھر پروا ہو — اس کا سپاہیانہ لباس کمرے کی دیوار میں گڑی ہوئی کھونٹی پر لٹک رہا تھا اور انہی کپڑوں کے ساتھ وہ اُس زرتشت کو بھی اسی کمرے کی چار دیواری میں دفن کر آیا تھا جس سے وہ آج سے پہلے آشنا تھا — مضبوط، نوجوان خوبصورت زرتشت! وہ زرتشت جو ایک

جنگجو سپاہی تھا، محبت کرنے والا مرد تھا، جسے محبت میں ڈوبے ہوئے ہزاروں شعر یاد تھے، جس کی تلوار کی برش قیامت تھی، جو بیمثال شہسوار تھا ــــ جو فقید المثال آدمی تھا! وہ جو اس بھیانک ہمہ گیر تاریک رات میں تن تنہا، پاپیادہ جا رہا تھا آدمی نہیں تھا بلکہ ایک چلتا پھرتا حزن تھا، رنج و کرب کی بھیانک شدت سمٹ کر ایک سائے میں متشکل ہو گئی تھی جو حقیقی چیزوں کے درمیان نظر آ رہا تھا، ایک ایسا انسان تھا جو موت کے ساتھ پوری طرح بے تکلف ہو چکا تھا اور موت کے فرشتے کا محبوب بن چکا تھا!

تنہا ــــ زندگی میں نظر آنے والے اپنوں اور غیروں کے مانوس چہروں کے ہجوم سے علیحدہ ہو جانے سے اطمینانِ قلب کا آغاز ہوا تھا ــــ لیکن اس اطمینان کا انجام اور اس کا ماحصل اُس وقت حاصل ہوگا جب وہ اپنے آپ سے علیحدہ ہو جائیگا اپنے اس بوجھل جسم سے پرے ہٹ جائیگا جو اُسے پریشان کر رہا تھا، جب وہ اُس رُوح کی آنکھوں سے اوجھل ہو جائیگا جو خود اپنے بوجھ کے نیچے دبی جاتی تھی۔ کیونکہ آج سے بعد اس کا مونس تنہائی رنج کے سوا اور کوئی نہیں، اس کا ہمراز کبھی نہ مٹنے والے حزن کے سوا اور کون ہے؟

اُف خداوندا! وہ کتنی حسین تھی اور اس کی محبت میں کتنی شدت اور کس بلا کی قوت تھی۔ اس کا چہرہ ایک فرشتے کی طرح معصوم اور دلفریب تھا اور اس کا ننھا سا دِل گلاب کے پھول کی اُن پتیوں کی طرح نازک اور معصوم تھا جو سورج کے اُبھرنے سے پہلے ایک کلی کی صورت میں لپیٹ دی جاتی ہیں۔ اس کے بوسے میں بہار کی وہ نزہت آفرینیاں کروٹیں لیتی تھیں جو دُنیا کو مسرور کر کے نئی زندگی

بخش دیتی ہیں اور اس کی آنکھیں وہ صاف شفاف کنوئیں تھیں جن میں سے طلوع آفتاب کے طلائی نور کو شرم سے پانی پانی کر دینے والی سچائی کا نور چھنتا تھا۔ اس کے لعل پاش ہونٹوں میں غضب کی حلاوت تھی اور اس کی معطر سانس ایسے شاہانہ وقار کے ساتھ اپنی مترنم آواز کو کانوں تک پہنچاتی تھی کہ آج تک ایسا ترنم سنائی نہیں دیا۔ وہ دُنیا کی ساری عورتوں سے زیادہ حسین تھی، وہ ساری مخلوق میں سب سے زیادہ پیاری ہستی تھی۔ اس کی محبت دُنیا بھر کی عورتوں کی محبت سے زیادہ گرم جوش، زیادہ خالص اور زیادہ حقیقی تھی۔ اِس دُنیا میں ایسی عورت کبھی پیدا نہیں ہوئی اور نہ ہی آیندہ پیدا ہوگی۔

اور اس کے باوجود ــــ محض دس دن کے عرصے میں وہ اتنی بدل گئی اس میں ایسا قیامت انگیز انقلاب آگیا، اس کی حیرت انگیز فطرت کے شفاف اجزا اس طرح منقلب ہوگئے کہ اس نے اپنے آپ کو دھوکا دیا، اپنے محب کو دھوکا دیا دُنیا بھر کے دھوکوں سے زیادہ کریہہ اور خوفناک دھوکا ــــ آخر کیوں؟ محض دوسری عورتوں سے زیادہ سُرخ رنگ کا ایک چیتھڑا پہننے کے لئے، اپنے سر کے بالوں کو سونے کے ٹکڑے سے مزین کرنے کے لئے، ملکہ کا خطاب حاصل کرنے کیلئے ــــ آہ! وہ پیدائش ہی سے دُنیا بھر کی عورتوں کی ملکہ تھی!

سنگین ترین جھوٹ! کیا جب سے دُنیا نے سانپ کے آسمان گیر ادراک سے دھوکے کا سبق سیکھا تھا اُس وقت سے لیکر آج تک کسی اور نے بھی ایسا دھوکا کیا؟ ایسا جھوٹ بولا ہے؟ کیا اس نے اپنے خدا کے تقدس کی قسم کھا کر یہ وعدہ نہیں کیا تھا کہ وہ زرتشت سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محبت کرتی رہے گی؟ ہمیشہ کے لئے! آہ!

وہ الفاظ جن کے معنی میں کبھی جنت کی دلفریبیاں آباد تھیں اور آج جس کی ہر کشش میں جہنم کے شعلے لپک رہے ہیں ـــ جس کے معنی ہمیشگی کی مسرت، لازوال اطمینان اور سراپا عشق تھا ـــ انہی کے معنی آج ہمیشگی کا کرب، دکھ اور اس زخم کا جگر خراش درد ہے جو کبھی مندمل نہ ہوگا۔ اُف! وہ کل جو اس کے لئے مسکراتی ہوئی زندگی کا حکم رکھتی تھی آج موت کی طرح خوفناک بن گئی ہے۔ اُف! وہ زندگی جس کو آج خود نہشتہ کے ہاتھوں نے خوفناک، کائنات شکن موت بنا دیا ہے!

خلائے اعظم ـــ یہ ساری دُنیا، غرور تکبر کا ایک کھوکھلا غار ـــ زندگی سے خالی، روشنی سے معرا جہاں انسانی کرب کے بھوت خوفناک آوازوں سے روتے ہیں جس کی گھناؤنی تاریکیوں میں انسانی درد کی چڑیلیں چیختی ہیں۔ وہ رات جس کی صبح خلق نہیں کی گئی، جس میں ایک مُردہ دُنیا کی آنکھوں کو اپنی گلابی انگلیوں سے چھو کر نور سے معمور کر دینے والی کرن نہیں پھوٹ سکتی۔ وہ شدید، یخ بستہ، غیر فطری سرما جو اَن تھک وقت کی پے بہ پے کروٹوں کے باوجود بہار کی صوت کو ترستی رہیگی جس کی قسمت میں اپنی یخ بستہ رگوں میں بھولی ہوئی زندگی کی سرور انگیز حرارت کا احساس کرنا نہیں لکھا، جس کے لئے نئی زندگی کی خوشگوار امید کی سنسنی مقدر نہیں کیگئی۔

دُور، مشرقی میدانوں کی اوس سے بھیگی ہوئی گھاس پر زرتشت پشت کے بل لیٹا آسمان کی لامحدود وسعتوں میں نظریں گاڑے خود فراموشی کے عالم میں دیکھ رہا تھا ـــ اُس آسمان کی وسعتوں میں جہاں تارے اس طرح چمک رہے تھے جس طرح سیاہ لبادے پر موتی ٹنکے ہوں۔

آہستہ آہستہ اس کے قلبی طوفانوں کی شدت کم ہونے لگی اور جس طرح

زندگی بخش شبنم آسمان کی بلندیوں سے زمین کے جگر صد چاک پر گر رہی تھی بالکل اسی طرح غیر محسوس طور پر آسمانی طمانیت اس کے مضطرب دل پر پھاہا رکھنے لگی۔ اس کے دل کی وہ بے پناہ دھڑکن جس نے اس کے ذہن کے ہر ذرّے میں آگ لگا دی تھی مٹ گئی اور اس کی رُوح غم کے اندھے طوفان سے اُبھر کر رُوحانی آسمان کی اُن خنک بلندیوں کی طرف پرواز کرنے لگی جہاں غم پیدا ہی نہیں ہوتا۔ اس کی آنکھیں آئینے کی طرح شفاف ہو گئیں اور اس کا جسم رات کی شبنم کے اثر سے اکڑ گیا۔ اس کی رُوح زمینی قوتوں کے چنگل سے نکل کر اُس مقام محمود کی طرف پرواز کرنے لگی جہاں صبح و شام مل کر ایک کبھی ختم نہ ہونے والے نورانی دن میں بدل جاتے ہیں جہاں آسمانی ترنم کا قوی اشتراک اپنا سادہ لیکن پُر شکوہ گیت خدائے آسمانی کے کانوں تک پہنچاتا ہے۔

(۱۳)

دُور مشرق کی اُجاڑ پہاڑیوں میں جہاں گلّہ بانوں کی قدیمی قوم ڈھلوانوں پر کی تھوڑی بہت گھاس پر بھدی بکریوں کے گلّے پالا کرتی تھی ایک گہرا کھڈ ہے جس میں اُترنے کی جُرأت بہت کم آدمیوں نے کی ہے اور جہاں سُورج کی کرن بھی دوپہر کے وقت چند ہی لمحوں کے لئے جانے کی ہمّت کرتی ہے۔ ندی کے کنارے ایک تنگ وادی ہے اِس وادی میں ڈیڑھ گھنٹے کی مسافت کے بعد ایک گہرا گڑھا دکھائی دیتا ہے جو ایک عظیم المجثہ اسٹیج سے مشابہ ہے۔ اس کے چاروں طرف پھٹے ہوئے پتھروں کی ایک سیدھی دیوار قائم ہے۔ اِس گڑھے کے بیچوں بیچ ایک سیاہ پتھر میں سے ایک چھوٹا سا چشمہ اُبلتا ہے جس کا پانی بڑی تیزی سے قلقل کی سماعت نواز آواز پیدا کرتا ہوا نکل کر ایک چوڑی جھیل کی صُورت میں پھیل جاتا ہے۔ اِس جھیل کا پانی ایک ڈھلوان راستے پر بہتا ہوا دُور میدان میں ایک چھوٹے سے سوتے کی شکل میں برآمد ہوتا ہے۔ یہ سوتا کچھ دُور بڑھ کر تیز رفتار دریائے راکس میں گر پڑتا ہے جو پُر شکوہ استخار کے محلّات اور سنگین بُرجوں کے قریب لہریں لیتا ہے۔ استخار اِس پوشیدہ پہاڑی غار سے دو دِن کی مسافت پر واقع ہے۔

اُس شخص کو جو گہرے خیالات میں مستغرق ہر روز چشمے کے کنارے آکر بیٹھا کرتا زرتشت کہنے میں کچھ پس و پیش ہوتی تھی۔ اس کا سرو قامت توانا جسم فاقوں اور مصائب کی وجہ سے گل سڑ کر ہڈیوں کا ڈھیر بن گیا تھا۔ اس کے سر اور داڑھی کے بال برف کی طرح سفید ہو گئے تھے اور اس کی کمر تک آتے تھے۔ اس کا خوبصورت سفید چہرہ زرد اور شفاف ہو گیا تھا۔ لیکن اس کی گہری نیلی آنکھوں میں اب بھی روشنی موجود تھی جو گذشتہ دنوں کی روشنی سے بالکل مختلف تھی ــــ ایک عجیب و غریب اور مطمئن نظر کی آگ تھی جو حیرت انگیز چیزوں کو دیکھنے کی عادی ہو چکی تھی ــــ ایسی چیزیں جن کو عام آدمی دیکھ کر زندہ نہیں رہ سکتے۔

شوشان کے محلات سے نکلے اُسے کُل تین سال گذرے تھے اور اب وہ تینتیس سال سے زیادہ کا نہ تھا۔ لیکن اس کے ماضی اور حال میں ایک عریض خلیج حائل تھی۔ اس کے ماضی اور حال کے درمیان بشریت اور پیغمبری کا بُعد پیدا ہو چکا تھا، فنا کے تفکرات اور علوی زندگی کے روحانی سکون کا درمیانہ فاصلہ اپنا اثر کر چکا تھا۔

یہ ٹھیک ہے کہ وہ کبھی کبھار اُس پھسلنے راستے پر چڑھ کر پہاڑ کی چوٹی پر بھی آجایا کرتا تھا جو اس نے پہاڑ کے پتھروں میں بنایا ہوا تھا۔ یہاں پہنچکر وہ ایک چرواہے سے ملا کرتا تھا اور ہر مہینے کے آغاز میں سونے کی زنجیر کی ایک کڑی کے عوض بھنے ہوئے چنوں کا ایک تھیلا اور بکری کے دودھ سے بنا ہوا تھوڑا سا سخت پنیر خریدا کرتا تھا جب سے وہ یہاں آکر مقیم ہوا تھا اس نے زنجیر کے تینتیس حلقے بیچ کھائے تھے اور اب یہ زنجیر اپنی طوالت میں نصف سے بھی چھوٹی رہ گئی تھی۔ جب ایک ہزار دن پورے ہوں گے تو یہ زنجیر ختم ہو جائیگی۔ لیکن تب بھی کیا پرواہے۔ عقل کل آرمزادا

سب کچھ اپنی جناب سے مرحمت فرمائیں گے۔

زرتشت چشمے کے کنارے بیٹھا دوپہر کے وقت چند لمحوں کے لئے چشمے کے پانی کو چمکتا دیکھتا رہا اور پھر جب دھوپ ڈھل گئی تو یہ پانی آہستہ آہستہ تاریک ہونے لگا۔ اس نے تمام دن اُس جگہ سے ایک انچ جنبش نہ کی جہاں وہ تین سالوں سے ہر روز بیٹھا کرتا تھا۔ گرمیوں کی دوپہر کے سورج کی تمازت آفریں کرنیں اس پر اثر نہ کرتی تھیں اور نہ ہی سرما کی خون خشک کر دینے والی سردی اُسے اپنی جگہ سے ہلانے میں کامیاب ہو سکی۔ لمبی لمبی پشم والی پہاڑی بکریاں دوپہر کے وقت چشمے سے پانی پینے کے لئے آتیں اور اپنی احمقانہ آنکھوں سے اس بیحس و حرکت انسان کو دیکھا کرتیں، اور شام کے وقت لمبے لمبے جسم والے بھیڑیئے دبے پاؤں پہاڑیوں پر سے اُترتے، اس کے قریب آکر اس کے پاؤں کے قریب کی مٹی سونگھتے، اپنے نوکدار سر اُٹھاتے اور خوف و دہشت کی ایک فلک رس چیخ مار کر اُلٹے پاؤں بھاگ جاتے جیسے کوئی غیر فطری چیز یکدم ان کے راستے میں آگئی ہو۔

آخر کافی رات گئے زرتشت اُٹھتا اور اُس چھجے کے نیچے آجاتا جو دو لٹکی ہوئی پہاڑیوں کے باہم ملنے سے بن گیا تھا۔ یہاں آکر یہ پکے بالوں والا نوجوان غور سے دیر تک ستاروں کی طرف دیکھتا رہتا اور آخر غار میں چلا جاتا۔

یہ غار کافی کشادہ اور وسیع تھا۔ اس کا بلند دہانہ ایک محراب کی طرح بنا ہوا تھا دیواریں سیاہ رنگ کے صاف شفاف پتھر کی بنی ہوئی تھیں اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ چابکدست سنگ سازوں نے بڑی محنت سے تیار کی ہیں۔ اس کا فرش سیاہ رنگ کی نرم ریت سے بنا ہوا تھا جو اتنی ہموار اور نرم تھی جتنی اُس ریگستان کی ہوتی ہے

جہاں کبھی جاندار کے قدم کبھی نہ آئے ہوں۔ اِس غار کے وسط میں سیاہ چٹان کا ایک بڑا گول ٹکڑا پڑا تھا اور اس ٹکڑے پر آگ جل رہی تھی۔ یہ آگ کبھی نہ بجھتی تھی اور نہ ہی اس کو جلتا رکھنے کے لئے کسی ایندھن کی ضرورت کبھی پیش آئی تھی۔ آگ کے بلند نوکدار شعلے میں سے ایک عجیب قسم کی سفید روشنی نکلتی تھی جو سیاہ پتھروں کی دیواروں کو اس طرح جگمگا دیتی تھی گویا یہ آئینے کی بنی ہوں۔ یہ شعلہ بھی نرالی شان کا تھا۔ نہ کبھی یہ بھبکا نہ بھڑکا اور نہ ہی سرد ہوا۔ بلکہ شفاف سونے کی اَنی کی طرح سیاہ پتھر پر سیدھا کھڑا تھا۔ اِس عجیب و غریب آگ میں سے دُھواں بھی پیدا نہیں ہوتا تھا اور نہ ہی عام قسم کی آگ کی طرح اس کے نواح میں حرارت کا احساس ہوتا تھا۔

زرتشت نے جُھک کر اپنی انگشتِ شہادت سے ریت پر ایک تصویر کھینچی جو دائرے سے مشابہ تھی البتہ یہ دائرہ شمال مشرق سے لیکر جنوب مغرب تک دو مستقیم خطوط سے قطع کیا گیا تھا۔ چار چھوٹی قوسوں کے سرے پر بڑے دائرے کے بیرونی حصے میں چار چھوٹے چھوٹے نصف دائرے قائم کئے گئے تھے جو دائرے کی حدود اور خطوط منقطع کے نقطہ قطع کو ملاتے تھے لیکن قربان گاہ کی طرف یہ خطوط آپس میں نہیں ملائے گئے تھے بلکہ راستہ کھلا چھوڑ دیا گیا تھا۔

جب یہ شکل مکمل ہوگئی تو زرتشت دائرے سے باہر نکلا اور اُس عظیم الجثہ چٹان سے بھی اپنی اُنگلیاں چھو دیں جس پر آگ جل رہی تھی۔ وہ پھر اُسی راستے سے واپس آگیا اور دائرے کے خطوط ملا کر راستہ بند کر دیا۔ جونہی دائرہ مکمل ہوا آگ جیسی ایک نرم روشنی اُن تمام خطوط سے پیدا ہونے لگی جو زرتشت نے اپنی اُنگلیوں سے بنائے تھے۔ لیکن یہ روشنی آگ جیسی طاقتور نہ تھی۔ پھر زرتشت

مغرب کی طرف پاؤں پھیلا کر لیٹ گیا۔ قربان گاہ اس کے سر کی طرف تھی۔ اس نے اپنے بازو اپنے سینے پر باندھ لئے اور آنکھیں بند کر لیں۔ لیٹتے ہی اس کا جسم تختے کی طرح اکڑ گیا۔ اس پر مراقبے کی بے خودی مسلط ہو گئی اور اس کی روح دنیوی علائق سے آزاد ہو گئی۔ اس کا جسم زمین پر استراحت کر رہا تھا۔

اس طرح دنیا سے علیحدہ، موت کے حلقے میں مقید ہو کر زرتشت نے خواب دیکھے اس کی نظروں سے ہزاروں مناظر گذرے۔

سب سے پہلے اس کے ذہن میں وقت اور فاصلے کا وسیع تصور پیدا ہوا جس کے متعلق وہ اپنے استاد دانیال کی کتابوں میں پڑھ چکا تھا۔ وہ اس کے اصول و قواعد پر پوری طرح سے حاوی ہو چکا تھا لیکن ابھی تک اس کی اصل حقیقت اس کی سمجھ میں نہ آئی تھی۔ وہ زندگی کے بوقلموں تاثرات سے اس حد تک متاثر تھا کہ اسکی آنکھیں اس صاف شفاف روشنی میں جو فانی اشیا کے قلب و جگر میں اتر جاتی ہے چند صیا جاتا تھا۔

دانیال نبی نے اسے بنیادی اصولوں سے روشناس کر دیا تھا۔ دنیا کے سب لوگ اپنی لاعلمی کی وجہ سے وقت اور فاصلے کی ابدیت پر مصر تھے گویا یہی ایسے خیالات ہیں جن کو سمجھنے میں انسانی ذہن اپنی رفعتوں کے باوجود اپاہج ثابت ہوتا ہے ایک قوی الادراک انسان اس سے زیادہ فحش غلطی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ قوتِ لامتناہی لامحدود ہے اس لئے حدود میں مقید ہونا اس کے لئے طبعاً غیر ممکن ہے۔ جو چیز لاتناہی سے تعلق رکھتی ہے اس کی تعریف ہو ہی نہیں سکتی۔ کیونکہ تعریف حدود متعین کرنے کو کہتے اور جس کی کوئی حد نہ ہو اس کی حدود کو متعین کر سکتا ہے۔ لہذا

وہ آدمی جو لامحدود کو محدود کرنے کی کوشش کرتا اُس چیز کی تعریف کرنا چاہتا ہے جس کی تعریف ہو ہی نہیں سکتی۔ جب اُسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ذہن پر کسی چیز کا عکس ڈالنے کا واحد طریقہ مُردہ حواس ہی ہیں تو وہ اپنی زنگ آلود لاعلمی اور بھدی کمزور لفاظی کا سہارا لیکر بڑی جرأت سے یہ دعویٰ کر دیتا ہے کہ انسانی ذہن اتنا کمزور اور محدود ہے کہ وہ لامتناہی فاصلہ اور بے کراں وقت کی وسعتوں کا اندازہ کر ہی نہیں سکتا۔

انسان کا بے عنان دماغ صرف انہی احمقانہ خیالات کے زیر اثر نہیں ہے بلکہ ہر وہ احمق جو دُنیوی چیزوں ہی کو اپنی تمنّا کی منتہیٰ سمجھتا ہے اس دُنیا کے چند ھیلا دینے والے سچائی نما جھوٹ کے متعلق بھی یہی خیالات رکھتا ہے۔ لیکن آخر الامر وہی دماغ جس کی بے عزتی اس بے دردانہ طریقے پر کی جاتی ہے اور جسے محدود سمجھ کر آدمی خود اپنی زندگی کو محدود کر لیتا ہے اُس قوتِ ادراک کی مدد سے جو اس کے اندر فطرتاً موجود ہے اور جس کے متعلق غلطی سے سمجھ لیا گیا ہے کہ نہیں ہے ایک ایسی روشنی پیدا کر لیتا ہے جو تمام شکوک و اوہام کو باطل ثابت کر دیتی ہے کیونکہ اگر انسانی ذہن حقیقتاً اس طرح محدود ہوتا تو اس کے لئے خاص حدود کا ہونا لابُدی تھا۔ اور جس طرح یہ بات بدیہی ہے کہ انسان کے لئے اپنی فطرت میں تغیر پیدا کئے بغیر فاصلے اور سہ گانہ حدود سے مفر ممکن نہیں اور نہ ہی وہ خارجی حجم اور اس کے اندرونی اور بیرونی زاویوں کے باہمی تبدل کے بغیر حجم کے ہمہ گیر اصولوں، طُول، عرض اور ضخامت سے گلو خلاصی کر اسکتا ہے اسی طرح یہ بھی ظاہر ہے کہ انسانی ذہن حقیقتاً اتنا ہی محدود ہوتا جتنا کہ سمجھا جاتا ہے تو محقق ایک ایک دن

اِن حدود کو ضرور پالیتا۔

یہی خیال کہ لاتناہ اِنسانی قوتِ ادراک سے کوئی بلند چیز ہے اِس حقیقت کا بدیہی ثبوت ہے کہ انسانی دماغ غیر شعوری طور پر لاتناہ کی اصل وحقیقت کو محسوس کرتا ہے۔ اِسی لئے گہرائی کی وہ لامحدود قوت اس کی طرف منسوب کی جاتی ہے جس سے مُفر نہیں اور یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ دُنیا بھر کے سارے ہجوم اِسی لاتناہی میں پائے جاتے ہیں۔ اِس خیال سے قوتِ تصوّر کو نئی نئی راہیں مِل جاتی ہیں۔ اور انسان محسوس کرنے لگتا ہے کہ یہ لاتناہی فاصلہ سارے خلق شدہ حجم اپنے اندر رکھتا ہے ـــــ فانی بھی حقیقی اور قوی بھی۔ کیونکہ انسانی ذہن بلاشک وشبہ اپنے آپ کو لامحدود کے تھوڑے سے محدود حصّے کو سمجھنے اور اس کی اصلیت اور ماہیت کو جاننے پر قادر ہے اِس لئے ظاہر ہے کہ اِنسانی قوتِ ادراک بھی لامحدود کی ساری قوتوں کے ساتھ ساتھ عمل کرتا ہے اِس لئے ثابت ہوتا ہے کہ یہ بھی اسی لاتناہ کی طرح بیکراں ہے جس میں تمام خلق شدہ چیزیں اپنی عارضی ہیئت رکھتی ہیں اور وہ حقایق جو خلق نہیں کئے گئے روزِ ازل سے یہاں موجود ہیں۔ اِنسانی ادراک لاتناہ سے اُس حقیقی علم کی بدولت آشنا ہے جو فطرت کی طرف سے اُسے ودیعت کیا گیا ہے اور جو حواس کا محتاج نہیں۔

جب زرتشت نے تمام ممکن علوم کے اصول پر غور کیا تو اُسے سب سے بڑی علت کا علم ہوگیا ـــــ وہ قوتِ حیات پیدا کرنے والی رُوح کے اُس مرکزی اصول کو سمجھ گیا جو دُنیا کے ہر ذرّے کو محیط ہے اور جس میں عارضی چیزوں کو پیدا کرنے والی بُنیادی چیز 'حرکت' کا ظہور ہوتا ہے۔ تقسیم کا عظیم الشان قانون بھی اس کی سمجھ میں آگیا ـــــ

اُس ہمہ گیر قوت کو تھوڑے وقفے کے لئے دو حصّوں میں بٹ جانا جس کی تقسیم کے بعد دوبارہ اتصال سے روشنی۔ حرارت اور زندگی کی خفیہ قوت پیدا ہوتی ہے اور جس کا نتیجہ مقناطیسی حرکت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہ سب چیزیں جو مادی کہلاتی ہیں درحقیقت اِسی قانونِ تقسیم کی مرہون ہیں۔ اس نے تاریکی اور نور کی تقسیم کو غور سے دیکھا اور اُسے معلوم ہوگیا کہ کس طرح وہ چیزیں جو تاریکی کے پردے میں آکر نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہیں نور کے اثر سے منوّر ہو کر بصارت میں سمانے کے قابل ہو جاتی ہیں۔ اُسے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ وہ نُور جس کو ہم نور کہتے ہیں دراصل تاریکی کا ایک جزو ہے جس کو صیقل کر دیا گیا ہے۔ لیکن وہ نُور جو حقیقی معنوں میں نُور کہلانے کا مستحق ہے ہماری ان آنکھوں کو تہ در تہ پردوں میں ملفوف ہے۔ اس کی نگاہیں دنیا کی گھپ اندھیری رات کا جگر چیر کر رُوحانی دِن کا نظارہ کرنے لگیں اسپر یہ حقیقت روشن ہوگئی کہ وہ اشکال جو دُنیا کی اس تاریکی میں ایک متعینہ شکل و صورت کے ساتھ پھرتی نظر آتی ہیں بالکل فانی اور زیادہ دیر تک زندہ رہنے والی نہیں، اور وہ مُصفّا اور پاکیزہ ہستی جس کا سایہ حقیقی روشنی میں لرزتا ہُوا دکھائی دیتا ہے حقیقی اور ہمیشہ رہنے والی ہے۔

پھر اس علم، طاقت اور فطری روشنی کی مدد سے اس نے اُس ہمہ گیر قوت کو جو عناصر میں موجود تھی دو حصّوں میں منقسم کر کے پھر اُسی تھپر پر متصل کر دیا جس پر اُسے رکھا گیا تھا۔ وہ شعلہ مکمل خاموشی کے ساتھ بجھے بغیر مسلسل جلتا رہا اور ان اصول و ضوابط کی بنا پر جن سے فانی قوتیں غیر فانی اجسام میں متشکل کی جا سکتی ہیں وہ اپنی فطری قوت کے بل بوتے پر اُن قوتوں کو بھی منقسم کر دیتا تھا جو عارضی چیزوں میں

آکر بیکار پڑی تھیں۔

اس کے بعد اس نے انسان کے سات اجزائے ترکیبی پر غور کیا، ان کی مفارقت اور ان کی فطرت کے اختلاف پر بہت کچھ سوچ بچار کی۔

انسان کا سب سے پہلا جزو اس کا فنا ہو جانے والا جسم ہے۔

دوسرا جزو ہمہ گیر قوت کا وہ حصہ ہے جس سے اسکے جسم میں زندگی پیدا ہوتی ہے۔

انسان کا تیسرا جزو اس کا وہ سایہ ہے جو آسمانی نور میں لرزتا ہے، جو ہمیشہ اسکے ساتھ رہتا ہے اور جو اس کی دنیوی آنکھوں سے اوجھل رہتا ہے۔

چوتھا جزو اُن تمام خواہشات کے باہمد گر ملنے سے ظہور میں آتا ہے جو آدمی اپنے فانی حواس سے محسوس کرتا ہے۔ یہ جزو نہ ہی حقیقی ہستی ہے اور نہ ہی فانی بلکہ یہ نتیجہ ہے۔

انسان کا پانچواں جزو وہ جو کہتا ہے "میں" جس کی مدد سے اپنے آپ کو دوسروں سے الگ سمجھتا ہے۔ اس کے ساتھ ذلیل چیزوں کا ادراک ضرور ہوتا ہے لیکن بلند اور آسمانی چیزیں اس کی قوت سے باہر ہیں۔

چھٹی چیز وہ حقیقی ادراک ہے جو وقت اور فاصلے کی طرح بے کراں ہے ـــــ جو حقیقی ہے، غیر فانی ہے اور آنکھوں سے اوجھل رہتا ہے۔

ساتواں حصہ رُوح ہے جس کو خود خدا کا تحفہ کہنا چاہیئے۔

زرتشت انہی حقائق پر غور کرتا رہا یہاں تک کہ اس کا فانی حصہ فاقوں کی شدت اور تفکر کی ریاضت سے بہت زیادہ کمزور ہو گیا۔ بعض اوقات اسی مراقبے کی حالت میں اُسے یہ احساس بھی ہونے لگتا تھا کہ ہمہ گیر قوت کبھی کبھی اسکے فانی حصے کے رگ و ریشے میں خراب ہونا اور دوبارہ تازہ ہونا چھوڑ دیتی ہے۔ اُس وقت اُسے ایسا

محسوس ہوتا تھا کہ وہ مر گیا ہے اور اس کے ساتھ اس کا چوتھا جزو بھی فانی خواہشات کو محسوس کرنے کی قوت کھو دیتا ہے۔ اس کے ساتھ اُسے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اس کے تین حقیقی جزو ــــ یعنی اس کی انفرادیت، اس کی قوتِ فہم اور اس کی رُوح ــــ چند لمحوں کے لئے ایک دُوسرے سے جُدا ہو گئی ہیں۔ اس وقت اس کے اندر ایک عجیب و غریب روشنی کا طلوع ہوتا جس کی مدد سے وہ حقیقی اور غیر حقیقی چیزوں کے امتیازی فرق کو محسوس کر لیتا تھا۔

اِس طرح وہ کئی راتوں تک اپنے غار کے فرش پر پڑا حقائق کے آسمانوں کی نزہت زا بلندیوں کا تماشا کیا کرتا اور اس کا جسم روشنی کے اُس دائرے کے درمیان تمام بیرونی خطرات سے محفوظ پڑا رہتا تھا۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ باوجودیکہ اس روشنی میں حرارت نام کو بھی نہ تھی تاہم ہر فانی ذی رُوح اس کے قریب نہ بھٹک سکتا تھا اس کے ساتھ جسم کے چھوٹے سے چھوٹے حصّے کا چھُو جانا فوری موت کا سبب بن جاتا تھا۔ اِس طرح وہ اپنے مراقبے کی حالت میں بھی محفوظ رہتا۔ وہ اپنی مرضی کے مطابق اپنے فانی جسم سے مفارقت اختیار کر لیتا جب چاہتا پھر زندہ ہو جاتا تھا۔

اِس طرح اس کی نگاہوں نے ماضی، حال اور مستقبل کے کونے کونے کو چھان مارا یہاں تک اسکی رُوح اتنی منزہ اور مُصفّا ہو گئی جتنی آج تک کسی فانی انسان کی نہیں ہوئی تھی۔ اب وہ رُوحانی بلندیوں کی طرف پرواز کرتا غیر فانی نیکی اور غیر فانی سچائی کے مناظر دیکھتا۔ آخر وہ یہ چاہنے لگا کہ ایکدفعہ اِس فانی جسم کو چھوڑ کر پھر اس میں واپس آئے۔ اس کا خیال تھا کہ جب فانی کو چھوڑ کر باقی کو حاصل کر لینا اتنا آسان ہے تو پھر گھڑی گھڑی گوشت کے اس جبّے کو اُتارنے اور پہننے کی زحمت کیوں اُٹھائی جائے۔ اِس لئے اس نے

ارادہ کرلیا اور کہ وہ موت کو چپکے سے اپنے فانی جسم پر قابو پانے کی اجازت دیدے گا اور خود ہمیشہ کے لئے حقائق کے اس نزہت بار فردوس میں رہنے لگے گا جس کا راستہ اُسے حال ہی میں معلوم ہوا ہے۔

لیکن جب اسکی رُوح اس قسم کے خیالات پر سوچ بچار کر رہی تھی ایک آواز گونج اُٹھی اور اس نے بڑے غور سے اس آواز کو سُنا۔

"ایک لمحہ دُوسرے لمحے ایسا ہی ہے اور وقت کے کسی حصّے میں کوئی فرق نہیں۔ لاتناہ کا ایک لمحہ ویسا ہی قیمتی ہے جتنا کہ دُوسرا کیونکہ یہاں تغیر نہیں۔ نہ ہی اس کا ایک حصّہ دُوسرے حصّے سے کسی طرح بہتر ہے۔

باوجودیکہ آدمی رُوح کے لحاظ سے غیر فانی ہے لیکن اس کا جسم فانی ہے اور وہ وقت جو اس کی رُوح اس کے جسم میں گذارتی ہے اس کے لئے اتنا ہی قیمتی ہے جتنا وہ اس سے باہر گذارے گی۔

یہ خیال نہ کرو کہ اب تم اپنی مرضی کے مطابق اپنی رُوح کو جسم علیحدہ کرنے اور اسمیں دوبارہ پھونکنے پر قادر ہو گئے ہو اس لئے فنا اور بقا کی کنجیاں بھی تمہاری تحویل میں دیدی گئی ہیں۔ تم اس طاقت کے باوجود وہ سب فرائض انجام دینے پر مجبور ہو جس کے لئے خدا نے تمہیں پیدا کیا ہے۔

بلکہ اس سے تمہیں اُلٹی تکلیف ہوگی اور تمہاری مصیبت کی گھڑیاں پہلے سے کہیں زیادہ طویل ہو جائینگی کیونکہ تم نے اپنے جسم کو اسکے فرائض ادا کرنے سے روکے رکھا ہے۔

رُوح کی زندگی اس وقت بھی اتنی ہی قیمتی ہے جتنی اس کے چھوڑنیکے بعد ہوگی۔ تم اپنے گوشت پوست کے وقت کو کم کرنے پر قادر نہیں ہو۔

تم دُنیا کی ہر چیز کے متعلق علم حاصل کر لینے کے باوجود ابھی تک خدا کو نہیں جان سکے کیونکہ تم اپنے جسم کو سمجھ سکے ہو جو دُنیا میں ہے۔ وہ دُنیا جو وقت کی حدود میں محدود ہے۔ وہ وقت جس کے لئے فاصلے کی حدود لازمی ہیں اور خدا میں فاصلہ اپنے تمام مشترکات کے ساتھ سمٹ آتا ہے۔

تم نے دُنیوی اور رُوحانی علوم حاصل کر لئے۔ یہ بھی سیکھ لو کہ جب تک تم دُنیا میں ہو تمہیں دُنیا کے قوانین کو ماننا ہوگا اور جب تک آسمان میں ہو آسمان کے قوانین کے سامنے سرِ اطاعت جھکانا ہوگا۔ اپنا دِل خدا سے لگاؤ لیکن جب تک جسم میں ہو وہی کام کرو جو جسم کے لئے مناسب اور ضروری ہیں۔

اِس دُنیا میں تمہارے ایسے ہزاروں آدمی اور ہیں۔ اگر تم نے دُنیا کو چھوڑ دیا تو تمہارے اِس علم سے دُوسرے آدمیوں کو کیا فائدہ ہوگا؟ خدا نے تمہیں خلقِ خدا کی خدمت کے لئے پیدا کیا ہے۔

اور صرف تمہیں ہی نہیں بلکہ ہر انسان کو۔ اِنسانوں کا فرضہ انسانوں کے سر ہوتا ہے اور فرشتوں کا فرشتوں کے سر۔ لیکن آدمی کا وقت بھی خدا کی نظر میں اتنا ہی وقیع اور ضروری ہے جتنا کہ فرشتوں کا۔

ہر وہ چیز جو اپنے مقررہ وقت پر مکمل نہیں کی جائیگی ہمیشہ کیلئے غیر مکمل رہیگی۔ اگر تم نے اِس دُنیا میں رہکر اُن فرائض کی تکمیل نہ کی جو تمہارے جسم سے متعلق ہیں تو یاد رکھو جب تم جنت میں پہنچو گے تو ایک آنکھ سے کانے یا ایک ٹانگ سے لنگڑے بن کر آؤ گے کیونکہ تم نے اپنا کام مکمل نہیں کیا۔

حقیقی دانائی یہ ہے۔ آدمی اپنے لئے کسی قسم کا لالچ نہ رکھے۔ اس کی رُوح

آہستہ آہستہ رُوحانی بلندیوں کی طرف بڑھتی جائیگی اور ذلیل چیزیں اس کے جسم سے علیحدہ ہوتی جائیں گی لیکن یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے کام میں کبھی غفلت نہ کرے۔ اُسے فانی چیزوں کو بھی بھولنا نہیں چاہئے خواہ وہ غیر فانی چیزوں کو بھی کیوں نہ حاصل کرلے۔

ایک انسان کو دُوسرے انسان کے ساتھ وہی رشتہ ہے جو کُل کے ایک جزو کا دُوسرے اجزا کے ساتھ۔ اِس لئے جس طرح کُل کا حقیر ترین جزو مٹا دینے سے کُل مکمل نہیں رہتا اسی طرح ایک شخص کو متعینہ وقت سے پہلے مٹا دینے سے انسانیت مکمل نہیں رہتی۔

اِس لئے جب ایک آدمی اپنے متعینہ وقت سے پہلے اپنے آپ کو مٹا دیتا ہے وہ خدا کے بنائے ہوئے قانونِ تکمیل کے خلاف گناہ کا ارتکاب کرتا ہے۔

دُنیا خواہ تاریکی ہی میں ہو تاریکی نُور کی تکمیل کے لئے ضروری ہے۔ گو دُنیا تباہ ہو جائیگی اور رُوحانی دُنیا میں تخریب کا عنصر نہیں تاہم فانی چیز غیر فانی کی تکمیل کیلئے ایک ضروری جزو ہے۔

غیر حقیقی اور ناقابل تغیر چیزیں ایک دُوسرے کے پہلو بہ پہلو رہتی ہیں اور یہ دونوں لاتناہ کے دو ضروری اجزا ہیں۔ ایک لمحہ دُوسرے ایسا ہی ہے وقت میں کوئی فرق نہیں۔

اِس لئے جاؤ اور اپنے جسم میں قیام کرو اور وہ تمام کام سرانجام دو جو جسم کے لئے ضروری ہیں۔ تم کام کرنے کے لئے بنائے گئے ہو اور جب تک وہ اپنے متعینہ وقت پر مکمل نہ ہوں گے ..... اُس وقت تک تمہاری زندگی میں تکمیل نہ ہوگی، اور تم ہمیشہ کے لئے ایک غیر مکمل رُوح بن کر رہ جاؤ گے۔

غیر مکمل رُوح بالآخر فنا کے گھاٹ اُتار دی جائیگی کیونکہ غیر مکمل میں قرار نہیں۔

اِنسانیت کی تکمیل کے لئے اُس وقت تک سب کچھ کرنا ہوگا جب تک رُوح جسم کی ظلمتوں میں مقید ہے۔ کارنامے مِٹ جاتے ہیں اور اِن کارناموں کو سرانجام دینے والا جسم بھی لیکن مکمل اِنسان کی رُوح ابدیت کی خلقت سے سرفراز کی جاتی ہے اور اس کے تمام کارناموں کا سایہ ابد تک دُنیا کی تاریخ کے اوراق کو اپنی زد میں رکھتا ہے۔

جلدی کرو کیونکہ تمہارا وقت تھوڑا ہے۔ تم نے وہ سب کچھ سیکھ لیا ہے جن کا سیکھنا قانوناً جائز تھا اور تمہارے کام مستقبل قریب میں تکمیل کو پہنچ جائیں گے۔

جلدی کرو کیونکہ یہ لمحہ قیمت کے اعتبار سے ایک سا ہی ہے اور ایک وقت میں دُوسرے وقت سے زیادہ کچھ نہیں ہوتا۔

وہ لمحہ جو گذر جائے واپس نہیں بُلایا جا سکتا اور وہ کام جو ایک شخص ایک خاص وقت میں کر سکتا ہے کسی اور وقت میں پُورا نہیں ہو سکتا۔"

آواز خاموش ہو گئی اور زرتشت کی رُوح اس کے جسم میں واپس آ گئی جو غار میں پڑا تھا۔ اس نے آنکھیں کھول دیں۔ چند لمحوں کے بعد وہ اُٹھ کر کھڑا ہو گیا اور مٹھی بھر ریت لیکر قربان گاہ کے قریب آگ پر چھڑک دی۔ جونہی دائرہ لوٹتا آگ یکدم سرد پڑ گئی اور اُن لکیروں کے سوا کوئی نشان باقی نہ رہا جو زرتشت نے اپنی اُنگلیوں سے سیاہ رنگ کی ریت پر بنائی تھیں۔

اس نے اپنے سیاہ رنگ کا جبہ جسم پر لپیٹ لیا اور دروازے سے باہر نکل آیا۔ رات سنسان تھی۔

سر پر بدرِ کامل کی ٹھنڈی اور روشن شعاعیں عموداً گرتے ہوئے پڑ رہی تھیں اور سیاہ رنگ کے پتھر ایک ہلکی سیاہی مایل چمک کے ساتھ جگمگا رہے تھے۔ چشمے کے قریب

بنی ہوئی جھیل میں چاند کی روشنی پڑ رہی تھی اور جھیل چاندی کی ایک وسیع تھالی کی طرح سفید اور چمکدار معلوم ہو رہی تھی۔

زرتشت آگے بڑھ کر چشمے کے کنارے کھڑا ہو گیا۔ چاند کی طلسمی شعاعوں نے اس کے سفید لمبے بالوں، دراز داڑھی اور سفید لمبے ہاتھ کو جو اس نے چٹان پر ٹیک رکھا تھا اپنی پُرشوکت آغوش میں لے لیا۔

اس کی تیز سماعت نے جو طویل گوشہ نشینی کی وجہ سے عام انسانوں سے بہت زیادہ قوی ہو گئی تھی گڑھے سے اوپر پتھروں پر انسانی پاؤں کی چاپ سُن لی۔ اس نے آہستہ سے سر اُٹھا کر دیکھا اور اس کی تیز نگاہوں نے ایک آدمی کو بڑی احتیاط سے ہولے ہولے قدم رکھتے ہوئے گڑھے کے اندر آنے والے راستے پر چلتا ہوا دیکھ لیا۔ وہ آدمی آہستہ آہستہ قریب سے قریب تر ہوتا گیا اور زرتشت اُسے صاف دیکھنے لگا۔ آخر وہ ایک لٹکی ہوئی چٹان پر آ گیا جو اتنے فاصلے پر تھی کہ وہ دونوں ایک دوسرے کی باتوں کو بڑی آسانی سے سُن سکتے تھے۔ یہ وہی چرواہا تھا جو کبھی کبھار گوشہ نشین زاہد کے لئے کھانے پینے کی چیزیں لایا کرتا تھا اور چرواہوں کی اس ساری نگری میں وہی ایک شخص ایسا تھا جو زرتشت کے گوشۂ عافیت میں داخل ہو کر اس کی مکمل علیحدگی میں خلل پیدا کرنے کی جرأت کر سکتا تھا۔ وہ طبعاً بہادر آدمی تھا لیکن چشمے کے کنارے کھڑے ہوئے تنہا آدمی کی شکل و صورت نے اُسے خوفزدہ بنا دیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ چاند کی سیمیں شعاعوں کے چھو جانے سے اسکے سفید براق بالوں میں سے ایک خاص قسم کی چمک پیدا ہونے لگی ہے۔ یہ دیکھ کر وہ رُک گیا۔ اتفاقاً ایسا نہ ہو کہ یہ تنہائی پسند عابد مرتاض اُسے کوئی نقصان پہنچائے۔

"اگر میں نیچے آ گیا تو تم مجھے مارو گے تو نہیں؟" اس نے نہایت عاجزانہ لہجے میں پوچھا۔

"مَیں کسی شخص کو نقصان نہیں پہنچاتا"۔ زرتشت نے جواب دیا۔ "آرام سے آجاؤ"۔
چُست اور پھرتیلا چرواہا لٹکی ہوئی چٹان پر سے لٹک کر چند لمحوں کے اندر گڑھے میں پڑے ہوئے پتھروں پر اُس شخص سے چند قدموں کے فاصلے پر آ کھڑا ہُوا جسکی اُسے تلاش تھی وہ سیاہ فام آدمی تھا اور بکری کی کھال سے جسم چھپائے ہوئے تھا۔ چمڑے کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اسکی چھوٹی چھوٹی پھرتیلی ٹانگوں کے گرد لپٹے ہوئے تھے۔ اسکی آواز میں اب بھی خوف کا اثر باقی تھا اور جب وہ زرتشت کے سامنے آکر کھڑا ہوا تو اسکا عصا اسکے بوجھ تلے کانپ رہا تھا۔
"کیا تم وہی نہیں ہو جس کا نام زرتشت ہے"۔ اس نے پوچھا۔
"مَیں ہی ہوں" زرتشت نے جواب دیا۔ "تم پوچھ کر کیا کرو گے"۔
"تم جانتے ہو گے کہ بادشاہ سلامت اپنی بیگم اور سارے درباریوں کے ساتھ شکار کے محل میں اُٹھ آئے ہیں"۔ اُس آدمی نے جواب دیا۔ "مَیں وہاں غلاموں کے ہاتھ پنیر بیچنے کیلئے کبھی کبھار آجایا کرتا ہوں۔ بادشاہ سلامت نے یہ ڈونڈی پٹوائی ہے کہ جو شخص زرتشت کو اُن کے سامنے پکڑ لائیگا ایک تالنت اور سُرخ رنگ کا ایک جوڑا انعام میں پائے گا۔ مَیں غریب ہوں ــــ اور تمہیں محل میں جاتے ہوئے بڑا ڈر معلوم ہوتا ہے جی؟"
"مَیں کسی چیز سے نہیں ڈرتا۔ ان تین برسوں نے مجھے خوف سے بہت بلند کر دیا ہے"۔
"تو تم سمجھتے ہو کہ بادشاہ سلامت تمہیں پاکر بڑے ناراض ہونگے نا تم پر! اور تمہیں بڑا نقصان بھی تو پہنچائیں گے۔ تم جب سے مجھے ملے ہو میرا مختنانہ تم نے بڑے کھلے دل سے دیا ہے۔ مَیں تمہارے نقصان میں خوش تھوڑی ہو سکتا ہوں۔ تمہیں تکلیف تو نہیں نا پہنچا سکتا مَیں؟"
"کوئی مجھے نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ میرا وقت ابھی نہیں آیا"۔

"تو پھر چلو گے میرے ساتھ؟" چرواہے نے فوری مسرت کے اثر سے اُچھل کر کہا۔
"اور کیا مجھے بھی سونے کی تالنت اور وہ جوڑا جامہ ملے گا؟"
"مَیں تمہارے ساتھ چلوں گا اور جو چیز تم چاہتے ہو تمہیں مل جائیگی" زرتشت نے کہا
"تیار ہو؟ میرے پاس کوئی سامان نہیں جس کو اُٹھانے کی زحمت ہو"
"لیکن آپ پکی عُمر کے آدمی ٹھہرے" چرواہے نے قریب آکر کہا "آپ پیدل اتنی دُور کیسے جاسکیں گے۔ میرے پاس ایک لادُو جانور ہے تو سہی مَیں صُبح اُسے ساتھ لے آؤنگا اور پھر ہم تم دونوں چلیں گے۔ مَیں ابھی ابھی تو استخار سے یہ خبر سُنکر لوٹا ہوں اور جلدی میں ناک کی سیدھ یہیں آ لیا ہوں"
"گو میرے بال سفید پڑ گئے ہیں لیکن پھر بھی عُمر کے اعتبار سے تمہاری بہ نسبت جوان ہوں۔ مَیں تمہارے ساتھ چلونگا۔ آگے آگے چلو"
اس نے جُھک کر اوک سے چاندنی میں چمکتے ہوئے چشمے کا پانی پیا پھر گھوما اور وادی کی پھسلنی پسلی پر چڑھنے لگا۔ چرواہا خاموشی سے آگے آگے چل رہا تھا۔ زرتشت کی وجیہہ اور نورانی صورت کے خوف اور اپنی غیر متوقع خوش نصیبی کی مسرت نے اس کی زبان پر تالے ڈال دیئے تھے۔

(۱۴)

نہشتہ اور دارا کی شادی کو تین سال کا عرصہ گذر گیا تھا۔ اس عرصے میں دارا ایک مجبت کرنے والا شوہر ثابت ہوا تھا۔ لیکن کئی دفعہ اُسے اپنی مملکت کے مختلف حصص میں بغاوت فرو کرنے کے لئے نہشتہ کو تنہا چھوڑ کر جانا پڑا تھا۔ ہر دفعہ وہ فاتح واپس لوٹتا اور نہشتہ کے لئے کوئی نہ کوئی قیمتی تحفہ لے کر آتا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ دارا کو اپنی دو بیویوں کے درمیان صلح و آشتی کی فضا پیدا کرنے کے لئے بڑی دقتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ ملکہ آتوسہ ہر وقت اور ہر گھڑی نہشتہ کو تنگ کرنے پر کمر بستہ رہتی اور جب بھی موقع پاتی اس کے ذہن میں یہ بات بٹھانے کی کوشش کرتی کہ خواہ شاہِ معظم اس پر کتنی ہی عنایات فرمائیں تب بھی وہ مرتبے کے لحاظ سے اُس سے دُوسرے درجے پر ہے۔ اس کے باوجود دارا کے انصاف میں بال برابر فرق پیدا نہیں ہوا تھا وہ ہمیشہ یہی کوشش کرتا کہ آتوسہ کو اس کا پورا حق ملے۔

زرتشت کے چلے جانے نے نہشتہ کو بالکل مطمئن کر دیا تھا اُسے اس وقت سخت تکلیف ہوئی تھی جب زرتشت نے بھرے مجمع میں اُسے بے وفا کا خطاب دیا تھا۔ یہ الفاظ دہکتے ہوئے خنجر کی طرح اس کے جگر میں اُتر گئے تھے اور اب تک اسکی

رُوحانی گہرائیوں میں کھٹک رہے تھے۔ گذشتہ تین سالوں میں آتوسہ نے کسی طرح بھی اس پر یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ وہ قاتل منظر بناوٹی تھا اس لئے نہشتہ آج تک اسی وہم میں مُبتلا تھی کہ زرتشت نے اُسے انتہائی کمینہ دھوکا دیا ہے۔ وہ سمجھتی تھی کہ اسکے خلاف ہونا ناممکن ہے۔ اس نے یہ سب کچھ خود اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ کیا کوئی مرد جو واقعی طبعاً کمینہ، پُردل اور ذلیل نہ ہو ایسی حرکات کرسکتا ہے جیسی زرتشت نے کی تھیں؟ وہ آتوسہ اور اس کے لئے فاعاشق کو برباد کرنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ شاہِ معظم کی بے غیاتی عنایات کے باوجود پرانی محبت راکھ میں دبی ہوئی ایک ہلکی سی چنگاری کی طرح ابھی تک اس کے دِل میں موجود تھی اور وہ اس کہانی کا اعادہ کسی طرح بھی پسند نہیں کرسکتی تھی۔ وہ جا چُکا تھا۔ شاید مرچکا تھا اور شاید اب وہ لوٹ کر نہشتہ کو کبھی بھی پریشان نہ کرسکے گا۔ وہ دربار میں قدم دھرنے کی بھی جرأت نہ کرسکے گا۔ اُسے یاد تھا کہ جب شاہِ معظم کو یہ شک پیدا ہوگیا تھا کہ جلاس میں نقاب پوش شخص زرتشت ہی تھا تو وہ کس قدر غضبناک ہوا تھا۔ لیکن چند دنوں کے بعد دارا نے اپنے معمول کے مطابق بے پروایانہ انداز میں کہدیا تھا کہ اگر وہ خود اس کی جگہ پر ہوتا تو یہی کرتا جو اس نے کیا ہے اور اُسے اپنی قسم کا احترام ہے اور وہ پارسی نوجوان کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچائیگا۔ اس نے آرمزاد کی حرمت و رفعت کی قسم کھا کر کہا تھا کہ وہ شہنشاہوں کا شہنشاہ ہے اور وہ مایوس عاشقوں سے لڑائی کی کبھی نہ ٹھانے گا۔

اِسی اثنا میں دارا نے اراکس کی وادی میں استخار کے چھوٹے سے قلعے کے قریب اپنے لئے ایک عظیم الشان محل تعمیر کرایا تھا جہاں وہ سردیوں اور بہار کے زمانے میں رہا کرتا تھا۔ اُسے تقریباً مسلسل طور پر اُن بیشمار مختلف چھوٹی چھوٹی

ریاستوں کے والیوں کی سرکوبی کرنا پڑی تھی جنہوں نے سلطنت میں انقلاب کے آتے ہی اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا تھا۔ وہ برق کی سی سرعت کے ساتھ سلطنت کے ایک حصّے سے دُوسرے حصّے میں گیا، مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک طوفانِ برق و باراں کی طرح گھوم گیا لیکن جب بھی واپس آتا دربار میں ابتری کے آثار نظر آتے، یہ دیکھ کر دارا کی بھنویں تن جاتیں اور وہ غصّے سے غرا کر کہتا کہ مٹھی بھر عورتوں کو قابو میں رکھنا مادیا، پارس اور بابل کی مشترکہ سلطنتوں پر حکومت کرنے سے کہیں زیادہ مشکل ہے۔

اس پر مستزاد آتوسہ اُسے ہر دم نئے نئے مشوروں سے دِق کیا کرتی۔

"جب حضور شاہِ معظم کسی مہم پر تشریف لے جاتے ہیں" وہ کہتی "تو محل کی راسیں ڈھیلی پڑ جاتی ہیں۔ اٹانیس کمزور آدمی ہے۔ شاہ معظم نہ تو گھر کا انتظام میرے ہی سپرد کرتے ہیں اور نہ کسی دُوسرے آدمی کے۔"

"یہاں ہے کون جس کا اعتبار کیا جائے" دارا نے جواب دیا۔ "کیا تم لوگ ایک مہینے کے لئے بھی آرام سے نہیں رہ سکتے۔"

"نہیں" آتوسہ نے اپنی دلفریب مُسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "یہ ناممکن ہے۔ شاہِ معظم کی بیویاں آپس میں سمجھوتا نہیں کر سکتیں۔ شاہِ معظم کو چاہیئے کہ وہ کوئی ایسا آدمی منتخب فرمائیں جو محل کے دھندے سنبھالے۔"

"کون ایسا شخص ہے جس کو منتخب کیا جائے۔"

"کسی زمانے میں شاہِ معظم کے پاس ایک وفادار ملازم تھا۔" آتوسہ نے کہا۔ "آج کل کوئی ایسا نہیں ہے کیا؟"

"ہاں۔ لیکن یہ ضرور کہوں گی کہ آجکل محل میں کوئی آدمی ایسا نہیں جو اُس سے زیادہ وفاشناس ہو اور جو شاہِ معظم کے احکام کی تعمیل اتنی جلدی کر سکے۔ جب شاہِ معظم نے نہشتہ کو اپنی زوجیت میں لینے کی عزت افزائی فرمائی تھی اُس وقت وہ شوشان سے چلا گیا تھا۔"

"تمہارا مطلب زرتشت سے ہے شاید؟" دارا نے بھنویں سکوڑ کر قدرے غضبناک نگاہوں سے آٹوسہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ لیکن آٹوسہ نے بے باکانہ اُسکی اِن نگاہوں کا مقابلہ کیا۔

"وہی" اس نے جواب دیا "کیوں نہ حضورِ مکرم اُسے واپس بُلوا کر محل کا انتظام اُسے تفویض فرما دیں۔ وہ حقیقتاً وفادار مُلازم ہے ــــ اور ملازمت چاہتا بھی ہے۔"

بادشاہ کی نگاہیں اب بھی متجسسانہ انداز میں اسکا چہرہ تک رہی تھیں گویا وہ اِس عرضداشت کی وجہ معلوم کرنا چاہتا یا یہ چاہتا ہے کہ کم از کم وہ اِن طنز آمیز الفاظ کی تہ میں کام کرنے والے جذبے کو سمجھ جائے۔ یہ ٹھیک ہے کہ اُسے دُھندلا سا شُبہ ضرور تھا کہ آٹوسہ گذشتہ واقعہ کی یاد دلا کر اُسے پریشان کرنا چاہتی ہے، لیکن وہ آٹوسہ کی حیرت انگیز گہرائی کے مقابلہ میں کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتا تھا۔ اس نے اپنے انداز میں جواب دیا۔

"اگر زرتشت ابھی تک زندہ ہے تو ہم اُسے ضرور بُلوا بھیجیں گے۔ وہ واقعی وفادار نوکر تھا ــــ اور وہ تم سب پر حکومت کریگا تاکہ یہاں کسی قسم کی پریشانی پیدا نہ ہو۔"

اس کے فوراً بعد اس نے یہ اعلان کرا دیا کہ جو شخص زرتشت کو شاہِ معظم کی

خدمت میں حاضر کرے گا اُسے انعام کے طور پر سونے کا ایک تالنت اور ایک سُرخ جبہ مرحمت ہوگا۔

نہشتہ کو یہ اطلاع پاکر سخت صدمہ ہوا۔ اس کی وجہ بہت حد تک یہ تھی کہ اعلان کے ہوتے ہی آتوسہ نے اُسے دق کرنا شروع کر دیا اور اُسے کہنے لگی کہ زرتشت واپس آئیگا اور محل کا حاکم اعلیٰ بنایا جائیگا۔ نہشتہ یہ سُن سخت غضبناک ہوئی اور اس کے پاس سے اُٹھ کر چلی گئی۔ جاتے وقت اس نے ملکہ کو ایسی نفرت کی نظروں سے دیکھا کہ سنگدل ملکہ اپنی ظالم فطرت کے باوجود یہ خیال کرنے پر مجبور ہوگئی کہ شاید وہ حد سے بڑھ گئی تھی۔

بادشاہ زرتشت کو بعض اور وجوہ کی بنا پر بھی اپنے قریب بُلانا چاہتا تھا۔ وہ دل ہی دل میں عام طور پر سوچا کرتا تھا کہ اُس شخص نے نہشتہ کو ایسی کونسی اذیت دی ہے کہ اسکی محبت چند لمحوں کے اندر اندر ایسی خوفناک نفرت میں بدل گئی ہے لیکن اس نے اس کے متعلق نہشتہ سے کبھی سوال نہ کیا تھا۔ یہ ایسا موضوع تھا جس کے متعلق تبادلہ خیالات کرنے سے یہ دونوں گھبراتے تھے۔ وہ اپنی اس شادی سے بے انتہا خوش تھا اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ کسی نامرغوب انکشاف کی بدولت اسکی یہ مُسکراتی ہوئی جنت زیر و زبر ہو جائے۔ جب نہشتہ نے بادشاہ کو زرتشت کے دھوکے کے متعلق بتایا تھا اُس وقت وہ ایسی غضبناک ہو رہی تھی اور اس کا غصہ اتنا سچا اور حقیقی معلوم ہوتا تھا کہ بادشاہ یہ سمجھنے پر مجبور ہوگیا کہ نہشتہ سے شادی کرنے سے وہ زرتشت کو کوئی نقصان نہیں پہنچا رہا۔ تاہم اس کے رحم و کرم اور انصاف سے معمور دل نے اُسے ہزاروں مرتبہ یہ یقین دلایا تھا کہ نہشتہ نے

اس سے شادی کچھ تو اس لئے کی ہے کہ وہ اسکی بے پایاں مہربانیوں کی ممنون ہے اور کچھ اس لئے کہ اس کا محبّ بالآخر بے وفا ثابت ہوا ہے۔ لیکن جہاں تک گذشتہ کی ذات کا تعلق ہے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ وہ جہاں محل کے دوسرے افراد سے متنفر تھی بادشاہ کے لئے وہ ویسی ہی حلیم الطبع اور محبّت کرنے والی بیوی تھی گو یہ بھی درست ہے کہ اسکی محبّت میں گرم جوشی نام کو بھی نہ تھی۔ اور اب ایک ایسے آدمی کو محل میں اعلیٰ عہدے پر متعین دیکھنے کا خیال سخت جگر خراش تھا۔ وہ رات دن اسی خیال میں غرق رہنے لگی کہ کس طرح اُس کے سامنے جائیگی اور کیا کرے گی۔ اس پریشان کن خیال نے اس کی نیند بھی چھین لی تھی۔ وہ کسی آنے والی مصیبت کے خیال سے زرد پڑ گئی اور اس کی آنکھیں اندر کو دھنس گئی تھیں۔ اب بھی اس کے دل کی گہرائیوں میں گذشتہ محبّت کی یاد زندہ تھی۔ یہ ٹھیک ہے کہ اس نے اس یاد کو بڑی بہادری سے دبا دیا تھا اور اُسے اپنے قدموں تلے کچل کر اپنے سینے سے باہر پھینک دیا تھا تاہم یہ چنگاری ابھی زندہ تھی۔ یہ سوتا ہوا دیو ابھی تک اس کے دل میں موجود تھا جو بیدار ہو کر اس کے دل کی ساری کائنات کو پلٹ دینے کے لئے ہر وقت تیار تھا۔ ضرورت صرف اس امر کی تھی کہ بے وفائی کا وہ دھبّہ جو اس حسین ماضی کے چہرے کو کریہ بنائے ہوئے ہے دھو دیا جائے اور اُس بوجھ کو اُٹھا دیا جائے جس نے اُسے دل کے مسند سے اُتار کر نفرت کی گہرائیوں میں جھونک دیا تھا۔

دارا ابھی زرتشت کے طرزِ عمل کو سمجھنے کے لئے بیتاب تھا۔ لیکن ایک اور وجہ جو اس سے کہیں وزنی تھی اس کو واپس بُلانے کے لئے دارا کو مجبور کر رہی تھی۔ سلطنت کے کاروبار میں ایک خطرناک پیچیدگی پیدا ہو گئی تھی اور وہ جانتا تھا

کہ اسکی سلطنت میں دانیال نبی کے شاگرد رشید زرتشت سے زیادہ سمجھدار آدمی اور کوئی نہیں جو اس معاملے میں اُسے مشورہ دے سکے اور اسکی مدد کر سکے۔

سلطنت کا مذہب انتہائی تذبذب کے عالم میں تھا۔ اُن لاتعداد صوبوں میں جن کے اشتراک سے یہ عظیم سلطنت ظہور میں آئی تھی اتنے بیشمار انقلابات پیدا ہوتے رہے تھے کہ ہر نئے بادشاہ کے لئے نئے اور مختلف مذہب کا ہونا ایک رواج سا ہو گیا تھا۔ سیرس بت پرستی کی طرف زیادہ مایل تھا۔ اس نے سورج اور چاند کی پرستش شروع کر دی۔ ان کے لئے مندر بنائے اور ہزاروں دیوتاؤں کی پوجا کو سلطنت میں رائج کیا۔ کیمبیس نے اپنے باپ کے بنائے ہوئے تجانوں کو آتشکدوں میں بدل دیا اور ہزاروں آدمی قربانی کے طور پر زندہ آگ میں جلا کر تلف کر دیئے۔ وہ قربانی کی رسوم کے شان و شکوہ سے لطف اٹھاتا رہا یہاں تک کہ جوں جوں اسکی برائیاں بڑھتی گئیں خون آشامی کی یہ عادت اس کے دل و دماغ پر مسلط ہوتی چلی گئی۔ لیکن ان دونوں بادشاہوں کے عہد حکومت میں عوام میں قدیم آریائی طرز پرستش رائج رہی اور لوگ مجوسی مذہب کے معتقد رہے۔ یہاں تک کہ جب کبھی مجوسی اپنے آپ میں اتنی طاقت پاتے اپنے آپ کو قدیم آریائی پنڈتوں کی اولاد کہکر مذہبی مقتداؤں کا درجہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے۔ گومت ــــ جھوٹا سمردیس ــــ کم از کم نام کا برہمن تھا اور شاید اسکی ذات بھی برہمن ہی ہو۔ اُس نے اپنے مختصر عہد حکومت میں جو ایک حکم جاری کیا تھا یہی تھا کہ تمام قدیمی بت خانے گرا دیئے جائیں اور ان کی جگہ مجوسی معبد قائم کئے جائیں تاکہ ساری سلطنت میں مجوسی مذہب رائج ہو جائے۔ جب دارا نے سمردیس کو موت کے گھاٹ اتارا تو

قدرتی امر تھا کہ وہ اس مجوسی فرقے کی سرکوبی کی طرف بھی مایل ہوتا چنانچہ شوشان کی گلیاں کئی دنوں تک اِن لوگوں کے خون سے لالہ زار بنی رہیں۔ اس کے بعد اس نے جہاں تک اُس سے ہو سکا آرمزادہ کی پرستش جاری و ساری کرنے کی کوشش کی اور اس کے معبد بھی بنوائے۔ لیکن جلد ہی یہ حقیقت واضح طور پر نظر آنے لگی کہ سلطنت کا مذہب انتہائی پریشانی کے عالم میں ہے اور ایک ایسی قوم کو بزورِ شمشیر وحدانیت کی طرف مایل کرلینا جو یکے بعد دیگرے مختلف بادشاہیوں کے زیرِ اثر نیچر پرستی اور بُت پرستی کی طرف جبراً مایل کی گئی ہو اور جو عجیب و غریب قسم کے نئے نئے دیوتاؤں کی پوجا سے روشناس ہو چکی ہو، اگر ناممکن نہیں تو محال ضرور ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ اِس جبری مذہب کے خلاف آواز بلند کرنے لگے اور جہاں کہیں انہیں کوئی قائد مِل گیا وہیں انہوں نے بغاوت کا جھنڈا بلند کر دیا۔ وہ لاتعداد غدر جن کی وجہ سے دارا کو کم از کم اُنیس خون ریز لڑائیاں لڑنا پڑیں بلاتخصیص مجوسی عقائد کو دوبارہ زندہ کرنے کے لئے ہی تھیں۔ اور یہ کہنا زیادہ غلط نہ ہوگا کہ اتنے تھوڑے عرصے کے اندر مذہبی عقائد کی حفاظت کے لئے ایسی خونریزی تاریخ عالم میں اپنی مثال نہیں رکھتی۔

خود دارا اعقلِ کل خدا یزدانی قوتوں کا قائل تھا اور تمام بدیوں کو اہرمن کی طرف منسوب کرنے میں اُسے کوئی باک نہ تھا۔ وہ بُت پرستی، نیچر پرستی اور توہم پرستی کے سخت خلاف تھا اور قدیمی مزدیاشینی کی سیدھی سادھی طرزِ عبادت کو اپنا شعار بنائے ہوئے تھا۔ لیکن وہ کسی صورت بھی مذہبی قائد نہیں بن سکتا تھا۔ اور باوجودیکہ اس نے قابل ترین پجاریوں کو یکجا

ان کیلئے نئے نئے مندر بنوائے اور انہیں ہر قسم کی سہولتیں بہم پہنچائیں تاہم وہ ان کے طرزِ عبادت سے کبھی بھی مطمئن نہ ہو سکا تھا۔ وہ مذہبیات کا نیا فلسفہ وضع کرنے قطعی ناقابل تھا۔ تاہم اُسے ہمیشہ یہی شُبہ رہا کہ آیا وہ تمام مذہبی رسوم جو اس کے مندروں کے پجاری ادا کرتے ہیں حقیقتاً ویسی ہی سیدھی سادھی اور صحیح معنوں میں اُس مذہبی روح کے مطابق ہیں جسے وہ اپنی سلطنت کے ہر فرد و بشر میں پھونکنا چاہتا ہے۔ گیت اور لمبے لمبے بھجن جن میں خیالات کا بے پناہ تکرار تھکا دینے والا ہوتا تھا شاید برداشت کئے جا سکتے تھے اور آگ کا ہمیشہ کیلئے جلتے رہنا اُس رفیع الشان ہستی کے اَن تھک ادراک اور قوتِ عمل کا بہترین مظہر تھا۔ لیکن بھنگ نشے کی وہ خوفناک حالت جو یہ پجاری بھنگ کے کثرتِ استعمال سے اپنے اوپر طاری کر لیتے تھے اور وہ وحشیانہ اور احمقانہ حرکات جن کے ذریعے سے یہ لوگ اپنے مذہبی جوش و خروش کا اظہار کرتے تھے بادشاہ کے لئے اس قدر مایوس کُن ثابت ہو رہی تھیں کہ وہ کئی دنوں سے اِن رسوم و عقائد میں ترمیم کرنے کے لئے بیقرار سا ہو گیا تھا۔ قدیم ترین مزدیاشنی لوگوں کا یہ اعتقاد تھا کہ جہاں بھنگ پینا خدا کی نظروں میں حسنِ عمل متصور ہوتا ہے وہاں یہ نشہ پجاریوں کے رگ و ریشہ میں جوش و خروش کی وہ لہریں دوڑا دیتا ہے جس کی مدد سے پجاری ایسے لمبے لمبے اور تھکا دینے والے بھجن آخیر تک گا سکتے ہیں اگر یہ نشہ نہ ہو تو جلد ہی پجاری تکان سے چُور ہو جائیں اور عبادت ایک تھکا دینے والی چیز بن کر رہ جائے۔ خود گیتوں کا تکرار اِس حقیقت کو واضح طور پر ثابت کرتا تھا کہ یہ بھجن کسی خارجی اور غیر فطری مدد کے بغیر گائے ہی نہیں جا سکتے۔ محض بھنگ پینے والے کی وحشتناک دیوانگی ہی ہے جو پوری دلجمعی کے ساتھ یہ لامحدود بھجنوں کا گایا جانا برداشت کر سکتی ہے۔

اِس استدلال سے بھی بادشاہ کی تسلی نہ ہوتی تھی۔ وہ بڑی باقاعدگی سے مذہبی رسوم میں

شامل ہوتا اور بڑے صبر اور استقلال سے اِن اُکتا دینے والی حماقتوں کو اخیر تک دیکھتا رہتا لیکن اس کے باوجود اُسے انتہائی مایوسی ہوتی تھی اور وہ اصلاح کرنے کے لئے بیتاب تھا۔ وہ یہ جانتا تھا کہ زرتشت خود مزدیاشینی مذہب کا پیرو ہے۔ اس نے مذہبیات کی تعلیم بچپن سے لی ہے اور وہ یہودی حاکم دانیال کی صحبت میں رہ چکا ہے جسکی وجہ سے دانیال کے سیدھے سادے عقائد نے اسکی ذہنیت پر گہرا اثر چھوڑا ہے۔ دارا جانتا تھا کہ یہودی بڑے متین لوگ ہیں اور باوجودیکہ کھانے کی چیزیں کسی حد تک اِن کے مذہبی عقائد کا جزو ہیں تاہم نشہ آور چیزوں کا استعمال ان کے مذہب میں ممنوع ہے۔ اِس لئے وہ سمجھتا تھا کہ زرتشت اُسے اِس معاملے میں نیک مشورہ دے سکے گا۔ اِس لئے زرتشت کو بُلانے میں بیک وقت دو امور طے پا جائینگے ملکہ کی خواہش بھی پوری ہو جائیگی اور اُسے ایک سمجھدار اصلاح کار بھی مِل جائیگا جو اسکی تکلیفوں میں اُسے مدد دے سکے گا۔ اِس لئے اس نے معمول کے مطابق فوراً اپنے اِرادے کو عملی جامہ پہنانے کا تہیّہ کر لیا، اس طویل جُدائی نے زرتشت کے ذہن سے نہشتہ اور اسکی محبت کا خیال مٹا دیا ہوگا اور اگر بالفرض زرتشت نہشتہ کو بھلانے میں کامیاب نہ بھی ہوا ہو تب بھی بادشاہ اپنی قوت کی مدد سے ہر اُس تکلیف کو دُور کرنے میں کامیاب ہو سکے گا جو اس محبت سے پیدا ہوگی۔

لیکن کئی دِن گذر گئے اور باوجودیکہ شاہی اعلان سلطنت کے ہر گوشے میں پہنچا دیا گیا تھا تب بھی زرتشت کے متعلق کوئی خبر نہ ملی۔ وہ یقیناً دارا کی سلطنت سے باہر نکل گیا تھا اور اس کا واپس آنا بظاہر ناممکن نظر آتا تھا۔

آلوسہ کچھ تو اس لئے کہ وہ زرتشت کے ذریعہ ہی نہشتہ کو عذاب پہنچانا چاہتی تھی اور کچھ اس لئے کہ وہ اپنے دِل میں زرتشت کے لئے محبت جیسا ہی کوئی

جذبہ محسوس کرسکتی تھی، زرتشت کی واپسی کے لئے بیقرار تھی۔ اس لئے جوں جوں دن گذرتے جاتے تھے اُسے خوف پیدا ہوتا جاتا تھا کہ زرتشت کہیں مر ہی نہ گیا ہو یا سلطنت کی حدود سے باہر نہ چلا گیا ہو۔ لیکن نہشتہ نہیں جانتی تھی کہ وہ زرتشت کے محل میں دوبارہ آمد کی خواہش کرے یا اس خیال سے خوشیاں منائے کہ وہ دوبارہ زرتشت کے بالمقابل آکر رُوحانی کرب میں مُبتلا نہ ہوگی۔ وہ اُسے ایک لمحے کے لئے دیکھ لینا چاہتی تھی تاکہ اُسے اپنے جذبات کا صحیح اندازہ ہوسکے اور وہ یہ سمجھ سکے کہ آیا اُسے اپنی مُراد مل سکتی ہے یا نہیں۔ وہ اس عجیب تذبذب کے ہاتھوں سخت تکلیف میں مُبتلا تھی اور چاہتی تھی کہ جتنی جلدی ممکن ہوسکے وہ کسی قطعی نتیجے پر پہنچ جائے۔

وہ استخار کے حسین و جمیل باغات، شاندار عمارات اور نرم رَو معطر مشرقی ہوا کے باوجود استخار سے متنفر ہوگئی تھی۔ وہ اپنی شان و شوکت اور فراوانی دولت کو نفرت کی نگاہوں سے دیکھتی تھی۔ اس کے گرمجوش یہودی خون میں کچھ ایسے اجزا شامل تھے جنہوں نے اُسے سیر یا کے لق و دق بیابانوں، ان بیابانوں پر چمکتے ہوئے شعلہ بار سورج، صحرا اور صحرا کی جلتی ہوئی اکیلے بیقرار کر دیا تھا۔ اُس نے اپنی زندگی کے بائیس سال سلطنت کے بہترین محلات میں گذارے تھے اور اس کی زندگی کی تقریباً تمام شامیں ایسے پُر فضا باغات میں بسر ہوئی تھیں جن سے بہتر انسانی صناعی پیدا ہی نہیں کرسکتی۔ لیکن سورج اور تپتے ہوئے ریگستانوں کی محبت اسکی طبیعت کا لاینفک جزو تھی یہی وجہ تھی کہ وہ نرم و نازک ریشم کے نرم نرم گدّوں اور بھاری ہوا کو معطر کرنے والی پھولوں کی لامتناہی قطاروں سے متنفر ہوگئی۔

اراکسس کی چھوٹی ندی کے کنارے حسین وادی میں استخار کا عظیم الشان قلعہ استوار کیا گیا تھا جس کی بلند و بالا چوٹیوں پر آسمان گیر مینار اور عظیم الجثہ گنبد باغات کی وسعتوں پر

اِس طرح جُھکے ہوئے تھے جس طرح کوئی سخت گیر اُستاد خوبصورت چھوٹے چھوٹے بچّوں کے ذہن پر مسلط ہو جائے۔ دارا نے اپنی رہائش کے لئے قلعے سے کچھ فاصلے پر وہ مقام پسند کیا تھا جہاں دریا پہاڑی کے ایک خطرناک موڑ پر دفعتہً مُڑ کر زمین کے زیادہ حصّے کو سیراب کرتا ہُوا آگے کی طرف بڑھتا تھا۔ پہاڑی کا یہ تراشیدہ کنارہ ایک فراخ ڈھلوان کی صُورت میں مرد شت کے میدانوں میں جا کر ختم ہو جاتا تھا جہاں یہ پہاڑی چھوٹے چھوٹے ٹیلوں میں منقسم ہو کر اُس وسیع و عریض میدان کی لامحدود پنہائیوں میں جذب ہو جاتی تھی جو قلعے کے مشرق میں کئی فرسنگ تک پھیلا ہُوا تھا۔ اِس بلند مقام پر بادشاہ نے ایک طویل و عریض چبوترہ بنوایا تھا جو دُنیا کی اُن فراخ ترین سیڑھیوں سے ملحق تھا جن پر گھوڑے سوار اپنے گھوڑے کو کسی قسم کا نقصان پہنچائے بغیر چڑھ اور اُتر سکتا تھا۔ اِس چبوترے پر محل کی بُنیادیں اُستوار کی گئی تھیں جس کے وسیع کمرے اور بلند ستون سیاہ مرمر کے چمکدار پتھر سے بنائے گئے تھے جو پہاڑ کے سرسبز دامن اور گلاب کے رنگین تختوں کے مقابلے میں انتہائی باصرہ نواز تضاد پیدا کر رہے تھے ہزاروں عمارتیں محل کے ایک عقب میں بنوائی گئی تھیں جو محل کی دیواروں سے شروع ہو کر دریا کے کنارے تک جا پہنچی تھیں۔ اِن تمام عمارتوں میں سب سے زیادہ اہم عمارت یزدان کے اُس معبد کی عمارت تھی جس کی عجیب و غریب رسُوم سے دارا اتنا پریشان تھا۔ یہ ایک عظیم الجثہ مربع عمارت تھی جو محل سے کچھ کم بلندی پر واقع تھی۔ اس کے اِرد گرد چمکدار پتھروں کی ایک بلند دیوار کھینچی ہوئی تھی۔ یہ عمارت محل کے عقب میں واقع تھی اِس لئے فراخ سیڑھیوں پر سے نظر نہیں آتی تھی۔

ستونوں اور دیواروں پر جلوس، جنگ، فوج اور جنگی قیدیوں کی لاتعداد تصاویر کندہ تھیں۔ اور کنارے دار الفاظ میں کتبے لکھے ہوئے تھے۔ یہ سب کام مصری قیدیوں نے

کیا تھا۔ تصاویر کندہ کرنے اور پتھر کو صیقل کرنے میں اتنی احتیاط برتی گئی تھی کہ ان میں چہرے کا عکس صاف نظر آتا تھا اور وہ آئینے کی طرح چمکدار ہو گئے تھے۔

استخار کی وادی نوکیلی پہاڑیوں اور عظیم الجثہ عمارات کے جھنڈ کی وجہ سے شاندار بن گئی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ عمارتیں انسانی صناعی کی زمین نہیں بلکہ قدرتی عناصر کے کسی زبردست انقلاب نے پہاڑ کا ایک ٹکڑا کاٹ کر علیحدہ پھینک دیا ہے۔ لیکن خود محل پر سے نظارے کا تضاد جداگانہ تھا۔ ایک طرف پھٹے ہوئے ٹیلوں کو سر اٹھائے شمال مشرقی آسمان کی چندھیا دینے والی روشنی کے بالمقابل ایک عظیم الجثہ سیاہ دھبے کی طرح موجود تھی اور دوسری طرف گلاب کے وسیع و عریض تختے، نارنجیوں کے طویل و عریض باغ اور مزروعہ زمین کی باصرہ نواز وسعتیں پھیلی ہوئی تھیں جو حد نظر تک بڑھتی ہوئی آخر مشرقی پہاڑیوں کی دھندلی نیلاہٹ میں جذب ہو جاتی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ محل کے ایک طرف سرما اور دوسری طرف گرما ہے۔ ایک طرف خون منجمد کر دینے والی برودت اور دوسری طرف نزہت بار حرارت ایک طرف بہیمانہ قوت و صولت اور دوسری طرف راحت و آرام ہے۔

لیکن جب نہشتہ شمال کی طرف دیکھتی تو برودت کا ہموار تسلسل اسے اکتا دیتا اور جب وہ جنوب کی طرف نظر دوڑاتی تو حرارت کی پریشان کن یکسانی اس کی آنکھوں کو تھکا دیتی تھی۔ اس جگہ اکبانتا کی پرکیف چاندنی راتوں کا نعم البدل نہ تھا۔ ایسی پریشان گھڑیوں میں وہ عام طور پر سوچا کرتی کہ اس شاہانہ شوکت و عظمت کو قربان کرنے پر اگر اسے اپنی طاقت مل جائے کہ وہ زرتشت کو باوفا بنا سکے تو وہ سب کچھ بڑی آسانی سے دے سکتی تھی۔ اس نے زرتشت کو اپنے دل سے علیحدہ کر دیا تھا اور اسے یقین تھا کہ . . . . . .

. . . . . وہ زرتشت کو بھول چکی ہے لیکن اب جبکہ اس کا نام دوبارہ

محل کی چار دیواری میں گونجنے لگا وہ پریشان ہوگئی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اس بے مہری اور وفا ناشناسی کے باوجود وہ زرتشت سے ویسی ہی محبت کرتی ہے جیسی آج سے پہلے کرتی تھی یا یہ محض اُس پرانی محبت کی یاد ہے جو تخلئے میں چپکے چپکے اُسے زرتشت کا نام لینے پر مجبور کر رہی ہے۔

وہ جب گذشتہ تین برسوں کا جائزہ لیتی تو اُسے محسوس ہوتا کہ اس نے ایک بیوی کے تمام فرائض بطریقِ احسن انجام دیئے ہیں۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اس نے ان تمام فرائض کو بادلِ ناخواستہ پورا کیا ہے اور اس تمام طویل مدت میں ہزاروں لمحے ایسے بھی گذرے ہیں جن میں اُسے یقین ہوگیا تھا کہ وہ دارا سے حقیقی معنوں میں محبت کرتی ہے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ دارا کے لئے یہ سب محبت بلاوجہ نہ تھی۔ وہ اپنے ہر قول اور فعل میں بہادر ایمان دار اور شریف النفس تھا اور اس نے گذشتہ پر اپنی محبت کے اظہار کے لئے وہ سب کچھ کر دیا تھا جو اس کے حیطۂ اختیار میں تھا۔ یہ معمولی بات نہ تھی کہ اسکی سوت کے مقابلے میں اُس سے اتنی محبت کی جاتی ہے اور یہودی شہزادی ملکہ آتوسہ سے زیادہ قابلِ احترام اور قابلِ محبت خیال کی جاتی ہے۔ اگر دارا اُس سے سیر ہو جاتا تو گذشتہ اُس خوبصورت مسکراتی ہوئی عورت کی طنز آمیز نظروں کو برداشت کرنے کی بجائے چپکے سے محل سے نکلتی اور اپنے آپ کو دُنیا کی بھیانک ترین مصیبت میں جھونکنے سے بھی احتراز نہ کرتی یا وہ رات کے وقت دبے پاؤں ملکہ آتوسہ کے سونے والے کمرے میں جاتی اور وہ کریہہ المنظر خنجر جو ہمیشہ اُس کے پہلو میں اٹکا کرتا تھا یقیناً اپنے دستے تک ملکہ کے خوبصورت سینے میں پیوست ہو جاتا۔ وہ صبر و سکون سے اپنے حُسن یا اپنے حقوق کے خلاف کوئی چیز برداشت کرنے کو تیار نہ تھی۔ لیکن موجودہ صورتِ حالات اس کے حق میں

تھے اور بادشاہ کی عنانِ طبع اس کے ہاتھوں میں تھی۔ بادشاہ منصف تھا اور اپنی بیویوں کے درمیان کوئی وجہِ امتیاز باقی رکھنا نہیں چاہتا تھا۔ اس کے باوجود جب وہ دعوت کے وقت زیادہ پی جاتا تو وہ محبت کا آخری پیالہ نہشتہ ہی کے ہاتھوں سے نوشِ جان کیا کرتا تھا۔ جب اُمورِ سلطنت کی پیچیدگیاں اُسے پریشان کر دیتیں اور اُسے مشورہ کی ضرورت ہوتی تب بھی وہ نہشتہ ہی کے پاس جاتا اور وہ نہشتہ ہی کا زانو ہوتا تھا جس پر وہ کسی خونریز لڑائی کے بعد لوٹ کر اپنا تھکا ماندہ سر رکھ دیتا تھا۔

لیکن دونوں بیگمیں ایک دُوسرے سے سخت ترین نفرت کرتی تھیں اور جب دارا محل سے غیر حاضر ہوتا تو ان کی یہ نفرت بسا اوقات اچھی خاصی لڑائی کی صورت اختیار کر لیتی۔ ان دونوں کے محافظ دربار میں ایک دُوسرے سے دھول دھپا کرتے اور ان کی کنیزیں سیڑھیوں پر ایک دُوسرے کے بال نوچتیں۔ جب بادشاہ واپس آتا تو محل پر جبری سکون و سکوت مسلط ہو جاتا جس کو توڑنے کی جرأت کسی کو بھی نہ ہو سکتی تھی۔ محل کی اس اضطراب انگیز کیفیت کی بھنک بادشاہ کے کانوں تک پہنچ جاتی وہ سخت برہم ہوتے اور بڑی بڑی قسمیں کھاتے لیکن اس کا تدارک ان کے بس کا بھی روگ نہ تھا کیونکہ وہ ہزاروں بڑے آدمیوں کی طرح ایک دوسرے سے متنفر دو عورتوں کے جنون پر قابو پانے کے قابل نہ تھے۔

اب جبکہ محل میں یہ افواہ گرم تھی کہ زرتشت پھر محل میں واپس آ رہا ہے تو چند دنوں کے لئے دونوں بیگمیں ایک دُوسرے سے علیحدہ ہو گئیں کیونکہ دونوں جانتی تھیں کہ زرتشت کے واپس آنے پر اِن دونوں میں خوفناک ٹکر ہو گی اس لئے دونوں خاموشی سے ایک دُوسرے کے طرزِ عمل پر نگاہ رکھتی تھیں اور ایک دُوسرے سے

خبردار رہتی تھیں۔

دِن گذرتے گئے لیکن شاہی اعلان کا جواب کہیں سے بھی سُنائی نہ دیا۔ شوشان کے محلات چھوڑنے کے بعد زرتشت کو کسی نے نہ دیکھا تھا اور نہ ہی اسکے متعلق کوئی خبر سُنی تھی۔ اس نے اپنے ساتھ کوئی چیز نہیں لی تھی اور جانے کے بعد اپنے پیچھے کوئی ایسا نشان نہیں چھوڑا تھا جس کی کھوج پر اسی کی تلاش کی جائے۔ بہت سے لوگوں کا خیال تھا کہ وہ سلطنت کی حدود سے باہر نکل گیا ہے اور کچھ لوگ یہ بھی کہتے سُنائی دیتے تھے کہ وہ صحرا کی بیکراں وسعتوں میں فنا ہو چکا ہے۔ لیکن نہشتہ ہر دم آہیں بھرتی تھی۔ اُسے نہ دن کو آرام ملتا تھا اور نہ رات کو چین آتا تھا کیونکہ سعیٔ بلیغ کے باوجود اُسے زرتشت کے پاس ایک دفعہ پھر جانے کی آس بندھ گئی تھی۔

(۱۵)

معبد کا اندرونی حصّہ تانبے کی سادی ساخت کی لاتعداد شمعوں سے بُقعۂ نور بنا ہوا تھا۔ کمرے کے وسط میں ایک چھوٹا سا چبوترہ تھا جس پر تانبے کا ایک بڑا بخور دان رکھا ہوا تھا۔ اس کی ظاہری ہیئت پیالے کی سی تھی اور اس میں آگ کا ایک ننھا سا شعلہ بھڑک رہا تھا جس میں سے دُھوئیں کی پتلی پتلی لکیریں اُٹھ اُٹھ کر چھت کے قریب اور شمعوں کے اِرد گرد ہلکے شفاف بادل کی طرح مسلّط ہو گئی تھیں۔ چبوترے کے قریب سفید صندل کی چری ہوئی لکڑیاں ترتیب سے چُنی رکھی تھیں۔ مستطیل کمرے کے ایک کونے میں سیاہ مرمر کا ایک عظیم الجثہ کولھو رکھا تھا جس میں لکڑی کا ایک بڑا دستہ لگا تھا۔ کولھو کے اِرد گرد ایک چھوٹی سی نالی بنی ہوئی تھی جو ایک خاص حصّے میں کھلی چھوڑ دی گئی تھی۔ جب بھنگ کی دودھیا پتّیاں اس میں ڈال کر پیسی جاتیں تو بھنگ کا پانی کثیر تعداد میں اس نالی میں سے ہوتا ہوا سنگ مرمر کے ایک بڑے تالاب میں گرتا جہاں یہ مادہ کئی دِنوں تک پڑا سڑتا رہتا اور آخر اس میں نشے کی وہ کیفیت پیدا ہو جاتی جس کی وجہ سے یہ اتنا قیمتی اور مذہبی رسُوم کی ادائیگی کے لئے اتنا ضروری بن جاتا۔ اس حوض کے قریب سنگ مرمر کی ایک تپائی پر لکڑی کا بڑا سا ڈونگا

اور دو طلائی پیالے رکھے تھے۔ یہ پیالے چھوٹے تھے اور کمر پر سے اور بھی چھوٹے کر دیئے گئے تھے۔

مندر کے بالمقابل مرمر کی اُس دیوار کے قریب جو دروازے پر چُنی گئی تھی آبنوس، چاندی اور سونے سے بنی ہوئی ایک کُرسی سطح زمین سے ایک قدم کی اونچائی پر رکھی تھی۔ شاہِ معظم رات کے وقت شاہانہ لباس میں ملبوس، کمر سے تلوار لٹکائے ہاتھ میں شاہی عصا تھامے اور سر کو متعدد کونوں والے تاج سے مزین کئے معبد میں آئے۔ ان کی گنجان سیاہ داڑھی گذشتہ تین برسوں میں اور بڑھ گئی تھی اور پیٹی سے کچھ ہی اوپر مُرخ لبادے پر لٹک رہی تھی۔ اس کا چہرہ کرخت معلوم ہوتا تھا اور چہرے پر کی جھریاں پہلے سے کہیں زیادہ اُبھری ہوئی دکھائی دیتی تھیں۔ ہر فتح کے غرور کے ساتھ ساتھ تسکین قلب اور احساس قوت کا حصہ بھی شامل تھا۔ اس کے قدم آہستگی سے اُٹھ رہے تھے اور اس نے طلائی عصا کو مضبوط ہاتھوں سے پکڑ رکھا تھا۔ لیکن اسکی بھنویں تنی ہوئی تھیں اور جب وہ قربانگاہ کے بالمقابل مرمریں دیوار کے پاس بیٹھا تو اس کے چہرے کے تاثرات سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ انتہائی اضطراب کی حالت میں ہے اور اپنے اضطراب کا اظہار جلد از جلد کیا چاہتا ہے۔

اِس کے پیچھے معبد کا بڑا پجاری سفید کپڑوں میں ملبوس آہستہ آہستہ قدم دھرتا ہوا آرہا تھا۔ اس کی کمر پر سفید رنگ کی باریک ململ کا ایک پٹکا بندھا ہوا تھا جس کے بھاری کنارے ایک طرف لٹک رہے تھے۔ اس کے سر پر بھی اُسی کپڑے کی ایک سفید مخروطی ٹوپی تھی جس کے کناروں میں سے سفید رنگ کے دو لمبے طرّے کندھوں پر سے ہوتے ہوئے پاؤں کی ایڑی تک لٹک رہے تھے۔ اس کی داڑھی ریشم کی طرح نرم سیاہ اور چمکدار تھی جو اس کے

پیٹ تک لٹک رہی تھی وہ بادشاہ کی طرف پیٹھ کر کے اور قربانگاہ کی طرف مُنہ کئے آگ سے دس قدم کے فاصلے پر کھڑا ہو گیا۔

اس کے بعد مرمریں دیوار کے عقب سے اور اس کے دونوں راستوں میں سے دُوسرے پُجاری دو دو کی قطار میں نکلنا شروع ہوئے، یہ بڑے پُجاری کی طرح سفید لباس میں ملبوس تھے البتہ اتنا فرق ضرور تھا کہ ان کی مخروطی ٹوپیاں بڑے پُجاری سے کچھ چھوٹی تھیں اور ان میں طُرّے نہیں لگائے گئے تھے۔ اس طرح برآمد ہو کر وہ معبد کی دیواروں کے ساتھ ساتھ ایک قطار میں کھڑے ہو گئے۔ مذہب کے پینتالیس مقدس ممبر اور جو مزدیا شینی مذہب کے قدیمی بھجن گانے میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ یہ لوگ اپنی جوانی کی بہار پر تھے، سیاہ داڑھیاں اور چوڑے سینے، چہرے پر ذہنی اور جسمانی قوت کا جلال ٹپکتا تھا۔ وہ دو جو بڑے پُجاری کے قریب کھڑے تھے چند لمحوں کے بعد بڑھے اور اس کے ہاتھ سے ململ کا مربع رُومال لے کر اس کے مُنہ پر کس کر باندھ دیا۔ پھر اُن میں سے ایک نے عقاب کے پروں سے بنا ہوا چھوٹا سا پنکھا اس کے ہاتھ میں دیدیا اور دُوسرے نے لوہے کی پتلی پتلی سیخیں تھما دیں۔ پھر انہوں نے اُسے تن تنہا آتشِ مقدس کی طرف بڑھنے کے لئے آزاد چھوڑ دیا۔

وہ بڑھا یہاں تک کہ وہ مقدس آگ کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ یہاں پہنچ کر اس نے قدرے جُھک کر صاف اور سفید لکڑی کا ٹکڑا لوہے کی سلاخوں سے اُٹھایا اور اُسے بڑی احتیاط سے شعلے پر رکھ دیا۔ اور بڑی آہستگی سے پنکھے کی ہوا کرنے لگا۔ اس کا چہرہ کپڑے سے ایسے طریقے سے باندھا گیا تھا کہ اس کی سانس مقدس آگ کو ناپاک نہ کر سکتی تھی۔ آخر اس نے دبی ہوئی آواز میں قربانی کے بھجن کا پہلا شعر شروع کیا۔

دُنیا کی افضل نیکی صفائی ہے۔ اس کی شوکت اس کا تجمل جو صفائی میں بہترین اور مصفّاترین ہے۔

وہ جو صفائے قلب سے حکومت کرتا ہے جو ہر کام خدا کی مرضی کے مطابق کرتا ہے۔

عقلِ کُل ہر اُس کام کا اِنعام دُنیا ہی میں مرحمت فرماتی ہے جو خدا کے راستے پر کیا جائے۔

وہ جو غریبوں کی حفاظت کرتا ہے آہورا کو سلطنت بخشتا ہے۔

تمام پُجاریوں نے اس کے بعد انہی اشعار کو دُہرانا شروع کیا۔ گو اِس بھجن کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ موسیقی کے اصُول و قواعد کے قطعی مطابق تھا تاہم یہ ضرور تھا کہ اس کے آخری الفاظ کے زیر و بم میں ایک دلکش ترنّم تھا اور پھر اسی طرح یہ دُہرایا بار بار بلند ترین آوازیں دُہرایا گیا یہاں تک کہ بڑا پُجاری مُقدّس آگ سے پچھلے پاؤں پیچھے ہٹ آیا، اس نے اپنی سلاخیں اور پنکھا اپنے نائبین کے حوالے کر دیا اور مُنہ پر سے کپڑا اُتارنے کی اجازت بھی دیدی۔

وہ آہستہ آہستہ معبد کی بائیں طرف گیا اور پھر آگ کو اپنی دائیں طرف رکھ کر معبد کی دیواروں کے ساتھ ساتھ تنہا ہلکے سُروں میں بھجن گاتا ہُوا چلنے لگا۔ اسی طرح اس نے سات چکّر کاٹے اور آخر جب ساتواں چکّر پورا ہو گیا تو وہ پتھر کے اُس حوض کے قریب پہنچ گیا جہاں جنگ اس رسم کی ادائیگی کے لئے تین دن پہلے بڑے تکلف سے تیار کی گئی تھی۔

اس نے مقدّس لکڑی کے تین چار ٹکڑے ہاتھ میں پکڑ کر سر سے بلند کر لئے اور

بلند آواز میں زاتھورا اور بریشما کی تعریف میں بھجن گانے لگا۔ وہ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد ان لکڑیوں کو قریب ہی رکھے ہوئے پانی سے بھرے ہوئے برتن میں بھگوتا اور معبد کے چاروں کونوں میں چھینٹے دیتا تھا۔ دوسرے پجاریوں نے بھی اس کے ساتھ گلا ملایا اور مقدس بھجن کے ایک دہرے کو بار بار بلند آواز سے گانے لگے:۔

زاتھورا میں تیری تعریف کرتا ہوں اور تیری ہی تعریف چاہتا ہوں۔
بریشما میں تیری تعریف کرتا ہوں اور تیری ہی تعریف چاہتا ہوں۔
زاتھورا اور بریشما میں تم دونوں کی تعریف کرتا ہوں اور تم دونوں ہی کی تعریف چاہتا ہوں!
زاتھورا اور بریشما میں تم دونوں کی تعریف کرتا ہوں اور دونوں ہی کی تعریف چاہتا ہوں!

دفعتہً بڑے پجاری نے لکڑی کے ٹکڑے زمین پر رکھ دیئے اور ایک طلائی پیالہ پکڑ کر لکڑی کے ڈونگے کی مدد سے بھنگ میں بھرے ہوئے حوض میں سے پیالہ بھر لیا۔ پیالہ بھرتے وقت اس نے اس سبزی مائل زرد مائع کو بلندی پر اچھالا جس سے اس پر دھندلی شمع کی زرد شعاعیں پڑیں اور اس میں سے عجیب و غریب چمک پیدا ہونے لگی۔ اس نے پیالے کو اپنے ہونٹوں سے لگایا اور پی گیا۔

بادشاہ جو معبد کے ایک طرف اپنے منقش تخت پر بیٹھا اس نفرت انگیز رسم کے آغاز کو دیکھ رہا تھا غصے سے آگ بھبھوکا ہو گیا اور اس کی بھنویں تن گئیں، اسے معلوم تھا کہ اس کا اختتام کیا ہوگا اور جب یہ تیز و ارو اس کی رگوں میں پگھلی ہوئی آگ بھر دیگا

تو وہ کتنے شاندار الفاظ کہیں گے۔ لیکن وہ ہوش و خرد بھلا دینے والے اُس نشے سے متنفر تھا جو ابھی ابھی ان کے ذہن پر مسلط ہوا چاہتا تھا۔ اور وہ احمقانہ جوش جس سے وہ مقدس بھجن گاتے تھے بھجن کی اُس متانت و شوکت کو تباہ کر دیتا تھا جس میں رفعتِ تخیل اور الفاظ کی شاندار بندش ایک سماں باندھ سکتی تھی۔

بڑے پجاری نے پی کر پھر پیالے بھرے اور اپنے دائیں بائیں کھڑے ہوئے دوسرے پجاریوں کو دے دیئے۔ ان دونوں نے پی کر یہ پیالے اپنے قریب کھڑے ہوؤں کے سپرد کر دیئے اور اس طرح سارے کے سارے پجاری اپنی اپنی بار پر حوض کے قریب آتے گئے اور اپنا حصّہ لیتے گئے یہاں تک کہ جو پہلے دائیں طرف کھڑے تھے اب بائیں طرف ہو گئے اور جو بائیں طرف تھے وہ جگہ بدل کر دائیں طرف آ گئے۔ اور جب سب کے سب پی چکے تو بڑے پجاری نے اُس عظیم الشان بھجن کا آغاز کیا اور دوسرے پجاریوں نے اس کی آواز سے آواز ملا کر گانا شروع کیا:۔

آہورا یزداں عقلِ کُل، خالق، اپنی شوکت و عظمت میں سب سے اچھا، سب سے بڑا، سب سے حسین!

اپنی طاقت میں قوی تر، اپنے ادراک میں کامل، اپنی پاکیزگی میں اکمل، جس کی قوت دُنیا کی ساری قوتوں سے زیادہ جمیل ہے۔

جس کی عقل مکمل ہے، جو مسرت حاصل کرنے کے لئے ہر چیز خلق کرتا ہے، جس نے ہمیں بنایا، ہمیں سراپا عنایت فرمایا اور ہمیں اپنے آسمان کی بہترین چیز قرار دیا میں اسی کی تعریف کرتا ہوں، اسی کی پرستش کرتا ہوں، اسی کی خدمت میں بھینٹ چڑھاتا ہوں اور اسی کی دعوت دیتا ہوں۔

مَیں اُس قوت کے قدموں پر بھینٹ چڑھاتا ہوں جو محافظ ہے، جو صلح جُو ہے، جو آگ کو جلنے کا حُکم دیتا ہے، جو دُنیا کے خزانوں کا والی ہے، ساری دُنیا اور دُنیا کی قوتِ ادراک، سمندر اور ندی نالے، زمین اور اس میں سے پیدا ہونیوالی ہر چیز مَیں اس کے قدموں میں بھینٹ کرتا ہوں۔

جانور اور ہر جاندار چیز اور آہورا کی آگ، سچا حامی، قوتوں کا حاکمِ اعلیٰ۔

راتیں اور دِن۔ مَیں تمام خلق شدہ روشنی کی پاکیزگی کے لئے دست بعا ہوں۔

سفید پوش پُجاری جوں جوں بلند آواز سے طویل بھجنوں کے دُہرے گاتے گئے ان کی آنکھیں خونِ کبوتر کی طرح سُرخ ہوتی گئیں اور ان کے جسم ایک موسیقی حرکت کے ساتھ دائیں بائیں تیزی سے جُنبش کرتے رہے۔ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد طلائی پیالے بھرے جاتے اور قطار میں کھڑے ہوئے پُجاریوں کو ہاتھوں ہاتھ پہنچا دیئے جاتے۔ پُجاری تیز اُبلی ہوئی بھنگ پیتے گئے اور ان کی آنکھیں تیز تر اور غیر فطری شعلے اُگلنے لگیں، ان کی آواز پہلے سے کہیں زیادہ بلند اور بے ترتیب ہوگئی یہاں تک وہ آواز جو پہلے ایک ہموار اور شاندار گیت کی صورت میں بلند ہو رہی تھی آہستہ آہستہ بے ترتیب اور سماعت پاش چیخوں میں بدل گئی۔

وہ زیادہ سے زیادہ پیتے رہے اور زیادہ سے زیادہ بلند اور غیر مترنم آوازیں بھنبھنا لپتے رہے۔ ان میں سے ایک دُہرے کو بار بار چیخ چیخ کر گاتا اور دیوانوں کی طرح دائیں بائیں سر ہلاتا یہاں تک کہ وہ تھک کر اندھے منہ فرش پر گر پڑا۔ اس کے منہ سے جھاگ نکل رہی تھی اور اس کا چہرہ اعصابی تشنج سے بدنما ہو گیا تھا۔ اُدھر چار پانچ آدمیوں نے ایک دُوسرے کا ہاتھ پکڑ کر پاگلوں کی طرح ناچنا چکر کاٹنا اور فلک شگاف آواز میں دُہرے گانا شروع کیا۔ ان میں سے ایک جو اپنے ساتھیوں سے زیادہ کمزور تھا ہاتھ ڈھیلے چھوڑ دینے پر

مجبور ہوگیا اور دھڑام سے فرش پر اوندھے مُنہ گر پڑا۔ اس کے ساتھی چکر کی شدّت میں بھاگتے ہوئے دیوار سے لگ کر کھڑے ہو گئے اور سودائیوں کی طرح ہاتھوں اور سر کو دائیں بائیں اور آگے پیچھے ہلانے لگے۔ آخر اپنے ساتھیوں کے گر جانے کی وجہ سے وہ بھی فرش پر ایک دوسرے کے اوپر گر پڑے یہاں تک کہ پجاریوں کا یہ سارا مجمع چند لمحوں کے اندر اندر کف در دہن ہو کر ایک دوسرے پر گر پڑا۔ لیکن اس کے باوجود وہ ابھی تک اُسی شدّت اور اُسی بلند آواز کے ساتھ بھجن گا رہے تھے۔ چلاتے ہوئے تشنج کے اثر سے اینڈتے ہوئے انسانوں کا ایک حقارت انگیز اجتماع تھا جو نشے کے اندھے جوش میں ایک دوسرے کو پھاڑے دیتے تھے، اور حماقت آفریں اعصابی تشنج کی وجہ سے ایک دوسرے سے لپٹے پڑتے تھے۔ آگ، اور شمعوں کے دھوئیں سے ہوا دق ہو کر رہ گئی تھی اور اس سب سے بڑھ کر وہ سماعت پاش شور۔ اتنا بے پناہ تھا کہ وہ ستون جو چھت کو اپنے سروں پر اٹھائے کھڑے تھے پاگل معلوم ہوتے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس ہمہ گیر غوغے میں یہ بھی چلّا چلّا کر اپنی زندگی ختم کر دینگے۔ طلائی پیالے مرمریں فرش پر لڑھکے پڑے تھے اور شیریں سبز رنگ کی بوتلیں چھوٹی چھوٹی بل کھاتی ہوئی ندیوں کی صورت میں فرش پر بہہ رہی تھی۔ بڑا پجاری خود نشے میں چور کسی زخم خوردہ بھیڑیئے کی طرح دھاڑ رہا تھا۔ چند لمحوں کے بعد وہ لڑکھڑاتا ہوا بھنگ کے حوض کے قریب بڑھا اور اسی کے پاس پشت کے بل سرمریں فرش پر گر پڑا لیکن اس کا ہاتھ اب بھی بھنگ ہی میں تھا۔

آج سے پہلے نشے کا جوش اتنا تیز نہیں ہوا تھا۔ بادشاہ سالکت جامد اپنی مسند پر بیٹھا یہ کراہت انگیز منظر دیکھ دیکھ کر ہنسے جاتا تھا یہاں تک کہ اس نے یہ بھی دیکھ لیا کہ بڑا پجاری اُٹھنے کی کوشش کرتا کرتا مُنہ کے بل بھنگ کے حوض میں گر پڑا۔

بادشاہ کا غصّہ انتہا کو پہنچ گیا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ کرسی کے ہتّے پر رکھے اور ابتدائی مایوسی اور غیظ و غضب کے عالم میں اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ لیکن جونہی وہ جانے کے لئے مُڑا اس کے اعصاب پر ایک غیر فطری کپکپی چھا گئی کیونکہ اس کے قریب ایک ایسی ہستی کھڑی تھی جو بڑے سے بڑے بہادر کو بھی چند لمحوں کے لئے خوف سے مفلوج کر دینے کے قابل تھی۔

ایک لمبا تڑنگا اِنسان جس کی آنکھوں میں آسمانی آگ کے شعلے لپکتے ہوئے معلوم ہوتے تھے بادشاہ کے قریب کھڑا تھا۔ بادشاہ کو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اس نے اِس خدوخال کا آدمی آج سے پہلے بھی کہیں دیکھا ہے لیکن وہ اُسے پہچان نہ سکا۔ اس کا چہرہ سُوکھ کر ڈھیر رہ گیا تھا اور اس کے لمبے لمبے سفید بال اس کی داڑھی کے دراز سفید بالوں کے ساتھ مِل کر اُلجھی ہوئی لٹوں کی صُورت میں اس کے نیم عُریاں کندھوں اور ننگے سینے پر لوٹ رہے تھے۔ اس کا پھٹا ہُوا سیاہ لبادہ اس کے قدموں سے نیچے زمین پر لٹک رہا تھا۔ اس نے نشے میں مدہوش اِنسانیت کے اِس غیر اِنسانی ہجوم کی طرف دیکھا اور نفرت سے اپنی سُوکھی اور گرہ دار اُنگلیاں بلند کیں۔ اس کی اندر کو دھنسی ہوئی نیلی آنکھوں میں آگ تھی ـــــ ایک غیر زمینی آگ۔ وہ دارا کی طرف دیکھتا ہُوا معلوم نہیں ہوتا تھا بلکہ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ اُن اِنسانوں کی طرف بڑی غضبناک نگاہوں سے دیکھ رہا ہے جو اپنے کرتوتوں کی بدولت حیوانوں سے بھی بدتر ہو گئے ہیں۔

وہ سنگِ موسیٰ کی دیوار کے مقابلے میں قسمت کا مجسّمہ معلوم ہوتا تھا۔ دفعتہً اس کے ہاتھ ہلے اور اس نے بلند آواز میں جو کوشش کے بغیر بُجاریوں کی نفرت انگیز آوازوں سے بلند ہو گئی تھی ـــــ ایک ایسی آواز جو شفاف گھنٹی کی آواز سے مشابہ تھی

اور جس نے اس کے ہونٹوں سے نکلتے ہوئے ہر لفظ کو ہر اُس آدمی کے کانوں تک پہنچا دیا جو شراب کے نشے میں چُور تھا ــــ ایک ایسی آواز جو تلوار اور لوہے کے ٹکڑے کے اتصال سے پیدا ہوتی ہے۔

"مَیں خدا کا بھیجا ہُوا نبی ہوں۔ سکون میں آجاؤ۔"

جس طرح شکاری کے تیر کے سینے میں ڈُوب جانے سے کسی وحشی درندے کی سماعت پاش چیخیں دفعتہً ہلکی پڑ جاتی ہیں اور پھر خاموش ہو جاتی ہیں اسی طرح ایک لمحے کے اندر اندر یہ بے ربط ترنّم ایک ایسی ہمہ گیر خاموشی میں بدل گیا جو اپنے تضاد کی وجہ سے بھیانک معلوم ہوتی تھی۔ دارا بے حس و حرکت مسند کے ہتے پر ہاتھ رکھے کھڑا تھا۔ اس غیر فانی اجنبی کے الفاظ اس کی سمجھ میں نہ آتے تھے اور نہ ہی وہ یہ سمجھ سکتا تھا کہ اِن الفاظ نے اِن پجاریوں پر اتنا فوری اثر کیوں کیا ہے۔ اس کے باوجود اس کی جرأت نے اُسے جواب نہ دیا اور وہ بولنے سے نہ گھبرایا۔

"تم کس طرح کہہ سکتے ہو کہ تم نبی ہو؟ کون ہو تم؟" اس نے پوچھا۔

"تم مجھے جانتے ہو اور تمہی نے مجھے بُلایا ہے۔" سفید بالوں والے نے اپنی مطمئن آواز میں جواب دیا لیکن اس کی شعلہ آفریں آنکھیں دارا پر گڑ کر رہ گئیں اور دارا اپنی جرأت اور مردانگی کے باوجود اِن مقناطیسی آنکھوں کی زد میں آکر گھبرا گیا۔ "مَیں زرتشت ہوں اور مَیں تمہیں اور تیرے اِن بدقسمت پجاریوں کو سچّا راستہ دکھانے آیا ہوں۔"

خوف نے دیوانے پجاریوں کے عقل و حواس ٹھکانے کر دیئے اور وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے۔ وہ سب باری باری اُٹھے اور سہمے ہوئے اُلٹے پاؤں چل کر بڑے پجاری کے پاس جا پہنچے جو بڑی دِقّتوں سے حوض میں کھڑا ہو سکا تھا۔

دارا نے غور سے دیکھا اور زرتشت کو پہچان گیا لیکن وہ اس عجیب و غریب ہیئت اور آنکھوں کی غیر انسانی روشنی کو جو آج سے پہلے موجود نہ تھی پہچاننے میں ناکام رہا۔ وہ پجاریوں سے مخاطب ہوا۔

"بہت ہی نااہل پجاری ہو تم سب"۔ اس نے غضبناک لہجے میں کہا۔ "کیونکہ تم قربانی کی بھنگ پی کر نشے میں مدہوش ہو جاتے ہو اور اس بیہوشی کے عالم میں جانوروں کی طرح چلا چلا کر خدا کے معبد کی عزت و حرمت خاک میں ملا دیتے ہو۔ اس آدمی کو دیکھو۔ کیا تم بتا سکتے ہو کہ یہ خدا کا بھیجا ہوا نبی ہے؟" دارا جس کا غصہ انتہائی سرعت کے ساتھ اس خوف پر غالب آ رہا تھا جو زرتشت کو اپنے پہلو میں پا کر اس کے اعصاب پر طاری ہو گیا تھا تلوار کے دستے پر ہاتھ رکھے پرجوش قدموں سے چلتا ہوا ایک دو قدم آگے بڑھا۔ اس کا چہرہ تمتمایا ہوا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ معبد کی ایسی بے حرمتی کرنے والوں سے بدلہ لینے کے لئے ان کے خون کی ندیاں بہا دے گا۔

"یہ یقیناً جھوٹا اور مکار ہے"۔ بڑے پجاری نے قربانگاہ کے پیچھے سے چلا کر کہا۔ گویا وہ مقدس آگ کی اوٹ میں آ کر زرتشت پر نفرت کا اظہار کر رہا ہے۔

"یہ یقیناً جھوٹا اور مکار ہے"۔ دوسرے پجاریوں نے اپنے سردار کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"یہ مجوسی ہے، بت پرست ہے، جھوٹا ہے، جھوٹوں کا باپ ہے۔ قتل کر دو اسے، قربانگاہ کے سامنے اس کی بوٹیاں نوچ دو۔ اس کافر کو قتل کر دو جس نے اپنے ناپاک قدموں سے یزداں کے پاس معبد کی بے حرمتی کی ہے"۔

"مجوسی کو قتل کر دو ــــ کافر کو قتل کر دو"۔ پجاریوں نے یکزباں ہو کر کہا اور

ایک مجمع کی حیثیت سے پتلے دُبلے، سفید بالوں والے شخص کی طرف بڑھے جو شانت سے خاموش کھڑا تھا۔

دارا نے اپنی چھوٹی سی تلوار نکالی اور لپک کر ان پجاریوں کی طرف بڑھا تاکہ زرتشت پر حملہ کرنے والوں کے سر قلم کر دے لیکن زرتشت نے ہوا میں بلند تلوار کو اپنے ہاتھ میں اس طرح پکڑ لیا جس طرح کسی بے ضرر چھڑی کو پکڑ لیا جائے۔ اس نے بادشاہ کی مضبوط گرفت سے تلوار چھین لی اور اُسے شیشے کی طرح ٹکڑے ٹکڑے کر کے فرش پر پھینک دیا۔ دارا فرطِ حیرت سے گم سُم رہ گیا اور وہ پجاری جو اس پر لپک رہے تھے اور جن کی آنکھوں میں اب بھی نشے کا خمار صاف نظر آتا تھا بھیڑوں کے غلے کی طرح سہم کر جہاں تھے وہیں رُک گئے۔

"مجھے تلواروں کی ضرورت نہیں ہے"۔ زرتشت نے اپنی بلند اور صاف آواز میں کہا۔

"بڑے پجاری نے ایک بلند آہنگ قہقہہ لگایا اور لپک کر مقدس لکڑی کا ایک ٹکڑا پکڑ لیا۔

"یہ اہرمن ہے"۔ اس نے غضبناک آواز میں پکار کر کہا۔ "یہ یزداں سے خاص اس کے معبد میں جنگ کی ٹھان کر آیا ہے۔ لیکن خدائے مقدس کی آگ اسکی ہستی کو جلا کر راکھ کر دے گی"۔

پجاری ہاتھ میں جلتی ہوئی لکڑی لیکر زرتشت کو مارنے کے لئے اس کی طرف لپکا۔ زرتشت نے اپنی نگاہیں اس کے غضبناک چہرے پر گاڑ دیں۔ پجاری جہاں تھا وہیں کا وہیں دفعتہً گڑ سا گیا۔ اس کا ہاتھ ہوا میں بلند تھا اور جلتی ہوئی لکڑی اسکے ہاتھ سے گر کر فرش پر بجھنے لگی۔

"عقلِ کُل کے غصّے کو دعوت مت دو۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تمہیں مٹا ڈالے"۔ زرتشت نے متانت سے کہا۔ "پُجاریو! سُنو اور آسمانی حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دو۔ قربانگاہ سے آتش دان کو اُٹھاؤ اور فرش پر راکھ بکھیر دو کیونکہ تم نے آتشِ مقدس کی بے حُرمتی کی ہے"۔

دُوسرے پُجاریوں نے خاموشی سے کانپتے کانپتے زرتشت کے احکام کی تعمیل کی کیونکہ وہ خوفزدہ ہو رہے تھے اور بڑا پُجاری حیرت و استعجاب کے عالم میں زرتشت کا مُنہ تکنے لگا۔ جب آتش دان کی آگ بُجھا دی گئی، فرش پر کوئلے بُجھا دیئے گئے اور پُجاریوں نے اپنے چمڑے کے جُوتوں سے مسل مسل کر آگ بُجھا دی تو زرتشت قُربان گاہ کے قریب گیا۔ اس نے اپنا چہرہ مشرق کی طرف پھیر لیا۔ لکڑی کا کولھو اس کے عین سامنے تھا۔ اس نے اپنے سُوکھے ہوئے سفید ہاتھ پھیلا کر فرش پر رکھ دیئے اور پھر آہستہ آہستہ انہیں ایک دُوسرے کی طرف سمیٹنا شروع کیا۔ پُجاریوں کے دیکھتے ہی دیکھتے آگ کا ایک ننھا سا شعلہ زمین سے پیدا ہوا اور جوں جوں زرتشت کے ہاتھ ایک دُوسرے کی طرف سمٹتے آئے یہ شعلہ بلند سے بلند تر ہوتا گیا یہاں تک کہ یہ نیزے کی چمکدار انی کی طرح سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اس میں سے ایک پُرسکون سفید رنگ کی روشنی نکل رہی تھی جس نے شمعوں کی روشنی کو دُھندلا کر دیا اور زرتشت کے سفید چہرے میں ایک غیر فطری چمک پیدا کر دی۔

وہ خاموشی سے اُٹھا اور شعلے سے ایک دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ پُجاریوں کے حیرت زدہ گروہ کے ہونٹوں سے ایک ناقابلِ فہم غلغلہ بلند ہوا اور دارا حیرت ناک خاموشی میں کھڑا کبھی زرتشت کی طرف دیکھتا رہا اور کبھی اپنی

مضبوط تلوار کے اُن ٹکڑوں کی طرف جو فرش پر بکھرے پڑے تھے۔
زرتشت نے شعلہ زا آنکھوں سے پجاریوں کی طرف دیکھا۔
"اگر تم واقعی یزداں کے سچے پجاری ہو تو میرے ساتھ اس کی تعریف کے بھجن گاؤ"
اس نے کہا۔ "ایسی آواز میں گاؤ کہ وہ آسمانی دُنیا میں گونج اُٹھیں اور ان سے آسمانوں کے اُس پار بھی گونج پیدا ہو جائے"
پھر اس کی پُرسکون بلند آواز دھیرے دھیرے بلند ہوئی اور اس نے آنکھیں اور چہرہ آسمان کی طرف اُٹھا کر مقدس گیت گانا شروع کیا:۔
وہ جو سچائی سے نیکی پر حکومت کرتا خدائے پاک کے احکام کی تکمیل کرتا ہے۔
عقل کُل خدا اُن لوگوں کو اپنے خاص عطیات عطا کرتا ہے جو دُنیا میں رہ کر ایسے کام کرتے ہیں جو سچے ہوں۔
وہ جو غریبوں کی حفاظت کرتا ہے خدا اُسے حکومت دیتا ہے۔
دُنیا کی سب نیکیوں سے بہتر نیکی سچائی ہے۔
تعریف ہے تعریف ہے اُس کی جو ہمیشہ بلندی پر رہتا ہے جو آسمان پر بہترین ہے دُنیا میں سب سے زیادہ سچا!
زرتشت کی دلکش آواز آسمان کی بلندیوں تک گونج اُٹھی اور دُوسرے پجاریوں نے اس کے ساتھ مترنم آواز میں گایا۔ اور وہ جگہ جو چند لمحے پیشتر احمقانہ جوش اور نشے کی بدمستیوں سے دیوانوں کا اکھاڑا معلوم ہوتی تھی اسی طرح پُرسکون اور روح پرور معلوم ہونے لگی جس طرح وہ شعلہ تھا جو کسی ایندھن کے بغیر معبد کے قلب میں سنگِ موسیٰ پر بھڑک اُٹھا تھا۔ پجاری یکے بعد دیگرے آئے اور زرتشت کے قدموں میں گر پڑے۔ بڑا پجاری سب میں پیش پیش تھا۔

"تم خدا کے پاک سچے نبی اور اس کے سچے پرستار ہو" ہر ایک نے یکے بعد دیگرے کہا۔
"مَیں تمہیں بڑا پجاری مانتا ہوں اور ایک سچے پرستار کی طرح تمہارے ساتھ رہونگا"۔
اور بادشاہ جو خاموشی سے اپنی مسند کے قریب کھڑا یہ منظر دیکھ رہا تھا سب کے بعد بڑھا اور زرتشت کے قدموں میں جھکا چاہتا تھا کہ زرتشت نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور اُسے اپنے سینے سے لگا لیا۔

"زرتشت مَیں نے تمہیں بہت نقصان پہنچایا ہے۔ مجھے معاف کر دو" دارا نے کہا
"تم ایک مقدس ہستی ہو اور مَیں تمہاری اتنی عزت کرونگا جتنی آج سے پہلے کبھی ہوئی تھی"۔
"تم نے مجھے کوئی تکلیف نہیں پہنچائی" زرتشت نے جواب دیا "تم نے مجھے بُلایا اور مَیں آگیا ہوں تاکہ اپنے اُس وعدے کو پُورا کروں جو مَیں نے تمہارے ساتھ شوشان کے خیمے میں کیا تھا۔ تمہارا وفادار دوست بننے کے لئے"۔

زرتشت کا پھٹا ہوا لبادہ اُتار کر اُسے سفید کپڑوں میں ملبوس کر دیا گیا اور اس کے سر پر بے داغ ململ کا سفید تاج رکھا گیا۔ بادشاہ نے دُوسری مرتبہ طلائی زنجیر اپنے گلے سے اُتار کر زرتشت کی گردن میں پہنا دی اور وہ زرتشت کو اپنے ساتھ لے کر محل کی طرف گئے۔

(۱۶)

زرتشت کی واپسی کی خبر نے محل بھر میں ایک سنسنی سی پیدا کر دی یہ خبر کہ زرتشت کو معبد کا بڑا پجاری مقرر کیا گیا ہے نہشتہ کے کانوں تک بھی پہنچ گئی اُسے حیرت تھی کہ تین سال کے اس عرصے نے زرتشت میں ایسی کونسی تبدیلی پیدا کر دی ہے جس سے اُس ایسا آدمی پجاری بننے کے قابل ہو گیا ہے۔ وہ صرف اتنا جانتی تھی کہ وہ ایک نوجوان، انتہا درجے کا خوبصورت، اور سرتاپا ایک سپاہی آدمی ہے جس کی طبیعت میں درباریوں کی تمام اعلیٰ صفات کوٹ کوٹ کر بھر دی گئی ہیں۔ وہ یہ تصور ہی نہیں کر سکتی تھی کہ زرتشت بھی سفید کپڑوں میں ملبوس ہونے اور بھجن گانے کے اہل قرار دیا جا سکتا ہے۔

لیکن بادشاہ نے زرتشت کو محض بڑے پجاری کی حیثیت سے دوبارہ سلطنت کے کاموں میں شریک نہیں کیا تھا بلکہ اُسے حقیقی معنوں میں ایک سمجھدار مشیر اور مددگار کی ضرورت تھی اور نیا پجاری ان سب صفات سے پوری طرح متصف اور اس عہدۂ جلیلہ کے اہل معلوم ہوتا تھا۔

دوسرے دن نہشتہ اپنے معمول کے مطابق اپنی کنیزوں، پنکھا بردار، باندیوں

اور فرآشوں کے ساتھ باغ میں سیر کو نکلی۔ وہ زمین پر سے اپنے نازک پاؤں سلیپروں میں لپٹے ہوئے خوبصورت پاؤں اُٹھائے بغیر آہستہ آہستہ چل رہی تھی کبھی کبھار کسی پودے کے قریب پھول توڑنے کے لئے رُک جاتی تو اس کی باندیاں تھوڑا سا فاصلہ دے کر وہیں ٹھہر جاتیں، ان میں سے کسی کو آپس میں بات کرنے کی بھی جرأت نہ ہوتی تھی کیونکہ آج چھوٹی ملکہ کے تیور چڑھے ہوئے نظر آتے تھے۔ اس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا اور اس کی آنکھیں بھاری بھاری معلوم ہوتی تھیں۔ اس کی وجہ بھی ظاہر تھی۔ وہ شخص جس کو ملکہ نے اپنے دل کی ساری سلطنت بخش دی تھی آج ایک طویل عرصے کے بعد پھر اس کے قریب آگیا تھا اور گو اس نے اتنے بے دردانہ طریقے سے اُسے دھوکا دیا تھا تاہم اُس مکّار کے جھوٹے مگر پیارے وعدوں کی صدائے بازگشت ابھی تک ملکہ کے رُوحانی عمق میں ایک لطیف ارتعاش پیدا کر رہی تھی۔ آج بھی جبکہ اس کی بے وفائی کے چرکوں نے ملکہ کا سینہ چھلنی کر دیا تھا وہ سوتے میں اپنے ہونٹوں کے قریب اس کے سانس کی تیز آمد و شد محسوس کرتی اور اُس رُوحانی مسرّت سے بے خود ہو کر دفعتہً آنکھیں کھول دیتی جس کا نتیجہ بھیانک اور دلخراش غم ہوا کرتا تھا۔

وہ گلاب کی روشوں پر آہستہ آہستہ چل رہی تھی لیکن اس کے ذہن میں ایک اور ہی دُنیا آباد تھی۔ وہ پُرانی دُنیا جب وہ شمالی علاقوں میں رہا کرتی تھی، وہاں بھی گلاب اور چنبیلی کے پھول کھلا کرتے تھے لیکن اُن کی خوشبو اِن پھولوں کی خوشبو سے کہیں باصرہ نواز اور دل افروز ہوا کرتی تھی ـــــ وہاں بھی ایک مرمریں بارہ دری تھی جس کی شفاف اور ہموار سطح پر طلسمی چاند کی سحر طراز کرنیں اپنا رُوح نواز رقص کیا کرتی تھیں جب وہ باغ کی ایک روش سے ہٹ کر دُوسری روش پر پہنچی جہاں رس بھری کی ایک

گنجان جھاڑی نے غروب ہوتے ہوئے سورج کی دھندلی شعاعوں کو تاریکی میں بدل دیا تھا اسے اُس انسان کے سامنے آنا پڑا جو کئی دنوں سے اس کے ذہن کے پردوں پر نقش ہو کر رہ گیا تھا۔ اسکا چھریرا بلند جسم بے داغ سفید کپڑوں میں ملبوس شام کے بڑھتے ہوئے دھندلکے میں ایک سائے کی طرح نظر آرہا تھا اور اس کے سر کے سفید بال اور سمور کی طرح سفید داڑھی اس کے نوجوان چہرے کے گرد ایک عجیب و غریب نورانی ہالہ بنائے ہوئے تھی۔ وہ آہستہ آہستہ دونوں ہاتھ سینے پر باندھے اور آنکھیں نیچی کئے چل رہا تھا اور دو نوجوان پجاری اسکے پیچھے پیچھے دھیمی آواز میں آپس میں باتیں کرتے جا رہے تھے۔ ان پجاریوں کے طرزِ گفتگو سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنے اُستاد کے تفکر میں خلل پیدا نہیں کرنا چاہتے۔

نہشتہ چونک سی پڑی اور باوجودیکہ اس نے اُس چہرے کو پہچان لیا تھا جس پر کسی زمانے میں اس نے اپنے دل کی ساری کائنات نچھاور کر دی تھی تاہم وہ خاموشی سے اس کے قریب سے گذر جانا چاہتی تھی۔ لیکن زرتشت نے اپنی آنکھیں اُٹھائیں اور ایسے عجیب تاثر کے ساتھ اس کی طرف دیکھا کہ وہ چلتے چلتے خواہ مخواہ رُک گئی۔ اسکی آنکھوں کی گہری پُرسکون آگ نے اُسے سہما دیا اور اس کے سراپا میں کسی ایسی قوت کا احساس ہونے لگا جو حقیقتاً شاندار اور غیر زمینی معلوم ہوتی تھی۔

"خوش آمدید نہشتہ" بڑے پجاری نے اپنی سکوں افزا آواز میں کہا۔

لیکن اس کی آواز نے اس سارے طلسم کو پارہ پارہ کر دیا۔ یہودی عورت نے متکبرانہ اپنا سر بلند کیا اور اس کی آنکھوں میں دوبارہ وہی چمک پیدا ہو گئی۔

"مجھے خوش آمدید نہ کہو" اس نے جواب دیا "کیونکہ مکار کی خوش آمدید اُس ناگ کے ڈنک ایسی ہوتی ہے جو اندھیرے میں چپکے سے کاٹ کھاتے۔"

زرتشت کے چہرے میں شمہ بھر تغیر نہ ہوا لیکن اس کی چمکدار دہشت آفریں آنکھیں نہشتہ کی آنکھوں میں گڑ گئیں اور وہ پھر رک گئی گویا کسی غیر مرئی قوت نے اُسے پکڑ کر اُسی جگہ جکڑ دیا ہو۔

"میں جھوٹا نہیں ہوں اور نہ ہی میں نے تمہیں کبھی دھوکا دینے کی کوشش کی ہے"۔ اسنے جواب دیا۔

"تم خود جاؤ اور اُس سے پوچھو جس سے تم نفرت کرتی ہو کہ میں نے تمہیں کبھی دھوکا دیا ہے۔ الوداع!"

اس نے اپنی آنکھیں دوسری طرف پھیر لیں اور اپنے راستے پر ہو لیا۔ اسکی آنکھیں زمین پر گڑی تھیں اور ہاتھ سینے پر بندھے تھے۔ وہ نہشتہ کو راستے میں اکیلا چھوڑ کر چلا گیا۔ وہ سخت اُلجھن میں گرفتار ہو گئی تھی اور نہیں جانتی تھی کہ زرتشت کا مطلب کیا ہے۔

کیا اس نے اپنی آنکھوں سے اُس منحوس صبح کے وقت شوشان میں نہیں دیکھا تھا کہ زرتشت آتوسہ کو سینے سے لگائے کھڑا ہے؟ کیا اُسے یہ معلوم نہیں تھا کہ جب زرتشت مادیا کی طرف بھیجا گیا تھا تو اس نے آتوسہ کو ایک خط لکھا اور اُسے دو حرف لکھنے کی ضرورت بھی محسوس نہ کی؟ کیا یہ چیزیں جن کو اس نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا غلط ہو سکتی ہیں؟ کس قدر خوفناک تھا یہ خیال! ــــ کہ اسکی ساری زندگی محض ایک غلطی کے ہاتھوں اس طرح برباد ہو گئی۔ لیکن ــــ اس نے اپنے دل کو سمجھایا ــــ اس میں غلطی ہو ہی نہیں سکتی۔ اس نے خود دیکھا اور آدمی کو کم از کم اپنی آنکھوں پر شبہ نہیں ہو سکتا۔ اس نے اپنے کانوں سے آتوسہ کو محبت بھرے الفاظ کہتے سُنا اور خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ زرتشت کے ہاتھ اُسکے ڈھلکتے ہوئے جسم کو سہارا دے رہے ہیں۔ پھر باقی اور کیا رہ گیا تھا۔ آدمی اپنی سماعت، اپنی بینائی اور اپنی سمجھ ہی کے بل بوتے پر دُنیا میں زندگی بسر کر سکتا ہے۔ ان قوتوں کو کس طرح جھوٹا تصور کیا جا سکتا ہے؟

لیکن ابھی ابھی جو کچھ اس نے کہا تھا اس کے ہر لفظ میں سچائی گونجتی ہوئی معلوم ہوتی تھی

"مَیں جھوٹا نہیں ہوں اور نہ ہی مَیں نے تمہیں دھوکا دینے کی کبھی کوشش کی ہے"۔ ایک جھوٹ ــــ نہیں! زبان سے نکلا ہوا جھوٹ۔ بلکہ عمل کے سانچے میں ڈھلا ہوا ایک بھیانک جھوٹ اور عملی جھوٹ لفظی جھوٹ سے کہیں خوفناک اور ضرر رساں ہوا کرتا ہے۔ لیکن پھر بھی ابھی ابھی اسکی آواز شام کے دُھندلکے میں سچائی کی آواز کی طرح گونجی تھی۔ وہ ایک ایسی آواز تھی جس میں رُوحانی خلش کی تکلیفیں کروٹیں سی لیتی ہوئی محسوس ہوئی تھیں۔ اس سے پوچھو جس سے تم نفرت کرتی ہو"۔ اس نے یہی تو کہا تھا۔ آلوسہ کی طرف اشارہ کیا تھا ظالم نے! اُسے اور کسی سے نفرت نہ تھی ــــ اُس کے سوا دُوسرا تھا ہی کون؟

اس نے ہزارویں دفعہ اپنے دل کی گہرائیوں کو ٹٹولا تھا ــــ یہ سمجھنے کے لئے کہ کیا وہ واقعی بادشاہ سے محبت کرتی ہے یا نہیں۔ وہ بادشاہ کے متعلق کچھ ایسا محسوس کیا کرتی تھی کہ اس نے آج تک زرتشت کے متعلق ایسا محسوس نہیں کیا تھا۔ مضبوط سیاہ فام سپاہی کا پُرجوش جذبۂ محبت اُسے بعض اوقات اپنی آسمان گیر لہروں میں بہالے جاتا تھا اور وہ اسکے ساتھ ساتھ آسمان کی بلندیوں تک بلند ہو جایا کرتی تھی۔ وہ اسکی مردانگی، اسکی دیانتداری اور اسکی اولوالعزمی پر واقف تھی۔ لیکن یہ سب کچھ زرتشت میں بھی موجود تھا ــــ اس سے بھی کہیں زیادہ یہ علیحدہ بات ہے کہ ان قوتوں کا اظہار مختلف طریقے پر ہوا ہو۔ اس نے گذشتہ ایام کا جائزہ لیا اور اُسے یہ یقین کرنا پڑا کہ زرتشت اپنے ہر قول و فعل میں کتنا مطمئن اور پُرسکون تھا اور اسکی قوتِ ادراک کتنی زبردست تھی۔ وہ اُس وقت تک کسی شے کی جستجو سے ماورا نظر آتا تھا جب تک کہ وہ ذلیل نہ ہو گیا ــــ اور جب وہ اسکی نظروں سے گرا تو اس بُری طرح سے گرا کہ اُس مصنوعی سکون، ادراک اور صفائے قلب کی یاد سے بھی خشتہ کو گھن سی آنے لگی۔ یہ سب کچھ یقیناً تصنع آمیز ہوگا ورنہ کیا یہ ممکن تھا کہ ایک سچا اور پاکباز شخص آلوسہ کی

کمر میں اپنی باہیں حمائل کر دے اور اس وقت اس کے سر کو اپنے سر سے لگائے جب وہ سسکیاں لیتی ہوئی محبت بھرے الفاظ کہے؟

لیکن اگر اُسے آٹوسہ سے محبت تھی تو وہ بھی تو اس پر جان چھڑکتی تھی۔ اس نے ایسا کہا تھا ــــ صرف کہا ہی نہیں بلکہ اُس روز برآمدے میں اتنی بلند آواز سے اپنی محبت کا اظہار کیا تھا کہ ہر کہ و مہ اُسے سُن سکتا تھا۔ تو پھر محل سے نکلتے وقت اس نے کیوں بھیس بدلا اور کیوں جلوس کے راستے پر کھڑا ہو کر عین اس وقت بے عزتی کا وہ کلمہ نہشتہ کو کہہ دیا جس سے نہشتہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی تھی؟ اُسی کے لئے اس نے اپنی اس شاندار زندگی کو خیرباد کہہ دیا تھا اور اسی کے غم میں جنگلوں اور صحراؤں میں مارا مارا پھرا کیا یہاں تک کہ اس کا حسین جسم اتنا کمزور ہو گیا کہ وہ بوڑھا نظر آنے لگا۔ اس نے بڑی بوڑھیوں سے سُن رکھا تھا کہ غم انسان کے بال ایک دن میں سفید کر دیتا ہے ــــ اور زرتشت کے سر اور داڑھی کے بال برف کی مانند سفید پڑ گئے تھے۔ کیا یہ غم ہی تھا جس نے اُسے اتنا بدل دیا؟ کیا یہ اپنی محبوبہ کو اپنی آنکھوں کے سامنے بادشاہ کی زوجیت میں جاتے ہوئے دیکھنے کا غم تھا؟ اسکی آواز میں خود سچائی پکارتی ہوئی معلوم ہوتی تھی "اُس سے پوچھو جس سے تم نفرت کرتی ہو" یہی تھے اس کے الفاظ! وہ یقیناً پوچھے گی۔ یہ سب کس قدر ناقابل فہم تھا۔ وہ فوری خیال کہ شاید اس نے آج سے تین سال پہلے اُسے دھوکا دیا تھا ــــ اس خیال کا امکان جو آج سے قبل اُسے قطعی ناممکن نظر آتا تھا ــــ عجیب و غریب طریقے سے اس کے دل میں پیدا ہوا اور وہ فرطِ خوف سے کانپ اُٹھی۔ وہ آٹوسہ سے پوچھے گی کہ آیا زرتشت واقعی اُس سے محبت کرتا تھا۔ وہ اُسے بتائے گی کہ اس نے اِن دونوں کو محل کے برآمدے میں ایک دوسرے سے بغلگیر ہوتے دیکھا تھا اور اس کے تیز اور جذبات سے مملو الفاظ خود اپنے کانوں سے سُنے تھے۔ وہ اُسے دھمکی دیگی کہ

وہ یہ سب کچھ بادشاہ کے کانوں تک پہنچا دیگی اور اگر اس پر بھی بڑی ملکہ نے حقیقت بیانی سے گریز کیا تو وہ یقیناً بادشاہ کو الف سے لے کر بے تک سب کچھ بتا دے گی اور ملکہ کو ندامت کے پسینے میں غرق کر کے چھوڑے گی۔

وہ تیز قدموں سے روش پر چلنے لگی۔ اس کے ہاتھ ایک دوسرے سے اُلجھے پڑتے تھے اور آج اس نے پہلی دفعہ اُس خوفناک خنجر کا دستہ اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا جو ایک مُدت سے اس کی کمر سے بندھا رہتا تھا۔ جب وہ گھوم کر محل کی کشادہ سیڑھیوں پر چڑھی اُس وقت چاند دور مشرقی پہاڑیوں کی دُھندلی چوٹیوں پر چمک رہا تھا اور اس کی شعاعیں محل کے برآمدوں میں پڑ رہی تھیں۔ اس نے پلٹ کر چند لمحوں کے لئے سکوت و سکون میں ڈوبی ہوئی وادی کی طرف دیکھا۔ دور محل کے انتہائی عمق میں ایک تنہا بلبل نے ایک گریہ آور نغمہ شروع کیا اور پھر یکایک باغ کی فضا نغمات کے ایک مسرت آفریں سیلاب میں ڈوب گئی۔

نہشتہ جانے کے لئے پلٹی۔ آج کئی دنوں کے بعد اسکی سیاہ غزالیں آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی پیدا ہو گئی تھی۔ لیکن اس نے ہاتھ ملے اور سجدہ ریز غلاموں کی دو رویہ قطاروں کے درمیان سے گزرتی ہوئی سیدھی ملکہ آتوسہ کے کمرے کی طرف ہو لی۔ آتوسہ سے اجازت لئے بغیر بڑی ملکہ کے کمرے میں داخل ہونے کی کسی کو جرأت نہ ہوتی تھی اور نہ ہی یہ دستور تھا لیکن نہشتہ اس سے پہلے کبھی بھی آتوسہ کے پاس نہ آئی تھی۔ باہر بھی وہ دونوں شاذ و نادر ہی ملا کرتیں اور ایک دوسرے سے بہت کم گفتگو کیا کرتی تھیں۔ گو یہ درست ہے کہ جب وہ ملتیں تو بڑے تپاک کا اظہار کرتیں اور آتوسہ کی مسکراہٹ نہشتہ سے کہیں زیادہ شیریں ہوا کرتی تھی۔ لیکن

تنہائی میں وہ کبھی بھی آپس میں نہ ملی تھیں۔ آٹوسہ کے غلام شاید نہشتہ کو اس کے کمرے میں جانے سے روکتے لیکن نہشتہ نے انہیں اتنی دہشت انگیز نگاہوں سے دیکھا کہ وہ خوفزدہ ہو کر سر بسجدہ پیچھے کی طرف سمٹ گئے اور نہشتہ کو بغیر کسی دقت کے آٹوسہ کے کمرے میں جانے کا موقع مل گیا۔

آٹوسہ اپنی عادت کے مطابق اس وقت اپنے سنگھار کے کمرے میں تھی اور اس کی ساری خادمائیں اس کے اردگرد موجود تھیں، کمرہ شوشان والے کمرے سے زیادہ وسیع تھا کیونکہ آٹوسہ نے اسے اپنی مرضی کے مطابق بنوایا تھا لیکن سنگھار کی میز وہی پرانی تھی اور اس پر چاندی کا وہی بڑا آئینہ لگا ہوا تھا جسے آٹوسہ نے سفر کے وقت بھی اپنے آپ سے کبھی علیحدہ نہ کیا تھا۔

ان تین برسوں کے طویل عرصے نے اس کے دلفریب حسن میں کسی قسم کا فرق پیدا نہ کیا تھا۔ محل کی زندگی کی چھوٹی چھوٹی مشکلات سے اس کی قوت میں فرق پیدا ہو یہ ناممکن تھا۔ اس میں اتنی قوت موجود تھی کہ وہ تکان کا اظہار کئے بغیر بادشاہ کے خلاف ایک مسلسل جنگ کرتی رہے۔ اس لڑائی میں اس کا چہرہ ایک منٹ کے لئے بھی زرد نہیں ہونے پایا تھا حالانکہ خود بادشاہ کا یہ حال تھا کہ وہ اس تکلیف کی وجہ سے جو ملکہ اسے دیتی تھی زرد اور مضمحل ہو جاتا تھا اور بعض اوقات تو رات بھر درد و کرب سے تڑپا کرتا تھا۔ لیکن یہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی اور باوجودیکہ وہ اسکی فطری تاریکی کو بھی سمجھ گیا تھا تاہم وہ ملکہ سے علیحدگی اختیار کرنے پر اپنے آپ کو تیار نہ پاتا تھا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ملکہ نے اس پر کوئی غیر محسوس جادو سا پھونک رکھا ہے۔ وہ اتنی خوبصورت اور بدیوں سے اتنی لبریز تھی کہ اسے فنا کر دینے میں خوف محسوس ہوتا تھا۔ وہ سمجھتا تھا

کہ ایسی حسین مخلوق کو تباہ کر دینا بہت بھاری گناہ ہے۔ اس پر شہزادہ جب وہ چاہتی تو بادشاہ کو خوش کر دیا کرتی یہاں تک کہ کئی گھنٹے ہنسی خوشی میں گذر جاتے۔ وہ شام کے وقت ہونیوالی دعوت میں شامل ہونے کے لئے پوری طرح سے تیار ہو چکی تھی لیکن اسکی کنیزیں ابھی تک اس کے اردگرد کھڑی تھیں اور خود ملکہ اپنے آپ کو بڑے آئینے میں مبصرانہ انداز سے دیکھ رہی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ تاج کو اس طریقے سے سر پر رکھے کہ اس کے حسین بال کمر پر لہرانے کی بجائے اس کے کندھوں پر سے ہوتے ہوئے سینے پر بل کھانے لگیں وہ اپنے چہرے پر تاج کے پہننے کا اثر دیکھنے کے لئے آئینے میں غور سے دیکھ رہی تھی کہ یکایک اس کی آنکھیں دو غضبناک سیاہ آنکھوں سے دوچار ہوئیں اور اُسے معلوم ہو گیا کہ نہشتہ آئی ہے۔

وہ جلدی سے اُٹھی اور یکدم مڑ کر شیشہ کے سامنے کھڑی ہو گئی اسکی منقش کرسی لمبے لبادے کی زد میں آکر فرش پر گر پڑی۔ اس نے ایک متین کرسی کے ساتھ نہشتہ کا استقبال کیا۔ اس کے چہرے سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اپنے سنگھار کے کمرے میں نہشتہ کی آمد سے حیران ہو گئی ہے۔ اس ملاقات سے اُسے کوئی خوف یا دہشت محسوس نہیں ہوئی تھی۔ اس کی خوبصورت نازک بھنویں حقارت کے انداز میں خفیف سی تن گئیں لیکن اس کی آواز میں اب بھی وہی شیرینی اور ملاحت تھی۔

"ملکہ نہشتہ اپنی کنیز کو دیکھنے کے لئے بڑی مدتوں کے بعد تشریف لائی ہیں"۔ اس نے کہا۔ "اگر حضور تشریف لانے سے پہلے مطلع فرما دیتیں تو حضور کا استقبال حضور کے شایان شان کیا جاتا"۔

نہشتہ خاموشی سے اس کے سامنے کھڑی رہی۔ اُسے اس سرد مطمئن آواز سے

سخت نفرت تھی جو اس کا گلا گھونٹتی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔

"ہمیں درباری تعلقات برتنے کی ضرورت نہیں ہے۔" یہودی عورت نے مختصراً کہا۔ "میں تنہائی میں تم سے ایک ضروری مسئلے پر گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔"

"کنیز تنہا ہی ہے۔" آٹوسہ نے پُرسکون لہجے میں جواب دیا اور اُسی منقش کرسی پر بیٹھ گئی جس کے گرتے ہی ایک غلام نے اُسے اپنی جگہ پر سلیقے سے رکھ دیا تھا۔ اس نے نہشتہ کو بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ لیکن نہشتہ نے کنیزوں کی طرف دیکھا اور چپکے کھڑی رہی۔

"تم تنہا نہیں ہو۔" اس نے مختصر کہا۔

"یہ عورتیں نہیں ــــ کنیزیں ہیں۔" آٹوسہ نے ایک دلکش مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

"انہیں نہ بھیجو گی۔"

"کیوں؟"

"تمہیں ضرورت نہیں ــــ لیکن میں انہیں بھیج دونگی۔" اس نے کہا اور کنیزوں سے مخاطب ہو کر بولی "جاؤ ــــ جلدی۔" نہشتہ کے شاہانہ حکم کی تاب کنیزیں نہ لاسکیں اور جلدی سے باہر نکل گئیں۔ دروازے کے پردے پھر سمٹ کر اپنی جگہ پر آگئے۔ وہ محل میں نہشتہ کے اثر و اقتدار سے واقف تھیں اس لئے وہ اپنی مالکہ کے سامنے بھی اس کے احکام سے سرتابی کی جرأت نہ کرسکتی تھیں۔

"کیسی عجیب عادت ہے تمہاری بھی!" آٹوسہ نے دھیمی آواز میں کہا۔ اُسے سخت غصہ چڑھ گیا تھا لیکن اس کے باوجود اس کا چہرہ اسی طرح متین اور مطمئن تھا۔ اس نے صرف اپنی گردن میں بندھی ہوئی زنجیر کو ہاتھوں سے مروڑا اور پاؤں کو ایک دو دفعہ زمین پر تھپکا۔

"میں یہاں تمہارے غلاموں کے متعلق تم سے اُلجھنے کے لئے نہیں آئی ہوں۔ وہ سب اسکے بغیر بھی میرے احکام ماننے پر مجبور کئے جاسکتے ہیں۔ میں ایک گھنٹہ قبل زرتشت سے ملی تھی۔"

"یقیناً اس کا بندوبست تم نے پہلے ہی کر لیا ہوگا" آٹوسہ نے حقارت آمیز انداز میں کہا لیکن اس کی شفاف نیلی آنکھیں ایک عجیب و غریب دل کی انتہائی گہرائیوں کو ٹٹول لینے والی آنکھوں کے ساتھ نہشتہ کے سراپا پر گڑ گئیں۔

"خاموشی سے میری بات سنو!" نہشتہ نے غضبناک آواز میں کہا اور اس کا ہاتھ خاموشی سے کھسک کر کمر میں لٹکتے ہوئے خنجر کے قبضے پر پہنچ گیا۔

آٹوسہ مکار ہونے کے باوجود ایک بہادر عورت تھی، اسے معلوم ہو گیا تھا کہ وہ اب نہشتہ کے قبضے میں ہے اس نے اس کے خوبصورت چھوٹے سے ہاتھ کو خنجر پر لپٹتے ہوئے دیکھ لیا تھا اور اسکی آنکھوں میں غیظ و غضب کے وہ شعلے آٹوسہ کو صاف نظر آ رہے تھے۔ یہ سب تاثرات اس کے چہرے پر نمایاں طور پر نظر آ رہے تھے۔ آٹوسہ دفعتہً متین ہو گئی اور خاموش ہو گئی۔

"سچ بولو" نہشتہ نے جلدی سے کہا "آج سے تین سال قبل زرنشت تم سے محبت کا دم بھرتا تھا۔ اور کیا محبت تھی جسکی وجہ تم اس دن اس سے بغاوت پر تیار ہو گئی تھیں جس دن وہ البانیا سے واپس آیا تھا۔

لیکن وہ اس عورت کی صحیح فطرت سے ناآشنا محض تھی۔ آٹوسہ نے اس قلیل وقفے میں اپنے بچاؤ کی تدبیر سوچ لی تھی۔ اگر آٹوسہ کی جگہ کوئی اور کمزور فطرت کی عورت ہوتی تو وہ یقیناً جھوٹ بول دیتی لیکن آٹوسہ فوراً تاڑ گئی کہ اپنی رقیبہ سے بدلہ لینے کا یہ زریں موقعہ ہے اور اس نے وہ تدبیر بھی سوچ لی جس سے وہ نہشتہ کے حملے کا تدارک کر سکے۔

"میں اس سے محبت کرتی تھی" اس نے دھیمی آواز میں کہا "میں اب بھی اس سے محبت کرتی ہوں۔ مجھے تم سے اتنی ہی نفرت ہے جتنی اس سے محبت کرتی ہوں۔ سمجھ گئیں تم؟"

"بولو — آگے کہو" نہشتہ نے غصے سے لرزتی ہوئی آواز میں پکار کر کہا۔

"مجھے اس سے محبت تھی اور مجھے تم سے نفرت تھی۔ میں اب بھی تم سے نفرت کرتی ہوں" ملکہ نے

متانت سے کہا "وہ خط جو میں نے تمہیں دکھایا تھا تمہاری طرف لکھا گیا تھا لیکن ــــ وہ مجھ تک پہنچ گیا۔ نہیں! ناراض نہ ہو اس بات کو مدت گذر چکی ہے۔ اگر تم چاہو تو مجھے قتل کر سکتی ہو ــ میں تمہارے قبضے میں ہوں اور تم میری بیسیوں کنیزوں کی طرح بندِ لیوں ہو۔ مجھے تم سے کوئی خوف نہیں۔ شاید تم اس المیہ کا اختتام بھی سننا چاہو۔"

نہشتہ قریب آکر خوبصورت عورت کے قریب کھڑی ہو گئی۔ اس کے ہاتھ اس کے سینے پر بندھے تھے۔ آٹوسہ نہشتہ کے بڑھنے پر بھی ایک لمحے کے لئے نہ ہلی بلکہ اسکی آنکھیں نہشتہ کی آنکھوں میں گڑی رہیں۔ نہشتہ کے بازو اس کے سینے پر بندھے تھے اور اس کا خنجر پیٹ سے نیچے کھلے میان میں لٹک رہا تھا۔

آٹوسہ کا سفید بازو بجلی کی طرح لپکا اور اسکی حسین انگلیاں خنجر کے دستے پر گڑ گئیں۔ نیلی مائل فولاد گرما کی شام میں دفعتہً کوند جانے والی بجلی کی طرح چمک کر میان سے باہر نکل آیا۔

نہشتہ نے جب تیز زہریلا خنجر اپنے دشمن کے ہاتھ میں دیکھا تو چونک کر ایک قدم پیچھے ہٹ گئی لیکن آٹوسہ نے فتح کا ایک گہرا دھیما قہقہہ لگایا۔

"تمہیں اب سننا ہوگا کہ اسکے بعد کیا ہوا" اس نے خنجر کو مضبوطی سے اپنے ہاتھ میں پکڑتے ہوئے "تم یہ خوفناک انجام سننے سے بچ سکو گی اور اب تم مجھے اپنے اس زہریلے خنجر سے قتل نہ کر سکو گی۔ اس نے خنجر کے کراہت انگیز جھکاؤ کو دیکھتے ہوئے ایک اور قہقہہ لگایا" میں زرتشت سے باتیں کر رہی تھی کہ میں نے تمہیں سیڑھیوں پر آتے دیکھا اور پھر ــ کس قدر پُر لطف تھا وہ منظر! میں نے بلند آواز سے کہا کہ وہ پھر مجھے یوں تنہا چھوڑ کر نہ جا جائے اور میں نے اپنے بازو اسکی گردن میں حمایل کر دیئے ــ اسکی وہ شاندار گردن جس پر تم دیوانہ وار فدا تھیں ــ اور میں نے اپنا جسم ڈھیلا چھوڑ دیا اتنا ڈھیلا کہ وہ مجھے پکڑنے پر مجبور ہو گیا۔ اور تم نے یہ سب کچھ دیکھ لیا کیسا لذت آفریں منظر تھا یہ! وہ میری زندگی کا مسرت ترین لمحہ تھا جب میں نے تمہیں درد و کرب کی ایک دلآویز چیخ کے ساتھ

واپس ہوتے ہوئے دیکھا میں نے یہ سب کچھ تمہیں روحانی اذیت میں مبتلا کرنے کے لئے کیا تھا ــــ
میں نے تمہیں تکلیف پہنچانے کے لئے اپنی حاکمانہ حیثیت کو بھی اس کے سامنے ذلیل کر دیا
تھا ــــ میں اُس سے محبت کرتی تھی۔ مجھے اس سے بھی انکار نہیں ــــ اور وہ، وہ ــــ
تمہارا سچا عاشق، جسے چھوڑ کر تم نے اِس سیاہ فام بادشاہ کو پسند کیا تھا۔ اس نے مجھے
جھٹکا دیکر ایک طرف پھینک دیا، میں رو رہی تھی اُس نے میرے آنسوؤں پر بھی رحم نہیں کیا
اور مجھے میرے کمرے میں دھکیل کر چلا گیا ــــ اُس نے مجھے بتا دیا تھا کہ وہ مجھ سے محبت
نہیں کرتا اور نہ ہی میری محبت کی کچھ قدر کرتا ہے کتنی تکلیف دہ تھی یہ بات، میں شرم سے
پانی پانی ہو گئی ــــ میں جس کا سر آج تک کسی مرد یا عورت کے سامنے ندامت سے نہیں
جھکا تھا نادم ہو گئی۔ لیکن تمہارے کرب کی لذت میری ندامت کی تلخی سے کہیں زیادہ تھی۔
اُسے معلوم نہیں تھا کہ تم بھی وہاں موجود ہو۔ اُس نے جاتی دفعہ تمہاری بے وفائی پر آخری مرتبہ
اُس جلوس پر لعنت بھیجی تھی اور خود چلا گیا تھا ــــ لیکن اس نے اُن دو توانا نیزہ برداروں کو
ادھ موا کر دیا تھا جنہوں نے اُسے پکڑنے کی کوشش کی تھی۔ کتنا دراز قد، کتنا گورا چٹا، کتنا
نازک اور کتنا مضبوط شخص تھا وہ اُسے کبھی بھی یہ معلوم نہ ہو سکا کہ تم نے اُس سے کیوں بیوفائی
کی تھی ــــ وہ یہی سمجھتا رہا کہ محض شاہانہ مزاج لبادہ اوڑھنے اور ایک تولہ سونا اپنے بالوں میں
لگانے کے لئے تم نے محبت جیسے فقید المثال جذبہ کو قربان کر دیا ہے۔ اُسے سخت رنج
ہو گا ــــ تمہیں بھی رنج ہوا تھا ــــ کتنا پُر لطف کرب تھا یہ! میں کئی دفعہ انہی مسرور کن
واقعات کو سوچتے سوچتے سو گئی ہوں۔ اپنے لگائے ہوئے زخم کے کبھی نہ مٹنے والے درد سے
بے تاب ہوتے ہوئے تمہیں دیکھنا میری مسرت کی منتہیٰ ہے۔ یہ تیر تمہاری عمر کے آخری لمحے تک
تمہارے سینے میں کھٹکتا رہے گا۔ تم اسے نکالنے میں کبھی کامیاب نہ ہو سکو گی ــــ تم اب

بادشاہ کی منکوحہ ہو اور زرتشت تمہاری محبت کے ہاتھوں برباد ہو کر پجاری بننے پر مجبور ہو گیا ہے۔ میں سمجھتی ہوں کہ اگر اس وقت خود شاہِ معظم تمہیں دیکھ پائیں تو انکی ساری محبت پسینہ بن کر بہہ جائے ـــــ تم تھی زرد کیوں پڑ گئی ہو۔ میں کسی مجوسی طبیب کو بلوا بھیجوں ـــــ ایسا نہ ہو کہ تم یہیں دم توڑ دو۔ تمہاری موت کا مجھے سخت افسوس ہو گا کیونکہ مرنے کے بعد تمہارے سب دکھ درد مٹ جائیں گے۔ میں تمہیں دکھ دینے کی مسرت سے ہاتھ نہیں اٹھا سکتی ـــ تم تصور ہی نہیں کر سکتیں کہ تمہارا رنج و کرب میرے لئے کس قدر مسرت افزا ثابت ہوتا ہے۔ اُف! کس قدر نفرت ہے مجھے تم سے"۔

آٹوسہ دفعتہً کھڑی ہو گئی۔ اسکی آنکھوں سے چنگاریاں جھڑتی ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔ نہشتہ اس سفاکانہ ظلم کے بیان ہی سے اس قدر خائف ہو گئی تھی کہ اُسے کھڑا ہونے کیلئے چوکھٹ کے دروازے پر لٹکے ہوئے پردے کو تھامنا پڑا۔ اس کا دوسرا ہاتھ اس کے سینے کے ساتھ بھنچا ہوا تھا گویا وہ غیر انسانی کرب کی اُٹھتی ہوئی موجوں کو روکنا چاہتی ہے جو آٹوسہ کی زبان سے ایک طوفان کی طرح پھٹ پڑا تھا اور جس میں اسکی زندگی کی ساری مسرتیں، ساری راحتیں حقیر تنکوں کی طرح کسی اندھے گہرے غار میں بہی چلی جاتی ہوں۔ اس کا چہرہ نعش سے بھی زیادہ زرد پڑ گیا تھا اور اس کے بے ترتیب بال اس کے دہشت زدہ چہرے پر اس طرح گر پڑے تھے جس طرح کسی گنہگار کی نعش سے ناگ لپٹ گئے ہوں۔

"اور بتاؤں کچھ؟" آٹوسہ نے پھر آغاز کیا "تم کوئی سچی بات اور بھی سُننا پسند کرو گی؟ میں تمہیں بتا سکتی ہوں کہ کس طرح بادشاہ ـــــ"

لیکن نہشتہ نے اپنے دونوں بازو ہوا میں بلند کئے اور پھر ایک اضطراری حرکت کیساتھ انہیں اپنی تڑپتی ہوئی پسلیوں میں ٹھونس لیا اور ایک دھیمی لیکن روح شکن چیخ کے ساتھ وہ

دروازے سے باہر نکل گئی۔ دروازے پر لٹکے ہوئے پردے اس کے جسم کے بوجھ سے علیحدہ ہو گئے اور پھر تڑپ کر اپنی جگہ پر آ گئے۔

"وہ یہ سب کچھ بادشاہ سے کہہ دے گی"۔ آٹوسہ نے بلند آواز سے کہا۔ "مجھے پروا نہیں ـــ لیکن یہ خنجر میرے قبضے میں رہے گا"۔ اس نے تیز اوزار کو میز پر سنگھار کے دوسرے سامان کے درمیان رکھتے ہوئے کہا۔

لیکن نہشتہ دیوانوں کی طرح بھاگتی ہوئی ستونوں اور برآمدوں میں سے گذر گئی اور آخر ملکہ کے محل کے دروازے پر پہنچ گئی جہاں اسکی کنیزیں اس کیلئے محوِ انتظار تھیں۔ یہاں پہنچ کر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ آپے میں آنے کی کوشش کر رہی ہے اس نے اپنی چال ہلکی کر دی اور اپنے کمرے میں چلی گئی لیکن اسکی باندیوں نے اس کا زرد چہرہ دیکھ لیا تھا اور آپس میں کانا پھوسی کرنے لگی تھیں۔

اس کے درد و کرب کو الفاظ میں بیان کرنا ناممکن ہے۔ ایک لمحے کے اندر اندر اس کے تمام شبہات اور تمام خطرات مٹ گئے تھے اور زرتشت کی پیاری محبت کی پیاری یاد پر سے بے وفائی کے سارے دھبے دھل گئے تھے۔ لیکن اپنی زود عملی پر متاسف ہونا اب تحصیل حاصل تھا۔ وہ دارا کے حرم میں داخل ہو چکی تھی اور زرتشت اس طویل مدت میں اتنا بدل چکا تھا کہ اگر اسے محل میں اسکی موجودگی کا علم نہ ہوتا تو وہ خود اسے نہ پہچان سکتی۔ وہ معمر دانیال سے زیادہ مشابہ تھا اور تین سال پہلے کے حسین اور وجیہہ سپاہی کا عکس بھی اس میں موجود نہ تھا جب اسے وہ بات یاد آئی جو زرتشت نے اسے باغ میں کہی تھی تو اسے سخت حیرت ہوئی۔ وہ نہیں سمجھ سکتی تھی کہ کس قوت نے نہشتہ کو اس ایسے انسان پر شک کرنے پر مجبور کر دیا۔ آہ! اس کی یاد کتنی تکلیف دہ لیکن کتنی میٹھی تھی۔ اس کرب میں کتنا لطف کس قدر سرور تھا۔

وہ اپنے ریشمیں تکیوں پر لیٹ گئی اور اسکی آنکھوں نے اس کیلئے گرم گرم آنسوؤں کی بارش کر دی جس سے وہ آج سے تین سال پہلے محبت کرتی تھی۔ وہ روتی رہی اُس کیلئے بھی اور اپنے لئے بھی ـــ زیادہ تر اسکے آنسو اُس تکلیف کے لئے بہہ رہے تھے جو اس نے زرتشت کو پہنچائی تھی ـــ وہ تکلیف جس نے اس کے خوبصورت سنہرے بالوں کو برف کی طرح سپید کر دیا تھا۔ اس نے آنسو بہائے وہ آنسو جن کے متعلق اُسے پورا یقین تھا کہ زرتشت نے صحرا کی بیکراں خاموشیوں میں اس کے لئے بہائے ہونگے۔ اس نے اپنا چہرہ تکیے کی نرمیوں میں گھونپ دیا اور بلند آواز سسکیوں سے روتی رہی، وہ اتنا روئی اتنا روئی کہ وہ سیاہ فام باندی جو خواب گاہ کی دھندلی فضا میں کھڑی ہاتھ میں پام کا لمبا سا پتہ لئے مالکہ کو ہوا کر رہی تھی ـــ دُور افتادہ صحرا کی وہ بدنصیب بے یار و مددگار بیٹی جس کو اس کی مالکہ انسان سمجھنے میں بھی تکلف برتتی تھی ملکۂ عالیہ کے اس بے پناہ رنج پر ہمدردی سے موم کی طرح پگھل گئی اور اپنا ایک ہاتھ اُٹھا کر اپنی سُرخ آنکھوں سے لڑھکتے ہوئے آنسو کا ایک چھوٹا سا قطرہ پونچھنے لگی۔

نہشتہ کا دل ٹوٹ گیا تھا اور اُس دن سے کسی نے اس کے ہونٹوں پر مُسکراہٹ نہ دیکھی۔ ایک گھنٹے کے قلیل عرصے میں دنیا کے تمام ممکن مصائب اسکے کمزور سر پر ٹوٹ پڑے تھے۔ اِن مصائب نے اس کی گردن جھکا کر اسکی ناک زمین پر رگڑ دی تھی، اس کی ساری زندگی کا نور کچل دیا تھا۔ وہ موت کی اتنی آرزومند ہو گئی کہ آج تک کسی چیز کی نہ ہوئی تھی۔ اُسے شاید رنج سے تڑپتے ہوئے اس دل کو کچل کر ہمیشہ کے لئے زمین کی انتہائی گہرائیوں میں دفن کر دینے میں بھی تکلیف نہ ہوتی ـــ لیکن ایک خیال اُسے بار بار روک دیتا تھا۔ اُسے اب انتقام لینے کی بھی مطلقاً خواہش نہ تھی۔ اُس سرد مہر سفاک ملکہ کی زندگی

کی قیمت ہی کیا تھی؟ اُسے معلوم تھا ــــ نہیں اُسے یقین تھا کہ مرنے سے پہلے ایک دفعہ وہ ضرور زرتشت سے ملے گی اُسے بتائے گی کہ اُسے حقیقت حال کی اطلاع مل گئی ہے ــــ وہ اُسے بتادے گی کہ وہ جانتی ہے کہ اس نے اُسے دھوکا نہیں دیا اور اُس تکلیف کی معافی چاہتی ہے جو اس کی وجہ سے اُسے ہوئی۔ وہ اپنا سر صرف ایک دفعہ اسکے سینے پر رکھکر آنسوؤں کی زبان سے اپنے دلی رنج کا اظہار کرنے کی اجازت لیکر رہے گی، اور پھر ــــ محل سے کچھ ہی دور اراکسس کی سرد، پُرسکون ندی گلاب کے باغ میں سے بل کھاتی ہوئی بہتی ہے۔ طلسمی چاند کی نورانی آنکھوں کے سامنے رحمدل پانی اُسے ضرور اپنے آغوش میں سمیٹ لے گا اور وہ پیارا بلبل جس سے وہ اتنی محبت کرتی تھی اپنی مترنم آواز میں اُسے ایک رُوح نواز الوداع سُنائے گا ــــ آخری الوداعی گیت سُنائے گا اور اس اثنا میں ٹھنڈی لہریں اس کے تھکے ہوئے دِل اور درد کی شدت سے پھٹتے ہوئے دماغ پر اپنا جادو اثر مرہم رکھدیں گی۔

(۱۷)

دوسرے دن شام کی ٹھنڈی ہواؤں میں نہشتہ پھر باغ میں چہل قدمی کیلئے نکلی لیکن زرتشت وہاں نہ آیا تھا۔ اسکے بعد کئی دنوں تک نہشتہ اس وقت اور دن میں کئی دفعہ آئی لیکن وہ اُسے نہ ملا۔ یہ درست ہے کہ اس نے کئی دفعہ اُسے اور لوگوں کے ساتھ دیکھا تھا لیکن اس کے ساتھ گفتگو کرنے کا موقع نہ مل سکا۔ آخر اس نے اُسے بلانے کا ارادہ کر لیا۔

وہ صرف دو باندیوں کے ساتھ باہر نکلی۔ ایک پنکھا برادار تھی اور دوسری اپنے مضبوط بازو پر چھوٹا سا غالیچہ اور ایک گدہ اُٹھائے ہوئے تھی۔ یہ دونوں عورتیں اسیریا کے صحرا کی رہنے والی تھیں وہ یہودی زبان سمجھتی تھیں لیکن وہ اعلیٰ اور شستہ فارسی جو وہ زرتشت کے ساتھ گفتگو کرتے وقت استعمال کرنے کو تھی انکے فہم سے بہت بلند تھی۔ آخر وہ ایک پُرسکون جگہ پر پہنچ گئی۔ یہاں روش دفعتہً آکر ختم ہو جاتی تھی جو محل سے بہت دُور واقع تھا۔ یہاں اس نے اپنا غالیچہ بچھوا دیا اور اُس پر بیٹھ گئی۔ پنکھا بردار نے پام کا پتہ گرمائی گرم اور خشک ہوا میں کچھ خنکی پیدا کرنے کیلئے اور پھنکوں کے اُس ہجوم کو ہٹانے کے لئے ہلانا شروع کیا جو اس باغ میں بے انتہا پائے جاتے تھے۔ نہشتہ ایک کہنی کے سہارے لیٹ گئی اور اس کے قدم سیاہ رنگ غالیچے پر سمٹے رہے وہ چند لمحوں کے لئے خاموش لیٹی رہی گویا کسی گہری سوچ میں مبتلا ہو۔ آخر الامر اس نے ارادہ کر لیا

اور اُس کنیز کو اپنے قریب بُلایا جو اس کا غالیچہ لائی تھی۔ وہ کچھ فاصلے پر بے حس و حرکت کھڑی تھی۔ اس کے ہاتھ اس کے سینے پر بندھے تھے۔

"تم جاؤ" ملکہ نے فرمایا۔ "اور بڑے پجاری زرتشت کو ہمارے پاس بُلا لاؤ۔"

سیاہ فام عورت پلٹی اور ہرنی کی طرح چوکڑیاں بھرتی ہوئی رس بھری کی جھاڑیوں کی اوٹ میں آکر نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

ہلتے ہوئے پتے کی ہوا نہشتہ کے زرد چہرے پر کھیل رہی تھی اور اس کے لمبے لمبے بالوں کو جو تاج میں سے نکل کر اسکے کندھوں پر لہرا رہے تھے زیر و زبر کیے دیتی تھی۔ وہ پُشت کے بل لیٹ گئی۔ اس کی آنکھیں نیم وا تھیں اور اس کے ہونٹ پریشانی کے عالم میں کھلے کے کھلے رہ گئے تھے۔ تقریباً ایک گھنٹے کا عرصہ گذر گیا۔ سورج مغرب کے کناروں تک پہنچ گیا لیکن نہشتہ نے ابھی تک کروٹ نہ بدلی تھی۔

کافی دیر کے بعد پاؤں کی چاپ سُنائی دی — کنیز کے تیز نرم قدموں کی چاپ جو پاؤں سے ننگی اور تیز رفتار تھی اور اس کے بعد کسی مرد کے بھاری قدموں کی چاپ جو چمڑے کے جوتوں میں ملفوف تھے۔ کنیز پھولوں کے تختے میں آنے والے دروازے پر رُک گئی اور اس سے کچھ ہی دیر بعد زرتشت آیا۔ وہ نہشتہ سے چند قدموں کے فاصلے پر ٹھہر کر آداب میں جھک کر دُہرا ہو گیا۔

"زرتشت! میں نے تمہیں آنے کی تکلیف دی، معافی چاہتی ہوں۔" ملکہ نے ہلکی آواز میں کہا "لیکن یہ کہتے وقت شرم کی ہلکی سی سُرخی اسکے چہرے پر چھا گئی اور اس طرح وہ خوفناک زردی قدرے کم ہو گئی "معافی چاہتی ہوں — میں تم سے کچھ کہنا چاہتی ہوں جو تمہیں سُننا ہی ہو گا۔"

وہ کہتی رہی اور زرتشت خاموشی سے اسکے سامنے کھڑا رہا۔ اسکی چمکدار آنکھیں اس کے سراپا پر مبہم کر رہ گئی تھیں۔

"زرتشت تین سال گذرے میں نے تمہیں انتہائی کرب میں مبتلا کر دیا تھا" ملکہ نے اسکی طرف دیکھتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا "میں تمہاری منت کرتی ہوں، مجھے معاف کر دو ــــ میں نہیں جانتی تھی کہ میں کیا کر رہی ہوں"

"مدت ہوئی کہ میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے" بڑے پجاری نے جواب دیا۔

"میں نے تمہیں سخت نقصان پہنچایا تھا ــــ لیکن جو نقصان میری وجہ سے خود میری ذات کو پہنچا وہ اس سے کہیں زیادہ تھا۔ مجھے اس وقت تک کچھ بھی معلوم نہ تھا جب تک کہ میں نے اس سے نہ پوچھا ــــ اس سے" آٹوسہ کے خیال سے یہودن کی آنکھیں انگارو نکی طرح سرخ پڑ گئیں اور اس نے اپنے ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ کی انگلیاں مروڑ دیں۔ لیکن اس کے فوراً ہی بعد اسکی آنکھو نمیں وہی اداسی اور ویسی ہی پریشانی کے اثرات نظر آنے لگے۔

"بس یہی کہنا تھا ــــ اگر تم مجھے معاف کر دو" اس نے یہ کہکر اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ اسے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس سے زیادہ اور کچھ نہ کہہ سکے گی۔ اب زرتشت کو اس سے محبت نہ تھی ــــ وہ محبت جیسے جذبے سے بہت بلند ہو چکا تھا۔

"یزدانِ پاک کی قسم میں نے تمہیں معاف کر دیا عقل کل کی برکتیں تم پر نازل ہوں" زرتشت قدرے جھکا گویا وہ اس سے جدا ہونے کو ہے۔

لیکن جب اس نے اسکے پہلے قدم کی چاپ سنی تو وہ سیدھی بیٹھ گئی اور اسکی طرف دیکھنے لگی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اسکی زندگی کا تنہا سہارا اس سے جدا ہونے کو ہے۔

"کبھی وہ زمانہ بھی تھا جب تم مجھ سے محبت کرتے تھے" وہ یکدم خاموش ہو گئی۔ التجا سے زرد چہرے پر مہ تبسم ہو کر رہ گئی تھی۔ یہ اس کی کمزوری تھی لیکن! اُف ظالم تقدیر! مسلسل رنج نے اس میں چھوڑا ہی کیا تھا؟ زرتشت رُک گیا اور اسکی طرف بڑے اطمینان اور بڑے ہی ہمدردانہ

طرح تعجب سے دیکھنے لگا۔

"ہاں ــــ وہ دن کبھی تھے ــــ لیکن اب نہیں ہیں۔ اس دنیا میں اب میرے لئے محبت نہیں ہے۔ وہ محبت جو تم نے مجھے سکھائی۔ میں اس کے لئے تمہارا شکر گذار ہوں۔"

"مجھے تم سے کتنی سچی محبت تھی!" نہشتہ نے کہا۔ "میں اب بھی تمہارے لئے بے چین ہوں۔" نہشتہ نے یکایک سینہ ابھار کر ایک وحشیانہ نظر سے اسکی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اف! میں اب بھی تمہیں چاہتی ہوں۔ تم سے پیار کرتی ہوں۔" وہ بولی۔ "میں سمجھتی تھی کہ میں نے تمہیں اپنے دل سے نکال کر دور پھینک دیا ہے۔ بھول گئی ہوں تمہیں، تمہاری یاد کو پاؤں تلے روند دیا ہے۔ میں تم سے اتنی نفرت کرنے لگی تھی کہ تمہارا نام سننا بھی گوارا نہیں کرتی تھی۔ ہائے! یہ سب میں نے کیوں کیا ــــ بدقسمت عورت! میں اب محبت کرتی ہوں۔ تم پر مرتی ہوں ــــ تمہارے نام پر مرتی ہوں زرتشت! لیکن آہ! وقت اس حسین ماضی کو نگلتا ہوا گذر گیا جس میں میری محبت تھی اور اب تم تم نہیں ہو ــــ میں میں نہیں ہوں۔" وہ اپنے گھٹنوں پر گر پڑی اور اپنے ہاتھوں سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا اور اس کا سینہ بے پناہ جذبات سے پھٹنے لگا۔

زرتشت ساکت و جامد کھڑا رہا اور قلبی رنج کی ایک گہری لہر اسکے خوبصورت آسمانی چہرے پر مسلط ہو گئی۔ افسوس کی انگلیاں اس کے رباب قلب کے تاروں میں تھرتھری پیدا کرنے میں ناکام رہی تھیں، گذشتہ محبت کی یاد اسکے دل کو بیدار کر کے آج سے تیس سال قبل کے دھڑکتے ہوئے دل میں نہ بدل سکی کیونکہ یہ دل روحانی سکوت کے عالم میں محو خواب تھا۔ لیکن اطمینان اور افسوس کے عالم میں اس طرح خاموش کھڑا رہا جس طرح کوئی آسمانی فرشتہ دنیا کے رنج و کرب کو دیکھ رہا ہو ــــ جس کا ذہن انسانوں کا رنج دیکھ دیکھ کر افسوس سے لبریز ہو گیا ہو لیکن جسکی روح میں اب بھی آسمان کا اطمینان موجود ہے جس سے وہ آیا تھا اور جہاں اسے جانا تھا۔

"نہشتہ" اس نے بالآخر کہا "گذری ہوئی باتوں پر اس طرح آنسو بہانا تمہاری شان کے شایاں نہیں ہے صبر کرو۔ زندگی کے لمحات مختصر ہوا کرتے ہیں اور تم دنیا کی بڑی شخصیتوں میں سے ایک ہو۔ یہ ضروری ہے کہ دنیا کے ہر شخص کو کوئی نہ کوئی دکھ ملے اور باوجودیکہ اب تم رنج میں مبتلا ہو یہ مت بھولو کہ تم ملکہ ہو اور تمہیں وہی کرنا چاہیئے جو ملکہ کی شان کے شایاں ہو اپنی شخصیت کی باگیں مضبوطی سے اپنے ہاتھوں میں تھامو اور اسے اپنی مرضی کے مطابق عمل کرنے پر مجبور کرو۔ انجام دور نہیں ہے اور تمہیں بہت جلد قرار آجائیگا"۔

نہشتہ نے یکایک سر اٹھا کر اوپر دیکھا اور زرتشت کی باتیں سن کر متین ہو گئی۔ اس کی بھاری بھاری آنکھیں زرتشت کی مطمئن شفاف آنکھوں میں گڑ گئیں۔ اس نے ایک ٹھنڈی آہ بھری ـــ یہ آہ بھی گذشتہ سسکیوں کے اثر سے ٹوٹی ہوئی سی تھی۔

"تم پجاری ہو اور خدا کے فرستادہ نبی ہو" اس نے کہا "تم ان آسمانوں پر کندہ ہر غیر مرئی حرف کو اس آسانی سے پڑھ سکتے ہو گویا یہ کوئی کتاب ہے۔ مجھے بتاؤ زرتشت کیا انجام واقعی قریب ہے۔ کیا ہم واقعی ستاروں کے اس پار ایک دفعہ پھر ملیں گے۔ تم کہا کرتے تھے ـــ بہت عرصہ ہوا"۔

"انجام دور نہیں ہے" اس نے جواب دیا اور ایک مسرت بیز مسکراہٹ نے اس کے زرد چہرے پر نور پھر ملک دیا "ہمت نہ ہارو کیونکہ یقیناً انجام دور نہیں ہے"۔

وہ ایک لمحے کے لئے اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس کی طرف دیکھتا رہا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ نڈر نظر اپنے ساتھ ایک نئی زندگی لیکر نہشتہ کے قلب و جگر میں اتر گئی ہے کیونکہ جب زرتشت واپس چلا گیا تو روحانی اطمینان کی ایک خوشگوار لہر ملکہ کے چہرے پر چھا گئی۔ وہ پشت کے بل آنکھیں بند کر کے گدے پر لیٹ گئی اور پنکھے کی ہوا اس کے مرجھائے

ہوئے گالوں اور لمبے لمبے بھاری بھاری بالوں میں اپنا اثر کرنے لگی۔
زرتشت محل میں آکر بہت متفکر نظر آتا تھا۔ زرتشت کے ذمے ہزاروں فرائض تھے۔ شام کی قربانی کی رسم ادا کرنے کے علاوہ وہ دارا کا مشیر خاص بھی تھا اور دارا اُسے سلطنت کے امور میں دن میں کئی مرتبہ مشورے کے لئے طلب کیا کرتا۔ اور ہر دفعہ زرتشت کی تیز پیش بینی اور انسانی فطرت کا کامل علم اُن قوانین کے وضع کرنے میں ہمیشہ سرگرم عمل رہتا جو بادشاہ اپنی وسیع و عریض مملکت کی بہتری کے لئے بنایا کرتا تھا۔ سب سے پہلے مذہب کا سوال ایک ایسا سوال تھا جو بادشاہ کی نظروں میں سب سے زیادہ اہمیت رکھتا تھا اس معاملے میں زرتشت نے اپنی حیرت انگیز قوتِ تنظیم کا اظہار کیا اور اپنے رفیع الشان اور حقیقی عقائد اور خیالات کی تبلیغ کی۔ وہ خود وحدت پرست صوفی تھا لیکن وہ جانتا تھا کہ اگر عوام کو ان عقائد سے روشناس کرایا گیا، صوفیا کے گروہ کی داغ بیل ڈالی گئی تو کم عقل لوگ سچائی کے راستے پر چلنے کی بجائے گمراہ ہو جائیں گے۔ انسانیت کا منتہائے مقصود انسانوں کی خدمت اور خلقِ خدا سے ہمدردی ہونا چاہیئے اور پجاریوں کا وہ گروہ جو صوفیانہ عقائد کے مطابق گوشہ نشینی کی زندگی بسر کریگا قدرتی طور پر انسانیت سے دور ہٹتا چلا جائیگا۔ اس لئے دنیا کو ــــ اور بالخصوص اُس دنیا کو جو دارا کی مملکت میں سمٹ آئی تھی ــــ ایک ایسے ہمہ گیر مذہب کی ضرورت تھی جس میں انسانی ہمدردی اور باہمی مدد سب سے پہلا اور ضروری اصول ہو اور جس کے مطابق انسان کی روحانی ترقی کا راز دوسرے انسانوں کی خدمت کے سوا اور کچھ نہ ہو۔
جب زرتشت نے استخر کے محلات سے اپنے مخصوص رنگ میں رنگے ہوئے پجاریوں نے سلطنت کے دوسرے ممالک میں اپنے خیالات کی تبلیغ و اشاعت کیلئے

روانہ کیا تو اس کا نام سلطنت کے اس سرے سے لے کر اس سرے تک گونج اُٹھا۔
اس کے وجوہ دو تھے اوّل تو یہ لوگ عبادت کا ایک سہل طریقہ پیش کرتے تھے
اور زندگی کو ہموار کرنے کے لئے مفید اور قابل عمل قوانین سکھاتے تھے اور دُوسری وجہ
یہ تھی کہ دارا کی بے پناہ تلوار ان تمام قوانین پر عمل کرنے کے لئے ہر ایک کو مجبور
کر رہی تھی۔ بھجنوں کی وہ کثیر تعداد جس میں اکثر و بیشتر خالص مزدیاشینی بھی نہ تھے کم کر دیئے
گئے اور وہی رکھے گئے جو حقیقی معنوں میں زور دار تھے۔ مختلف ذاتوں اور قبیلوں کے
لاتعداد پرستش کے طریقوں کو بھی جن میں سے بعض ہندوستان سے مستعار لئے گئے تھے
اور بعض اصلی پارسی اور آریائی صوبہ سودیانہ سے نسلاً بعد نسلٍ چلے آئے تھے، ایک
ہمہ گیر اصول کے ماتحت لے لیا گیا۔ صاف رہنے کے بے شمار قوانین جمع کر کے ایسے
اصول وضع کئے گئے جو حقیقی معنوں میں صحت کے لئے ضروری اور مفید تھے۔ موت کی
ہزاروں رسوم کو ایک لمبے چوڑے شاہی حکمنامے سے یک قلم منسوخ کر دیا گیا اور
ان کی جگہ یہ حکم دیا گیا کہ مملکت کے ہر بڑے شہر میں "مینارِ خاموشی" کی بنیادیں اُستوار
کی جائیں۔ ان میناروں میں خاص آدمی مقرر کئے گئے جو مُردوں کو رکھ دیتے
تھے اور تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد میناروں کو صاف کرنا بھی انہی کے فرائض میں
شامل تھا۔ بہت سی خانگی اور خارجی جنگوں کی وجہ سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ
مویشی روز بروز کم ہوتے جا رہے ہیں اس لئے مویشیوں کی حفاظت کے لئے خاص
قوانین بنائے گئے کیونکہ اُس زمانے میں کُتّے ہر لحاظ سے انسان کے مفید ترین ساتھی
ثابت ہوتے تھے۔ چراگاہوں میں گلّوں کی حفاظت انہی کے ذریعے سے ہوتی تھی
اور پھر شہر کی گلیوں کو صاف رکھنا اسی جانور کا کام تھا۔ انسانی زندگی کی حفاظت

کے لئے لاتعداد قوانین وضع کئے گئے اور عورتوں کے حقوق کی حفاظت کے لئے خاص
. . . . . اصول مرتب ہوئے۔ یہ سب قوانین وضوابط اتنے معقول
اور ہمہ گیر تھے کہ ایک کاشتکار ملک کی بہتری کے لئے اس سے زیادہ اچھے
قانون بنائے ہی نہیں جا سکتے اور خصوصاً ایسے قوانین جن میں روز بروز بڑھتی ہوئی
مردم شماری اور اس کے ساتھ ساتھ لوگوں کی بڑھتی ہوئی ضروریات کے ہر پہلو پر
پوری پوری توجہ کی گئی ہو۔

جہاں تک مذہبی رسوم کا تعلق تھا ان میں ایسی اعلیٰ اصلاحات کی گئیں کہ وہ
پہلی رسوم کے مقابلے میں مجسم سادگی بن گئیں۔ اور جو بعد میں آنے والی توہم پرست
نسلوں کے ہاتھوں بگڑ جانے کے باوجود اب بھی وہ شاندار روح اپنے اندر رکھتی
ہیں جو مزدیا شینی مذہب کے اس عظیم الشان اور فقید المثال مصلح نے اس میں
پھونک دی تھی۔

دن تیزی سے گذرتے گئے اور ان کے ساتھ ساتھ زرتشت کی قوت اور اس کا
اقتدار بھی بڑھتا گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سارا دربار اس بالغ نظری اور انصاف
کے مجسمے کا منتظر تھا جو فاتح بادشاہ کے پہلو بہ پہلو رہ کر اس کی دن دوگنی اور رات چوگنی
ترقی کرتی ہوئی سلطنت میں امن، عافیت اور انصاف کے پھریرے اڑائے۔
زرتشت نے تمام موجودہ تکلیفات کا تدارک استادانہ مہارت سے کیا۔ ایسا
معلوم ہوتا تھا کہ اس کی گوشہ نشینی نے اس میں کئی آدمیوں کی قوت بھر دی ہے
اور اس کی دانشمندانہ حکومت کے اثرات ملک کے ہر صوبے میں نمایاں طور پر نظر
آنے لگے۔ اس کے خیالات اس کے ماتحت پجاریوں کی زبان سے نکل کر ملک کے

اِس کونے سے لے کر اُس کونے تک آگ کی طرح پھیل گئے۔ اس میں وہ نایاب اور عجیب و غریب قوت پیدا ہو گئی تھی جس کی مدد سے آدمی اپنے ماتحت کام کرنیوالوں کو اپنے رنگ میں رنگ لیتا ہے۔ اگر اس کی مخالفت کی جاتی یا اس کی خواہشات کی تکمیل میں روڑے اٹکانے کی کوشش کی جاتی تو وہ دُنیا کا تختہ اُلٹ دیتا لیکن اس کا ہر قانون اور اس کی زبان سے نکلے ہوئے ہر حرف کی مدد بادشاہ کی تلوار کرتی تھی، اس کے وضع کردہ اصول و قواعد کو مُلک میں جاری و ساری کرنے کے لئے بادشاہ کی طرف سے ایسے قوانین کا اجرا ہوتا تھا جن کے خلاف کوئی اپیل قابلِ سماعت نہ تھی۔ چنانچہ چند مہینوں کے اندر اندر اس کا نام ہر اُس جگہ لیا جانے لگا جہاں پارسی حکومت کا اثر و رسوخ تھا۔ لوگ اس کی عزت کرتے تھے اور اس عزت میں خوف کا وہ شائبہ نہ تھا جو شاہ دارا کے نام کا جزو بنا ہوا تھا۔ اور جس کو زبان پر لاتے وقت لوگ جلدی سے کہہ جاتے تھے "عمر و دولت پائندہ باد"

چند مہینوں کے قلیل عرصے میں اصلاحات مکمل ہو گئیں اور نیم عُریاں زاہد اپنے ذہن رسا اور ماحول کی مطابقت کی مدد سے فارس کا سب سے بڑا آدمی بن گیا۔ دُنیا بھر کی شوکت و عظمت اس کے ہمرکاب تھی، وہ سلطنت میں صرف بادشاہ سے دوسرے درجے کا آدمی شمار ہوتا تھا، وہ اپنے شاہدانہ سفید جبے پر شاہانہ زنجیر پہنتا تھا اور کھانے کے وقت بادشاہ کے دائیں ہاتھ بیٹھا کرتا تھا۔ یہ سب کچھ ہوتے ہوتے بھی زرتشت درباریوں میں یکساں طور پر ہر دلعزیز تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اتنے اثر و رسوخ کے باوجود وہ درباریوں کے حقوق میں کسی قسم کا تعرض نہ کرتا تھا۔ وہ چند لوگ جن پر دارا کلی طور پر اعتماد رکھتا تھا

دارالسلطنت میں موجود نہ تھے۔ وہ سات شہزادے جنہوں نے سمردیس کے خلاف سازش کر کے اس کا تختہ پلٹ دیا تھا مختلف صوبوں میں فوجوں کے اعلیٰ کماندار اور قلعوں کے محافظوں کی حیثیت سے ہر اُس قانون کی ترویج میں کوشاں تھے جو بادشاہ زرتشت کی مدد سے وضع کرتا تھا اور جن کو سلطنت کی قسمت بدل دینے کا کام کرنا تھا۔ جب ان میں سے کوئی بادشاہ کے احکام کے مطابق دارالسلطنت میں بُلایا جاتا۔ اور آکر دیکھتا کہ زرتشت کس قسم کا انسان ہے اور اس میں کتنی خوبیاں جمع ہوگئی ہیں تو وہ بھی دُوسرے درباریوں کی طرح زرتشت سے محبت کرنے لگتا اور اس کی عزت کرنے میں سرمو انحراف نہ کرتا۔ اور جب وہ جاتے تو یہی کہتے ہوئے جاتے کہ کسی بادشاہ کو آج تک ایسا زیرک، اور انصاف پسند مشیر نہیں ملا اور نہ ہی کوئی ایسا شخص ملا ہے جس پر ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی چیز کے متعلق اتنا اعتماد کیا جاسکے۔

لیکن بادشاہ کی دونوں بیگمیں اُس کی روز بروز بڑھتی ہوئی قوت کو بالکل مختلف زاویۂ نگاہ سے دیکھ رہی تھیں۔ نہشتہ اُس سے گفتگو تو نہیں کرتی تھی لیکن وہ اُس وقت اُسے اپنی اداس آنکھوں سے دیکھا کرتی جس وقت کوئی اسے نہ دیکھتا اور اُس کی اُس پیشینگوئی کے متعلق سوچا کرتی جس میں اُس نے کہا تھا کہ اس المیہ کا انجام بالکل قریب ہے۔ وہ اپنے محبت کو سلطنت میں سب سے زیادہ طاقتور دیکھ کر اس پر فخر کرنے لگی تھی۔ اُسے ناز تھا کہ زرتشت جس نے کسی زمانے میں اس کے دل کی دُنیا پر حکومت کی تھی آج سلطنت کی عنانِ قسمت کو اپنے دونوں ہاتھوں سے تھامے ہوئے ہے

وہ یہ سوچ سوچ کر پھولے نہ سماتی تھی کہ زرتشت نے اس کے ساتھ بیوفائی نہیں کی اور محض اسی کی وجہ سے وہ لق و دق صحرا میں گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ اور پھر اسی گوشہ نشینی کی بدولت وہ اِس عظیم الشان مرتبہ پر پہنچنے کے قابل ہوا ہے۔ وہ جب اس کی طرف دیکھتی تو اُسے ایسا محسوس ہوتا کہ زرتشت بالکل بدل چکا ہے۔ اس کا جسم وہ حسین متناسب جسم معلوم نہیں ہوتا تھا جس پر اس نے اپنی تمناؤں کی بُنیاد رکھی تھی۔ البتہ جب کبھی وہ بولتا اور اس کی صاف گونجتی ہوئی حاکمانہ آواز اس کے کانوں میں پہنچتی تو اس کا دل دھڑکنے لگتا اور اس کا چہرہ سُرخ ہو جاتا۔ تو وہ بے اختیار چاہنے لگتی کہ یہی آواز ایک دفعہ پھر محبت کے وہ کلمات بکے جنکے ہر حرف میں اس کے لئے نئی بہار آفریں زندگی کی نوید ہوا کرتی تھی۔ باوجودیکہ زرتشت ہزاروں مرتبہ اُس سے ملتا اور بڑے ہمدردانہ طریق پر اس کی آؤ بھگت بھی کیا کرتا لیکن اس کی اُن چمکدار آنکھوں میں تغیّر نام کو بھی نہ ہوتا اور اس کے اُس موم ایسے سفید چہرے پر کسی جذبے کی جھلک نظر نہیں آتی تھی۔ جس طرح اس کے بالوں کا وہ سُنہری نور کسی نامعلوم جگہ کھو گیا تھا۔ اسی طرح اس کی جوانی اس سے ہمیشہ کے لئے چھین لی گئی تھی۔ وہ بوڑھے آدمیوں ایسا بھی نہیں تھا ــــ نہیں وہ آدمی معلوم ہی نہیں ہوتا تھا بلکہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کوئی فرشتہ ہے جو آسمان چہارم سے اُتر آیا ہے، جو خاکی انسانوں کے درمیان رہتا ہے، جو ان سے باتیں کرتا ہے لیکن پھر بھی ان میں سے نہیں ہے۔ اُسے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ کسی زندہ انسان کو

نہیں دیکھتی بلکہ کسی گمشدہ ہستی کی یاد کو دیکھ رہی ہے جو مجسم ہو گئی، کسی ایسے شخص کے سائے کو دیکھ رہی ہے جس کا وجود اب بھی دنیا میں نہیں ہے لیکن وہ اس یاد اور اس سائے سے محبت کرتی رہی اور جوں جوں دن گذرتے گئے اس کا چہرہ زیادہ سے زیادہ زرد اور مضمحل ہوتا گیا۔

وہ لاشعوری طور پر کسی ایسی چیز کو محسوس نہ کر سکتا تھا جو مرئی طور پر اس کے سامنے نہ آئے اور اس کی توجہ کو اپنی طرف منعطف نہ کرے۔ نہشتہ نے بادشاہ کے سامنے کبھی زرتشت کا نام نہیں لیا تھا اور بادشاہ اس کا ذکر اسی وقت کرتا جب وہ کسی ملکی معاملے سے متعلق ہوتا۔ وہ بالکل سرد مہر اور زرتشت سے غیر متعلق معلوم ہوتی تھی یہاں تک کہ گرم جوش بادشاہ نے زرتشت کو رقیب کی حیثیت سے دیکھنا چھوڑ دیا۔ اس کے بال سفید ہو چکے تھے — اس لئے وہ بوڑھا آدمی بن گیا تھا اور محبت وغیرہ کے جھمیلوں سے بہت بلند ہو گیا تھا۔ اگر وہ اس رات کے متعلق کچھ بھی جانتا جب نہشتہ آٹوسہ کے کمرے میں گئی تھی تو شاید وہ غیظ و غضب کی شدت سے دیوانہ ہو جاتا۔ لیکن وہ اس کے متعلق کچھ بھی نہ جانتا تھا۔ وہ زخم جو آٹوسہ نے اس کے دل پر لگایا تھا ایسا کاری تھا کہ اس نے نہشتہ کو بالکل کچل دیا تھا یہاں تک کہ وہ اس ظالم عورت سے انتقام لینا بھی بھول گئی۔ اب انتقام لینے کا فائدہ ہی کیا تھا۔ اگر شادی سے ایک گھنٹہ قبل نہشتہ کو اس دھوکے کا علم ہو جاتا تو آٹوسہ آج سے تین سال قبل مر چکی ہوتی اور نہشتہ ملکہ نہ ہوتی۔ لیکن بادشاہ اس کے متعلق کچھ بھی نہ جانتا تھا۔ وہ اپنے مشیر اعلیٰ کے دانا طرز عمل سے

خوش تھا اور اسی خیال میں مست تھا کہ یزدانِ پاک نے ایسے آڑے وقت میں اُسے ایسا ہمدرد اور زیرک وزیر مرحمت فرمایا ہے۔

اِس اثنا میں آلوشہ کی نفرت غضب کی سُرعت سے بڑھتی رہی۔ اُسے یہ دیکھ دیکھ کر سخت تکلیف ہوتی تھی کہ وہ اب نہشتہ کو کسی قسم کے رنج میں مُبتلا کرنے کے قابل نہیں رہی۔ وہ رُوح جس میں وہ اپنی خاموش مُسکراہٹوں کے دہکتے ہوئے خنجر بھونکا کرتی اتنی شکستہ ہو گئی تھی کہ اس میں رنج و راحت کا احساس باقی نہ رہا تھا اور وہ مرد جس نے اس کی محبت کو ٹھکرا دیا تھا سلطنت میں اتنے اعلیٰ عُہدے پر پہنچ گیا تھا جہاں اس کا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا تھا۔ زرتشت کی ناقابلِ شکست ذہانت و فطانت اور بادشاہ کی عظیم الشان قوتِ عمل کا مقابلہ کرنا اس کی قوتوں سے معلوم ہوتا اور اُسے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ اس کوشش میں اپنی قوتیں بیکار صرف کیے رہی ہے جب وہ زرتشت کی اصلاحات پر فریب کارانہ اعتراضات کرتی تو دارا انتہائی سفاکی سے ہنس دیتا اور جب وہ زرتشت سے ملتی تو زرتشت سرد مہری سے اس کی طرف دیکھتا ہوا خاموشی سے گذر جاتا۔

وہ ایسی تجویز سوچ رہی تھی جس سے وہ زرتشت کی اس روز افزوں قوت کو ایک خوفناک ضرب سے پارہ پارہ کر دے اور وہ چند دنوں کے لئے غیر معمولی طور پر متین ہو گئی۔ اس کی مُسکراہٹیں پہلے سے کہیں زیادہ شیریں اور دلکش نظر آنے لگی تھیں۔ اس نے سوچا کہ اگر بادشاہ کی توجہ اور اس کی قوتوں کو کسی دُور افتادہ صُوبے کی طرف مبذول کرا دیا جائے تو اسخار میں بغاوت کے شعلے بھڑکانا کچھ

مشکل نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ شہر سلطنت کی انتہائی حدود پر واقع تھا اور اُن پہاڑیوں سے دو ایک دِن کی راہ پر تھا جہاں خوفناک جرائم پیشہ قومیں آباد تھیں۔ اب بھی اس کے پاس چند ایسے خادم موجود تھے جن پر اُسے اعتماد تھا کہ وہ اس کے اشارے پر اپنی جان دینے کو تیار ہو جائیں گے۔ اس پر مستزاد شوشان کے اُس دلشکن منظر کے باوجود جس وقت فرورتس کو بادشاہ کے حضور میں پیش کیا گیا تھا، ملکہ کو یقین تھا کہ فرورتس اب بھی اس کے اشارے پر بغاوت کی آگ پھیلا دے گا۔ وہ دِل و جان سے مجوسی عقائد کا قائل تھا اور اُسے موجودہ طرزِ حکومت سے سخت نفرت تھی۔ وہ امیر کبیر بھی تھا اور قوی بھی، اس کے ساتھ ساتھ اس کا مغرور اور متعصب ہونا بھی لازمی تھا۔ چنانچہ اس کو مادیا کا خود مختار حاکم بنا دینے کا لالچ اِس امر پر راغب کر سکتا تھا کہ وہ پارسی سلطنت کو پارہ پارہ کر دینے میں مدد دے۔ مُدّت ہوئی کہ یہ سب باتیں ملکہ اور فرورتس میں طے پا چکی تھیں۔

آٹوسہ نے پورے دو مہینے تک اپنی اِس تجویز پر غور کیا اور آخر اس نے اِس پر عمل کرنے کا تہیہ کر لیا۔ بادشاہ کی زود فہمی کے باوجود آٹوسہ کو دارا اور زرتشت کی حماقت پر ہنسی آتی تھی کہ اِن دونوں نے اپنی عظیم الشان ذہانت کے باوجود کس طرح اُس ایسی خطرناک عورت کو آزادانہ ہر کام کرنے کی اجازت دے رکھی ہے۔ اِسی آزادی سے فائدہ اُٹھا کر اس نے کسی مزید دِقت کے بغیر فرورتس کو خط لکھا اور اُس سے پوچھا کہ آیا ملکۂ عالیہ کے حالات اِس قابل ہو گئے ہیں کہ اُن میں توسیع کی جائے۔

اس کے علاوہ اس نے اپنے ایک حبشی غلام کو قیمتی تحفے دے کر پہاڑیوں کے

اُس پار وحشیوں کی آبادی میں روانہ کیا تاکہ انہیں بھی بغاوت پر آمادہ کیا جا سکے۔ اِس خوفناک جُرم کے ارتکاب پر تیار کرنے کے لئے ملکہ نے اُسے آزادی اور بیش بہا تحائف کا لالچ دلایا۔ وہ جانتی تھی کہ اس کا غلام وفادار ہے اور اس کے ہر حکم کی تعمیل میں سرِ مُو انحراف نہیں کریگا۔

دو مہینے کے بعد فروتس کا جواب موصول ہوا جس میں اُس نے لکھا تھا کہ ملکۂ عالیہ کے حالات اِتنے اچھے ہو رہے ہیں کہ ان میں ترمیم کرنا بہت سُود رساں ثابت ہوگا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے یہ بھی لکھا تھا کہ وہ ہر ترمیم پر عمل کرنے کو تیار ہے بشرطیکہ ملکۂ عالیہ اُسے ہدایت فرمائیں کہ وہ کس طرح ان کے مجوزہ راستے پر عمل کرے۔

غلام خیمہ نشینوں کے شہر سے یہ خبر لے کر واپس آیا کہ وہ لوگ ذرّاتِ صحرا کی طرح کثیر التعداد ہیں، وہ بگولے کی طرح صحرا کی وسعتوں میں اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر اُڑے اُڑے پھرا کرتے ہیں، چیلوں کے ہجوم کی طرح تیز نظر اور شکار کی بُو پر پہنچنے والے گیدڑوں کی طرح متجسّس ہیں۔ شاہِ معظم کے نام کا خوف ہے جو انہیں ان کے حدود میں محدود رکھتا ہے ورنہ وہ ہر اُس شخص کی قیادت میں دُنیا کو زیر و زبر کر دینے کے لئے تیار ہیں جو انہیں دولت و حشمت دینے کا وعدہ کریگا۔ وہ عام طور پر صحرا کے اُس طرف پہاڑی علاقے میں رہتے ہیں۔ وہ داڑھیاں مونڈتے ہیں اور اپنے خیموں میں اپنے گھوڑوں کے پاس سوتے ہیں۔ وہ شکل و صُورت کے اعتبار سے پہاڑی بھوتوں سے زیادہ خوفناک اور پہاڑی بھیڑیوں سے زیادہ دہشت افزا ہیں۔

ملکہ نے اس سارے بیان میں سے اپنے غلام کے تصورات کو کانٹ چھانٹ کر یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ان لوگوں کو بڑی آسانی سے ملک کے مغربی علاقہ پر حملہ کرنے کو تیار کیا جا سکتا ہے۔ اور ان کا حملہ بالخصوص اس جگہ زیادہ سود رساں ثابت ہوگا جہاں قلعے کی فوج قلعے کی حفاظت تو کر سکتی ہے لیکن کسی ایسے خوفناک حملے کا تدارک نہیں کر سکتی جو ایکا ایکی مشرقی میدانوں پر کر دیا جائے۔

آنوسہ نے کافی وقت خرچ کر کے شہر پناہ اور اُس قلعے تک کے فاصلے کا اندازہ لگایا اور وہ اس نتیجے پر پہنچی کہ بوجھ سے لدا ہوا آدمی زیادہ سے زیادہ آدھ دن کی مسافت سے اُس قلعے تک آسانی سے پہنچ سکتا ہے۔ یہ تجویز جس پر ملکہ عمل کرنا چاہتی تھی بالکل سیدھی سادی اور آسانی سے عمل میں آنے والی تھی لیکن اس کی کامیابی اتنی سلطنت پر اتنے گھناؤنے اور بھیانک اثر ڈالنے والی تھی جن کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

اس نے یہ تجویز کی کہ مادیا میں ایک بغاوت پیدا کی جائے۔ لیکن یہ بغاوت فرورتس کی قیادت میں نہیں ہونی چاہیئے کیونکہ اس طرح ملکہ کی اپنی تباہی لابدی تھی اس پر بادشاہ کو پہلے ہی شک تھا۔ اس کی جگہ کسی دوسرے آدمی کو دی جا سکتی تھی ــــ ایک ایسا شخص جو انعام و اکرام کے وعدوں سے مضبوط فرورتس کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بن سکے۔ یہ شخص مادیا کی حکومت ہاتھ میں لیکر بغاوت کرے اور جب بغاوت کامیاب ہو جائے تو فرورتس جو قدرتی طور پر اسے روپے اور آدمیوں سے مدد دیتا رہیگا اسے کچل کر حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لینے میں کامیاب ہو جائیگا۔

جب بغاوت کی خبر استخار میں پہنچے گی تو دارا یقیناً اس بغاوت کو کچلنے اور بےچینی کے مٹانے کے لئے مادیا کا رُخ کریگا۔ یقین کامل تھا کہ بادشاہ کی غیر حاضری میں

سلطنت کے سیاہ و سفید کا مالک زرتشت کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اور اگر بالفرض وہ زرتشت کو بھی اپنے ساتھ لے گیا تو آٹوسہ نہایت آسانی کے ساتھ مشرقی وحشی قبائل کو استخار پر حملہ کرنے کی دعوت دے سکتی ہے۔ مغرب کے لوگ جب دیکھیں گے کہ بادشاہ انہیں بے یار و مددگار چھوڑ کر خود چلا گیا ہے تو وہ یقیناً اسکی مخالفت پر آمادہ ہو جائیں گے اور اس طرح سلطنت کا سارا تار و پود خود ملکہ کے ہاتھوں میں آجائیگا۔ اگر زرتشت یہاں رہ گیا تو بہترین تجویز یہی ہوگی کہ صحرائی وحشیوں کو اجازت دیدی جائے اور وہ جس طرح چاہیں زرتشت کو برباد کر دیں۔ ایسے وقت میں زرتشت کے پاس اس فوری حملے کی مدافعت کے لئے فوجی طاقت نہ ہوگی اسلئے وہ یا تو لڑتے لڑتے مارا جائیگا اور اگر یہ نہ ہوا تو بزدلی کی کالک منہ پر پوت کر بھاگ جائیگا۔ آٹوسہ کی نڈر طبیعت نے اُسے یقین دلا دیا کہ ضرور ایسے حالات پیدا ہو جائیں گے جن کی مدد سے وہ اپنی ذات کے بچاؤ کی تدبیر اختیار کر سکے گی۔ اور اگر حالات ایسے پیدا نہ بھی ہوئے تب بھی اُسے یقین تھا کہ اس کا حُسن اُسے ہر آفت سے محفوظ رکھے گا۔ اس کے حُسن نے اُسے ہزاروں دفعہ مجنون کیمبیس کے ہاتھوں بچایا اور یہ اسکی دلفریب خوبصورتی ہی تھی جس نے اُسے اُس وقت بھی موت کے پنجوں سے بچا لیا جب دارا نے سلطنت پر قبضہ کیا تھا اور جس وقت وہ اس کے دشمن مکار مردیس کی بیوی اور اُسکی مددگار کی صورت میں اس کے سامنے پیش کی گئی تھی۔ اب بھی اگر وہ بدقسمتی سے وحشی بدوؤں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئی اور اس کے بچاؤ کی اور کوئی تدبیر باقی نہ رہی تو اس کا لازوال حُسن اسکی حفاظت کریگا۔ اس نے زرتشت کو برباد کر دینے کا تہیہ کر لیا تھا خواہ اس میں اس کے اپنے خاوند کی سلطنت پارہ پارہ کیوں نہ ہو جائے۔

یہ ایک سادہ لیکن جرأت آموز تدبیر تھی اور اُسے یقین تھا کہ وہ اسمیں ضرور کامیاب ہوگی۔

اِن مہینوں میں جبکہ یہ خوفناک تجویز ملکہ کے ذہن میں چکر کاٹ رہی تھی ملکہ اِنتہائی متین اور خوش خلق بنی رہی۔ وہ جب زرتشت سے ملتی تو اُس کی نگاہیں اِتنی دلفریب اور حقیقی دوستی کے جذبات سے مملو ہوتی تھیں کہ اگر زرتشت کی جگہ کوئی اَور ہوتا جو اس کی بدطینتی سے ناواقف ہوتا تو یقیناً اسے دُنیا کی معصوم ترین ہستی تصوّر کرتا۔ جب بادشاہ اس کی طرف دیکھتا تو محبّت سے بھری ہوئی ایک دلفریب مُسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر کھیل جاتی۔ وہ بادشاہ کے ہر مذاق کو بڑی خندہ پیشانی سے برداشت کرتی تھی کیونکہ اُسے یقین تھا کہ اُسے زیادہ دیر تک یہ سب کچھ برداشت نہ کرنا پڑیگا۔ یہی نہیں بلکہ نہشتہ کی طرف دیکھتے وقت اسکی نظروں میں ہمدردی پیدا ہو جاتی ـــــ وہ ایسی نظروں سے اسکی طرف دیکھتی تھی جن سے معلوم ہوتا تھا کہ چھوٹی ملکہ کی لاأبالی طبیعت سے سخت پریشان ہے لیکن سمجھتی ہے کہ طبیعت کی یہ بیقراری کسی اندرونی خلش کو ظاہر کرتی ہے جس کے لئے نہشتہ کی حالت قابلِ رحم ہو گئی ہے۔

لیکن جوں جوں وقت گذرتا گیا اس کا دِل خوشی سے لبریز ہوتا گیا۔ وہ جانتی تھی کہ وارا کی زندگی بڑی سُرعت سے موت کے عمیق غار کی طرف بھاگی جا رہی ہے اور اُسے محسوس ہوتا تھا کہ گلاب کی اس بھینی بھینی خوشبو کے دوش بدوش ہواؤں میں موت کی بُو تیز سے تیز تر ہوتی جاتی ہے۔

(۱۸)

ایک دفعہ پھر بہار نے دنیا پر جادو پھونکا۔ زمین باصرہ نواز سبزے میں ملبوس ہوگئی اور درختوں کی خشک ٹہنیوں میں نرم و نازک کونپلیں نکل آئیں۔ معتمد دانیال کو فوت ہوئے چار سال گذر گئے تھے لیکن اس کا غالگیر ادراک زرتشت کے جسم میں ابھی تک زندگی کی سانسیں لے رہا تھا۔ استخار کے دربار میں زرتشت کو ابھی تقریباً ایک سال دو مہینے گزر چکا تھا۔ وقت کی رسی تیزی سے کٹتی گئی تھی لیکن نہشتہ کے ہر لمحے کی ہر گھڑی اپنے اندر قیامت کی طوالت رکھتی تھی۔ اسکی زندگی کا غم و اندوہ کے بھاری بوجھ سے اتنی ناقابل برداشت ہوگئی تھی۔ کہ اسکی زندگی کا ہر لمحہ انتہائی سستی سے رینگتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ اسکی آنکھوں میں گڑھے پڑ گئے تھے۔ اور اس کا رنگ نعش کی طرح زرد پڑ گیا تھا۔ اس کی طبیعت ہر وقت یکساں نہیں رہتی تھی لیکن ایک غم تھا جسکا سلسلہ ٹوٹنے ہی میں نہ آتا تھا۔ پر ایسے دن بھی آئے تھے جب اس نے اپنے آپ کو اپنی بدقسمتی کے حوالے کر دیا تھا۔ اور صابر و شاکر ہوگئی تھی لیکن اُسے سخت حیرت تھی کہ وہ کونسی قوت ہے جو اُسے شام کے وقت اپنے محل کی تھکا دینے والی فضاء سے نکل کر اپنی پریشانیوں اور اپنے رنج و کرب کو ارکسس کی مطمئن لہروں کے حوالے کر دینے سے روک رہی ہے۔ ہر وقت اُسے یہی خیال آتا کہ وہ محض

ایک دفعہ ـــــ آخری مرتبہ اس کی صورت دیکھ لے جو اس کے دل پر حکومت کرتا ہے ـــــ اور پھر ایک دفعہ اور یہاں تک کہ آخری وقت کبھی بھی نہ آیا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کی زندگی میں ایسے دن بھی آئے تھے جب اس کی اُمید ایک دفعہ پھر جوان ہو گئی تھی۔ وہ بغیر دیکھے بھالے دیوانوں کی طرح امید کے خوشگوار محل تعمیر کرنے لگی تھی ـــــ وہ امید کرنے لگی تھی کہ شاید بادشاہ مر جائے۔ شاید زرتشت اس سے پھر ویسی ہی محبت کرنے لگے اور شاید اس کے سارے دلدّر دُور ہو جائیں لیکن وہ امید جس کا تعلق دماغ سے نہ ہو بڑی ہی گریز پا ہُوا کرتی ہے اور اپنے ساتھ ساتھ ایسے غم واندوہ کو لایا کرتی ہے جس کے کاٹے کا دارُو نہیں ہُوا کرتا۔ ہر بار تہشتہ پہلے سے کہیں زیادہ متفکر ہو جاتی کیونکہ ہر وقت اُسے یہی یقین ہوتا کہ اس کے لئے دُنیا میں امید باقی نہیں!

اِن دنوں میں کم از کم یہ ہُوا کہ آلوسہ نے زرتشت کی محبت سے ہاتھ اُٹھا لیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اب اُسے زرتشت کی کوئی پروا نہیں۔ حقیقت یہ تھی کہ اِن دنوں میں وارا جتنا آلوسہ سے برگشتہ ہوتا جاتا تھا اتنا ہی آلوسہ اُسے زیادہ سے زیادہ خوش کرنے کی تدابیر اختیار کرتی جاتی تھی لیکن ان سب سے مستزاد زرتشت کی ہمہ گیر قوّت کا احساس زیادہ سے زیادہ شدید ہوتا جاتا تھا۔ گو آج تک کسی نے نہیں سُنا تھا کہ زرتشت کسی پر ناراض ہُوا ہے۔ تاہم اس کا خوف بادشاہ سے بھی زیادہ لوگوں کے دِلوں پر مسلّط تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کی مطمئن اور بارُعب نگاہوں کو برداشت کرنا ہر ایک کا کام نہ تھا۔ اور وہ الفاظ جو اس کی زبان سے ادا ہوتے تھے اپنے اندر خدائی تقدیر کی شدّت رکھتے تھے۔ اس کی ایک وجہ اور بھی تھی اور وہ یہ کہ سلطنت کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک وہ مشہور تھا۔ اور اس کی قوت ہر کوئی جانتا تھا۔ لوگوں کو معلوم تھا کہ وہ بادشاہ کا متبنّٰے ہے۔ اور وہ جو کچھ کریگا اس کے

خلاف کوئی اپیل نہیں کی جاسکتی۔

بہار کی ایک صبح کو جبکہ سورج کی شعاعیں ابھی شبنم سے بھیگے ہوئے پھولوں پر چمک رہی تھیں بادشاہ محل کے اندر ایک وسیع کمرے میں ایک کوچ پر نیم دراز تھا۔ [illegible] کی لطیف حرارت سے مملو دھوپ میں تھے جو کمرے کے روشندان میں سے چھن چھن کر آرہی تھی۔ اُس وقت شاہِ معظم ایک ہندوستانی شعبدہ باز کے تعجب انگیز شعبدے بغور سے دیکھ رہے تھے۔ یہ شعبدہ باز کل ہی دارالسلطنت میں وارد ہوا تھا۔ اور بادشاہ نے اُسے فرصت کے چند لمحے کاٹنے کے لئے اپنے سامنے حاضر کیا تھا۔ بادشاہ کی طبیعت ہر وقت اپنے لئے کوئی شغل تلاش کیا کرتی تھی۔ اس لئے جب وہ سلطنت کے امور سے فراغت پاتے تو اپنے آپ کو مشغول رکھنے کے لئے کوئی شغل پیدا کرلیا کرتے تھے۔

آلوسہ ان کے قریب ایک منقش کرسی پر بیٹھی اپنی انگلیوں سے موتیوں کی ایک نیلمیں مالا کے ساتھ کھیل رہی تھی۔ دو نیزہ بردار نیلی، سُرخ اور زرنگار وردیوں میں ملبوس بے حس و حرکت دروازے پر کھڑے تھے اور دارا اور ملکہ تنہا ہندوستانی بازیگر کے تیز تیلی انگلیوں کا تماشا دیکھ رہے تھے۔

بازیگر نے ایک خنجر ہوا میں اُچھالا، پھر دوسرا اور پھر تیسرا۔ یکے بعد دیگرے بے شمار خنجر ہوا میں اُچھال دیئے۔ یہاں تک کہ چمکتے ہوئے خنجروں کا ایک چکر سا ہوگیا۔ دارا بازیگر کی مہارت پر ہنسا اور ملکہ کی طرف دیکھ کر بولا۔

"اس آدمی کو دیکھ کر تمہارا خیال آگیا ہے۔"

"حضور شاہِ مکرم اپنی باندی پر بے انداز عنایت فرما رہے ہیں۔" ملکہ نے جواب دیا۔ "باندی اس ایسی چابکدست بھی نہیں اور اس سے زیادہ خوبصورت بھی ہے۔"

"تم اس سے زیادہ خوبصورت ہو۔ یہ درست ہے" بادشاہ نے جواب دیا۔ "لیکن جہاں تک تمہاری چابکدستی کا تعلق ہے ہم اس سے بہت ہی کم واقف ہیں۔ تم ہر وقت خنجروں سے کھیلا کرتی ہو لیکن اس بازیگر کی طرح تم نے اپنے آپ کو آج تک زخمی نہیں ہونے دیا۔"

ملکہ نے غور سے بادشاہ کی طرف دیکھا لیکن اس کے ہونٹوں پر اب بھی ایک زہر شکن مسکراہٹ تھی۔ اُسے خیال پیدا ہوا کہ شاید بادشاہ کو اُس سارے واقعہ کا علم ہے جو اس کے اور نہشتہ کے درمیان کسی ہندوستانی خنجر کے متعلق گذرا تھا۔ وہ خنجر جو یہ بازیگر اپنے ساتھ لایا تھا نہشتہ کے خنجر سے بہت حد تک ملتے جلتے تھے لیکن بادشاہ ہنس پڑا اور ملکہ نے جھجکے بغیر جواب دیا۔

"کاش! حضور کا یہ خیال درست ہوتا۔ کیونکہ اس طرح مجھے نہ صرف شاہِ معظم کی بیوی ہونے ہی کا فخر ہوتا بلکہ یہ ناز بھی ہوتا کہ میں شاہِ معظم کی بازیگر ہوں۔"

"میرا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا۔" بادشاہ نے ہنس کر جواب دیا۔ "ان دونوں میں کوئی مناسبت نہیں ہے۔"

"لیکن مجھے شاہِ معظم کی بیوی بننے کے لئے اس بازیگر سے کہیں زیادہ ہوشیار ہونا پڑتا ہے۔" ملکہ نے جواب دیا۔

"ہم نے بھی یہی کہا تھا۔"

"نہیں ـــــ حضور کا مطلب یہ نہیں تھا۔" آنوسہ نے زمین کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"میرا مطلب یہ تھا۔" بادشاہ نے کہا۔ "کہ تم اپنی فطری بُرائیوں کو اپنے حسین چہرے کے پردے میں اس طرح چھپا جاتی ہو جس طرح یہ شخص۔ اگر یہ چوک جائے

اور خنجر کی دھار پر ہاتھ مار بیٹھے تو زخمی ہو جائے۔"

"کنیز تو کچھ بھی نہیں چھپاتی" ملکہ نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا۔ "بادشاہِ معظم کی ہزاروں آنکھیں ہیں۔ کنیز کس طرح کوئی چیز چھپا سکتی ہے۔"

"یہی سوال ہر وقت ہمارے ذہن میں کھٹکا کرتا ہے" دارا نے جواب دیا۔ "اور اس کے باوجود ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں تمہاری ذہنی دنیا کا کوئی حصہ نہیں ملتا جس طرح تمہاری اس کنیز کو جو تمہارے سر پر پنکھا کرتی ہے اور دیانتداری سے یہ خیال رکھتی ہے کہ تمہارے چہرے پر کوئی مکھی نہ بیٹھنے پائے۔ یا وہ پتھر کے مجسموں ایسے نیزہ بردار جو دیانتداری سے یہ خواہش کرتے ہیں کہ وہ نیزہ بردار ہونے کی بجائے بادشاہ اور ملکہ ہوتے۔ اور تمام دن ریشمی گدوں پر لیٹ کر بازیگروں کے تماشے دیکھا کرتے۔"

دارا نے کہتے وقت نیزہ برداروں کی طرف دیکھا۔ نیزہ بردار دفعتہً پلٹ کر ایک دوسرے کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ اور ان کے بھاری نیزے ایک بلند آواز کے ساتھ زمین سے ٹکرائے۔ ایک لمحے کے اندر اندر زرتشت کا سرو قامت، سفید پوش سراپا ان کے درمیان نظر آنے لگا۔ وہ دروازے پر ادب سے کھڑا ہو کر بادشاہ کا انتظار کرنے لگا کہ کب بادشاہ اُسے دیکھیں کیونکہ وہ حاکمِ اعلیٰ اور ان گنت قوتوں کا مالک ہونے کے باوجود درباری تکلفات پر سختی سے عمل کرتا تھا۔

دارا نے اشارہ کیا اور بازیگر نے یکے بعد دیگرے اپنے ہوا میں چکر کاٹتے ہوئے خنجروں کو پکڑ کر تھیلے میں رکھ لیا اور چلا گیا۔

"خوش آمدید زرتشت!" بادشاہ نے کہا۔ "آؤ میرے پاس بیٹھو۔ اور بتاؤ کہ تم کیا چاہتے ہو۔"

زرتشت آگے بڑھ آیا اور باادب ہوکر آداب بجالایا لیکن وہ اُسی طرح کھڑا رہا۔ گویا جس کام کے لئے وہ آیا ہے انتہائی ضروری ہے۔

"شاہِ معظم! عمر و دولت پایندہ باد"۔ اس نے کہا۔ "غلام ایک بہت ہی بُری خبر لیکر حاضر ہوا ہے۔ ایک سوار ہوا کے گھوڑے پر سوار ہوکر اکبا نتا سے حاضر ہوا ہے مادیا میں بغاوت کی آگ بھڑک اُٹھی ہے۔ اور شاہ معظم کے جاں نثار سپاہی باغیوں کے نرغے میں گھر گئے ہیں"۔

دارا دفعتہً تن کر کرسی کے ایک کنارے پر بیٹھ گیا۔ اس کی پیشانی کی گرہ دار رگیں یکدم غصہ سے اُبھر آئیں اور اس کا چہرہ سُرخ ہوگیا۔

یہ یقیناً فراداویس کی بدمعاشی ہے۔ اسی نے سلطنت کا دعویٰ کیا ہوگا"۔ بادشاہ نے کہا اور پھر دفعتاً غضبناک ہوکر آٹوسہ پر برس پڑا۔ "تمہارا وقت آگیا ہے اب تمہاری زندگی کو اس دنیا سے مٹا ہی دینا پڑے۔ یہ سب کیا دھرا تیرا ہی ہے اور اس کے لئے تجھے اُن گندی روحوں میں شامل ہونا ہی پڑیگا"۔

آٹوسہ اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ ڈری اور ہونٹوں تک زرد پڑگئی۔ اُسے موت کی بھیانک بُو ہوا کے ہر ذرے میں سمائی ہوئی معلوم ہوتی تھی لیکن اس کی جرأت پھر بھی اس کی مدد پر تھی۔ وہ ایسے شان دار اور سکون افزا انداز سے کھڑی ہوئی کہ بادشاہ کا سارا غصہ سہم کر ٹھنڈا پڑگیا۔

"اگر تم چاہتے ہو تو مار ڈالو مجھے"۔ اس نے ہلکی لیکن مضبوط آواز میں کہا۔ "لیکن یہ یاد رکھو کہ اس کے متعلق مجھے کچھ علم نہیں ہے"۔ یہ عظیم جھوٹ اس کی زبان سے ایسے شاندار طریقے سے ادا ہوا جس پر ایک غازی کو بھی رشک آجائے لیکن زرتشت، بادشاہ

اور ملکہ کے درمیان آگیا۔ اور جب وہ ملکہ کے قریب سے گزرا تو اس نے ملکہ کی آنکھوں میں غور سے دیکھا۔ ان آنکھوں میں موت کی دہشت نمایاں طور پر ثبت ہو چکی تھی۔ وہ جان گیا تھا کہ موت کے ڈر نے آٹوسہ کی روح خشک کر دی ہے۔ اُسے اس پر رحم آگیا۔

"شاہِ معظم غلام کی عرض کو سُنیں" اس نے کہا۔ "بغاوت کا بانی فرار اولیس نہیں ہے، بلکہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ وہ اکیانتا سے مفرور ہو چکا ہے۔ شاہِ معظم اپنی فوجوں کو اس طرف جانے کا حکم فرمائیں۔ اور اس عورت کو آزادی بخشیں۔ اس کے چہرے پر موت کا خوف مرقسم ہو چکا ہے۔ اور بہت ممکن ہے کہ اس گناہ میں اس کا ہاتھ نہ ہو۔ اور اگر یہ گناہ اسی سے سرزد ہوا ہے تو کیا شاہِ معظم ایک عورت سے جنگ فرمائینگے۔ اور خود اپنی بیوی کے خون سے اپنے ہاتھ رنگیں کرینگے۔"

"تمہاری زبان پجاریوں کے جذبات کا اظہار کرتی ہے میں ایک آدمی کی طرح محسوس کر رہا ہوں۔" بادشاہ نے غضبناک انداز میں جواب دیا۔ "ہزاروں مرتبہ اس عورت نے ایسے جرائم کئے جن کی پاداش یقینی موت تھی۔ اسے مرنے دو۔ اسی طرح ہماری گردن اس کے ہاتھوں محفوظ رہیگی۔"

"لیکن قانون اس امر کی اجازت نہیں دیتا۔" زرتشت نے ساکن آنکھوں سے دارا کے غضبناک چہرے کو دیکھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کی قوتِ دارا کے غیظ و غضب پر حاوی ہو گئی ہے۔ "شاہِ معظم اس وقت تک یہ نہیں جان سکتے کہ یہ عورت اس بغاوت میں شریک ہے۔ جب تک اکیانتا کے باغی شاہِ معظم کی خدمت میں حاضر نہ ہوں۔ اس سے بڑھ کر ایک عورت کا خون کرنا ہمیشہ کے لئے ایک خوفناک ندامت کو آواز دینا ہے۔"

بادشاہ ہچکچایا اور آٹوسہ جو اُسے غور سے دیکھ رہی تھی سمجھ گئی کہ اب وہ وقت آگیا ہے

جب اُسے خود بادشاہ کی منت کرنا ہوگی۔ حالات کے اس فوری تغیر کے باوجود وہ چند لمحے جو زرتشت کی باتوں میں صرف ہوئے تھے آٹوسہ نے یہ سوچنے میں صرف کئے۔ کہ کیوں زرتشت اس کی مدد کرنے پر آمادہ ہوا ہے۔ وہ جانتی تھی کہ اس نے زرتشت کو ناقابل بیان مصائب میں گرفتار کر دیا تھا لیکن اس کے باوجود زرتشت اس کی مدد پر آمادہ معلوم ہوتا تھا۔ وہ اُس عظیم الشان شخصیت کی روحانی عظمت سے ناواقف تھی اور یہی سمجھتی تھی کہ زرتشت شاید کوئی چال چل رہا ہے جس کے ذریعے وہ اُسے کسی سخت تکلیف میں مبتلا کرنا چاہتا ہے لیکن اس اثنا میں اس نے خود بادشاہ کے رحم و کرم پر دستک دینے کا تہیہ کر لیا۔ تاکہ وہ اپنے بچاؤ کے لئے صرف زرتشت ہی کی ممنونِ احسان نہ ہو بلکہ اُسے یہ احساس ہو کہ اس نے اپنی برتیت کے لئے آپ کوشش کی ہے۔ یہ یقیناً مجاہدانہ خیال تھا اور صورتِ حال کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ خیال آٹوسہ جیسی قوی عورت کے شایانِ شان نہ تھا۔

اس نے تیزی سے اپنے سر کا تاج نوچ کر زمین پر پھینک دیا۔ اس کے ریشمیں خوبصورت بال سونے کے تاروں کے گچھے کی طرح اس کے کندھوں پر بکھر گئے اور اس نے زمین پر بیٹھ کر بادشاہ کے گھٹنوں کو سینے سے لگا لیا۔ اس کا رنگ زرد پڑ گیا تھا لیکن اس زرد رنگ نے بھی اس کے چہرے میں قیامت کی دلکشی بھر دی تھی۔ اس نے اپنی نیلی نیلی خوبصورت آنکھوں سے ملتجیانہ بادشاہ کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں اتنی التجا تھی۔ کہ بادشاہ کو محسوس ہونے لگا کہ آٹوسہ نے اس کے دل پر فتح پا لی ہے وہ آج سے پہلے ایسی حسین کبھی بھی نظر نہ آئی تھی۔ اس نے زبان سے ایک لفظ نہ کہا۔ صرف آنکھوں میں التجا لئے بادشاہ کے گھٹنے تھامے وہ بادشاہ کی طرف تکتی رہی ——

تکتی رہی یہاں تک کہ وہ بڑے بڑے خوبصورت آنسو اس کی پلکوں میں سے ہوتے ہوئے اس کے رخساروں پر کانپنے لگے اور اس کا تیزی سے چلتا ہوا گرم سانس بادشاہ کے چہرے سے مس کرنے لگا۔

دارا نے اُسے پرے ہٹانے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ اور اُسے مجبوراً اس کی طرف دیکھنا پڑا۔ آٹوسہ کی ملتجیانہ نگاہوں نے اس کا غصہ ٹھنڈا کر دیا۔ اور باوجود یکہ اس کی بھویں ابھی تک تنی ہوئی تھیں تاہم ایک طنز آمیز مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر چھا گئی۔

"جاؤ"، اس نے کہا: "ہم مذاق کر رہے تھے۔ کوئی آدمی ایسی حسین ہستی کو قتل کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔"

آٹوسہ کے زرد چہرے پر پھر سُرخی پھیل گئی اور اس نے جھک کر بادشاہ کے ہاتھوں اور گھٹنوں کو چوم لیا۔ اس کے سنہرے بال اس کے سراپا پر اور بادشاہ کی گود میں بکھر گئے تھے۔ لیکن دارا ان کی طرف متوجہ نہ ہوا بلکہ بیقراری کے عالم میں کھڑا ہو گیا۔ اسے اپنے آپ پر غصہ آ رہا تھا کہ اس نے کیوں آٹوسہ کو معاف کر دیا۔ وہ اپنی اس کمزوری سے از حد نفرت کرنے لگا تھا۔

"ہم بنفس نفیس اپنے محافظین کے دستے کے ہمراہ استخار کی فوج کو ساتھ لے کر شوشان جائینگے اور وہاں جتنی فوج ہے اُسے بھی اپنے ساتھ لے کر چند دنوں کے اندر اندر اکبا تنا پہنچ جائینگے۔ ہم ان باغیوں کو بیخ و بن سے اکھاڑ دینگے۔ ان جھوٹوں کو جو ہماری قوت و عظمت کا اعتراف نہیں کرتے۔ زرتشت! تم یہاں رہو اور اس وقت تک اس صوبے پر حکومت کرو جب تک ہم کامیاب نہ لوٹیں۔"

اس نے ایک دفعہ پھر آلوسہ کی طرف دیکھا جو گدے کے قریب زمین پر پڑی تھی۔ اس کی ظاہری ہیئت سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس خوفناک خبر نے اُسے حیرت سے بے جان کر دیا ہے۔ دارا گھوما اور دونوں نیزہ برداروں کے درمیان میں سے گزرتا ہوا باہر نکل گیا۔ دونوں سپاہیوں نے اپنے ہتھیار کندھوں پر رکھے اور اس کے پیچھے پیچھے پے تلے قدموں سے چلتے ہوئے باہر چلے گئے۔ زرتشت ملکہ کے پاس تنہا رہ گیا۔

جونہی بادشاہ نے قدم باہر رکھا ملکہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ بڑے تحمل انداز میں اپنے بالوں کو ٹھیک کر کے ان پر تاج رکھنے لگی۔ زرتشت کھڑا غور سے اس کی ہر حرکت کو دیکھ رہا تھا۔ ملکہ انتہائی مطمئن اور مسرور نظر آتی تھی۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی انوکھا واقعہ نہیں ہوا۔

وہ سر جھکائے اور ہاتھوں کو اُٹھائے اپنے بال ٹھیک کر رہی تھی۔ اس نے اسی طرح کھڑے کھڑے آنکھوں کے کونوں میں سے زرتشت کی طرف دیکھا۔

"تم نے شاہِ معظم کی خدمت میں میری جان بخشی کرنے کی استدعا کیوں کی تھی؟" اس نے پوچھا۔ "تمہیں سب سے پہلے میری موت کی تمنا کرنی چاہیئے۔"

"میں تمہاری موت نہیں چاہتا۔" اس نے بے رُخی سے جواب دیا۔ "تمہیں ابھی دنیا میں بہت سی برائیاں کرنا ہیں۔ لیکن یہ یاد رکھو کہ تمہاری برائیاں اتنی اہم نہ ہونگی جتنی کسی اور کی ——— اس کے علاوہ مجھے تمہاری مدد کرنے کی ضرورت بھی نہ تھی۔ تمہارا وقت ابھی پورا نہیں ہوا۔ اور اگر شاہ معظم تمہارا سر کاٹنے کے لئے اپنی تلوار بلند بھی کرتے تب بھی وہ تمہیں مارنے میں کامیاب نہ ہوتے۔ کیونکہ تمہیں دنیا

میں ابھی بہت سے کام کرنا ہیں۔"

"زرتشت! تم مجھ سے نفرت نہیں کرتے؟"

یہ ملکہ کی خصوصیت تھی کہ وہ اپنے مافی الضمیر کو اس وقت چھپانے کی کوشش نہ کرتی تھی۔ جب اس اخفا کا کوئی مادی فائدہ اُسے نظر نہ آئے۔ ایسے مواقع پر وہ عام طور پر ظالمانہ حد تک صاف گو بن جایا کرتی تھی۔ یہ سوال کرتے وقت وہ ہنس پڑی۔ کتنا احمقانہ سوال تھا یہ۔ لیکن اس کے باوجود اس نے یہ سوال ملکہ ہی کی زبان سے ادا کیا۔

"میں تم سے نفرت نہیں کرتا۔" پجاری نے جواب دیا۔ "تم اتنی پست ہو چکی ہو کہ تم سے نفرت کرنا انسانیت کی توہین کرنا ہے۔"

"اور میرا خیال ہے کہ تم نفرت سے بہت بلند ہو چکے ہو۔" اس نے طنز کی۔ "مجھے تم سے سخت نفرت ہے۔ تم ایک چھوٹے سے دھوکے میں آ گئے۔ اور تم نے اُس عورت کو حاصل کرنے کی کوشش ہی نہیں کی جس کو تم دل و جان سے چاہتے تھے۔ شاید تم ایک ملکہ کے محب ہوتے لیکن تم نے اُسے چھوڑ دیا۔ اور اب جبکہ وہ عورت جس نے تمہارے دل پر کبھی مندمل نہ ہونے والے زخم لگائے تھے۔ تمہارے قبضے میں آ گئی۔ اور جس کی موت تمہاری ایک جنبش ابرو کی رہین تھی۔ تم نے اُسی کی سفارش کی اور اُسی کی زندگی کو بچانے کی کوشش کی۔ تم احمق ہو۔ میں تم سے نفرت کرتی ہوں۔"

"مجھے تمہاری اس نفرت پر مسرت محسوس ہوتی ہے۔" زرتشت نے بے رُخی سے جواب دیا۔ "اگر کوئی مجھے یہ ساری دُنیا اور اس دُنیا کا سارا فہم و ادراک دے کر اس کے بدلے میں یہ چاہے کہ میں تمہاری نفرت سے خوشی محسوس کروں تب بھی میں اسے ٹھکرا دونگا۔"

لیکن تم اُس وقت شاید ایسا نہ کرسکو جب تمہیں میرے داد کے بدلے مَیں اُس عورت سے شادی کرنے کی اجازت مِل جائے جس سے تم اپنے احمقانہ طریقے پر محبت کرتے تھے ـــــ محبت کرتے تھے بہرحال! وہ بدقسمت ہستی غم و اندوہ کی شدت سے نعش کی طرح زرد پڑگئی ہے۔ اور وہ باغ میں اس طرح پھرتی ہوئی نظر آتی ہے جس طرح کوئی بے حقیقت سایہ ہو۔ اس کے زرد چہرے سے شاہِ معظم اکتا گئے ہیں۔ وہ تمہارے غم میں اپنا اپنا دل بھون رہی ہے ـــــ بادشاہ نے اُسے تم سے چھین لیا تھا اور اگر تم چاہو تو تم اُسے کل ہی بادشاہ کے آغوش سے اچک سکتے ہو۔ تم ایسا نہیں کرتے یہ تمہاری سب سے بڑی حماقت ہے۔ اور اس کی حماقت ملاحظہ ہو۔ کہ وہ تمہیں حاصل کرنے کے لئے دنیا کے آخری کونے تک بھٹکنے کے لئے تیار ہے ـــــ بدنصیب لڑکی! وہ نہیں جانتی کہ تمہارے سینے میں دل نہیں بلکہ ایک خشک جذبات سے عاری اور مفلوج گوشت کا ٹکڑا ہے جس میں زندگی باقی نہیں رہی۔"

لیکن زرتشت خاموشی سے کھڑا طنز آمیز نگاہوں سے اس کی طرف تکتا رہا۔

"تم سمجھتی ہو کہ اپنی کھڑکی پر پردہ تان دینے سے تم سورج کے چہرے پر نقاب ڈال دوگی۔" اس نے پوچھا "کیا تم سمجھتی ہو کہ تاریکی کے بھوت اگر نور کے فرشتوں کو یہ کہہ دیں کہ وہ نور نہیں بلکہ تاریکی ہیں تو وہ اُسے مان لینگے اور اس پر افسوس کرینگے؟"

"کہاوتوں میں باتیں کرنے لگے تم ـــــ کیونکہ تمہارے پاس کہنے کے لئے سیدھی بات ہے ہی نہیں" ملکہ نے اپنے سر کی پشت کے بالوں اور ململ کے تاج میں سونے کی ایک پن لگاتے ہوئے کہا لیکن اُسے زرتشت کی قوی نظروں کا احساس ہو چکا تھا اس نے آنکھیں اُٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور اُس غیر ارضی نور سے متاثر ہوئے بغیر

نہ رہ سکی۔ جوان آنکھوں میں سے چھن چھن کر نکل رہا تھا۔ اس نے دوسری طرف دیکھنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہی۔ دفعتہً اس کا دل ڈوبتا ہوا سا محسوس ہوا۔ اس نے ہندوستانی جادوگروں اور مجوسی شعبدہ بازوں کی طاقت و قوت کے ہزاروں افسانے سُنے ہوئے تھے۔ اور اُسے معلوم تھا کہ کس طرح یہ لوگ ایک نظر سے اپنے دشمنوں کی جانیں تلف کر دیتے ہیں۔ اس نے دوسری طرف دیکھنے کے لئے اپنی انتہائی طاقت صرف کر دی لیکن یہ سب بیکار ثابت ہو رہا تھا۔ ہمہ گیر قوت کی لامتناہی طاقت نے پوری طرح سے اس کے دل و دماغ پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور وہ اس وقت تک ایک انچ جنبش نہیں کر سکتی تھی۔ جب تک وہ خوفناک آنکھیں اُس پر سے ہٹا نہ لی جائیں۔ زرتشت نے پھر زبان کھولی اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ زمین و آسمان کا قصادم ہو گیا ہے اور اس ٹکر سے ایک سماعت پاش آواز پیدا ہو رہی ہے۔

"تم باتیں بنانے میں بڑی ہوشیار ہو لیکن اگر تم میں طاقت ہے تو بچ جاؤ مجھ سے"۔ زرتشت نے کہا۔ "اگر تم میں طاقت ہے تو ہاتھ اُٹھا کر دکھا دو ——— مجھ سے ایک قدم پیچھے ہٹ جاؤ اگر ہٹ سکتی ہو۔ تم ان میں سے کچھ بھی نہیں کر سکتیں تم میرے قبضے میں ہو۔ اگر میں چاہوں تو میں کھڑا کھڑا تمہاری روح قبض کر لوں اور تمہارے جسم پر کوئی نشان بھی نہ آئے جس سے معلوم ہو کہ تم قتل کی گئی ہو۔ تمہیں اپنی قوت اور اپنی طاقت پر ناز ہے۔ دیکھو! تم میرے ہاتھ کے ہر اشارے پر کتے کی طرح لپکو گی۔ دیکھو! تم میرے حکم سے میرے سامنے دوزانو ہو گی۔ سجدہ کرو گی۔ پڑی رہو یونہی اور کوشش کرو کہ مجھے ایک دفعہ اور جھڑک لو۔ تم اپنی مرضی سے بادشاہ کے سامنے دوزانو ہوئی تھیں لیکن اب تم میرے حکم سے میرے سامنے سجدہ کرو گی اور

اس وقت تک اپنا سر زمین سے نہ اُٹھا سکو گی جب تک کہ میں تمہیں حکم نہ دوں۔ تم میں ہزاروں آدمیوں کی قوت ہے لیکن میرے حکم کے بغیر اپنا ماتھا زمین پر سے اُٹھاؤ تو۔"

ملکہ سرتاپا اُس خوفناک قوت کے پنجے میں جکڑ لی گئی تھی جو زرتشت میں موجود تھی جس طرح ڈوبتا ہوا آدمی اُس تیز رَو لہر کی روک تھام نہیں کر سکتا جو اُسے موت کی طرف بہالے جاتی ہے۔ اسی طرح ملکہ اُس قوت کا مقابلہ کرنے کی تاب نہ رکھتی تھی۔ وہ بیچاری کے قدموں میں بالکل بے بس اور ناطاقت ہو کر پڑی رہی۔ اور وہ چند لمحوں تک اس کی طرف تکتا رہا۔

"اُٹھو" اس نے کہا۔ "اپنا کام کرو اور مجھے بھولنے کی جرأت نہ کرنا۔" ملکہ زرتشت کی ناقابل برداشت قوت کے اثر سے آزاد ہو کر اُچھل کر اپنے قدموں پر کھڑی ہو گئی چند لمحوں کے لئے ڈگمگائی اور پھر چکرا کر گدے پر گر پڑی۔

"کیسے آدمی ہو تم؟" اس نے وحشیوں کی طرح زرتشت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی کاری ضرب نے اس کے ہوش و حواس کو پراگندہ کر دیا ہے۔ لیکن جب اس نے آنکھیں اُٹھائیں زرتشت جا چکا تھا۔ اور اس کے سفید کپڑوں کا ایک کونہ دروازے کی اوٹ میں نظر آ کر پھر غائب ہو گیا۔ ملکہ نیم بیہوشی کی حالت میں گدوں پر لیٹ گئی۔

اس اثنا میں طبل جنگ پر چوٹ پڑ چکی تھی اور بادشاہ کے مخصوص محافظین بادشاہ کے حکم سے صف بستہ ہو رہے تھے۔ شاہی ہرکارے انتہائی تیزی سے قلعے کی فوج کو کوچ کرنے کی تیاری کا حکم سنانے کے لئے جا چکے تھے۔ اور دوپہر ہونے سے پہلے

بادشاہ تمام جنگی ہتھیاروں سے سج کر قلعے کی وسیع سیڑھیوں پر سے اُتر رہا تھا۔ دوپہر کے گرم سورج کی تیز شعاعیں اس کے چمکدار خود پر لرز رہی تھیں اور اُن پروں پر رقص کر رہی تھیں جو خود کے دائیں بائیں لگے تھے۔

اس کے گھوڑے کی چمکدار زین اور زرہ بکتر کی بڑی بڑی کڑیوں پر چھوٹے چھوٹے سورج چمکتے ہوئے نظر آنے لگے تھے۔

غلاموں کی قطاریں برآمدے اور فراخ سیڑھیوں سے دو رویہ مؤدب کھڑی تھیں اور زرنشست کثیر التعداد پجاریوں کے ساتھ سب سے نچلی سیڑھی پر شاہِ معظم کے آخری احکام سننے کے لئے منتظر کھڑا تھا۔

"ہم جا رہے ہیں اور دو مہینوں کے اندر اندر اس بغاوت کو بیخ و بُن سے اکھاڑ کر واپس آجائینگے"۔ دارا نے کہا۔ اس اثنا میں تم سلطنت کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں رکھو۔ اور بادشاہ کی غیر حاضری کی وجہ سے قانون کی توہین مت ہونے دو۔ معبد میں ہر فرد معمول کے مطابق قربانی ہونی چاہیئے۔ اور تمام کارروائیاں اُسی طرح عمل میں آنی چاہئیں۔ جس طرح ہماری موجودگی میں ہوتی رہی ہیں۔ ہم نہیں چاہتے کہ ہمارے باہر جانے کی وجہ سے پایہ سلطنت میں کسی قسم کا اضطراب پیدا ہو جائے۔ ہماری سلطنت کے ایک ایک کونے میں امن ـــــ امن اور صرف امن کی حکومت ہونی چاہیئے خواہ اسے حاصل کرنے کے لئے ہمیں خون کی ندیاں کیوں نہ بہانا پڑیں۔ تمام بدکرداروں، دہشت پسندوں اور سلطنت کے امن و امان میں اضطراب پیدا کرنے والوں کو شہنشاہ دارا اور عقلِ کل کے معبد کے سب سے بڑے پجاری کے نام سے لرزہ براندام رہنا چاہیئے۔ الوداع زرنشت! میرے بہترین دوست اور فہیم ترین مشیر! الوداع! میں تمہارے ہاتھوں میں اپنا سب کچھ

سونپے جاتا ہوں۔ سلطنت کی مہر اپنے ہاتھوں میں لو اور اُس وقت تک دانائی سے کام کرتے رہو جب تک ہم واپس نہ آجائیں"

زرتشت نے مہر شاہی کو ہاتھوں میں لے لیا اور جھک کر آداب بجالایا۔ دارا نے گھوڑے کی پسلیوں کو اپنی رانوں سے دبایا اور شریف النسل گھوڑا تیر کی طرح فراخ سڑک پر ہولیا۔ اسپ سوار محافظین نے اپنے اپنے نیزے سنبھالے۔ راسیں سمیٹ کر ہاتھوں میں پکڑیں اور چار چار کی قطاریں کندھے سے کندھا اور گھٹنے سے گھٹنا ملائے تیزی سے بادشاہ کے پیچھے ہولئے۔ ان کے چمک دار زرہ بکتر اور آئینے کی طرح صاف خود دوپہر کی تیز روشنی میں شعلوں کی طرح چمک رہے تھے۔ چند لمحوں کے اندر اندر مجاہدین کا یہ جتھا دُور افق میں ایک لہریں لیتی ہوئی نور کی ندی کی طرح نظر آنے لگا۔ اور وہ سفید ریت جو اُن کے بادپا گھوڑوں کے مضبوط سُموں سے ہوا کے سینے میں بکھر گئی تھی دھیرے دھیرے خاموشی سے اُن رنگین پھولوں اور باصرہ نواز پتوں پر بیٹھ گئی جو باغ کی فصیل پر موجود تھے۔

زرتشت چند لمحوں کے لئے بہادر شہسواروں کی طرف دیکھتا رہا اور آخر اپنے پجاریوں کے ساتھ محل میں آگیا۔

آتوسہ اور نہشتہ اپنے اپنے کمروں میں کی کھڑکیوں میں منقش پردوں کی اوٹ میں کھڑی شاہِ معظم کو جاتے ہوئے دیکھ رہی تھیں۔ آتوسہ اس عجیب و غریب اثر سے قدرے آزاد ہو گئی تھی جو زرتشت کی خوفناک آنکھوں نے اس کے سراپا پر پیدا کر دیا تھا۔ اور جب اس نے دیکھا کہ دارا زرتشت کو محل میں تنہا چھوڑ کر چلا گیا ہے تو اس کی جرأت پھر جوان ہو گئی۔ اس نے ارادہ کر لیا کہ خواہ کچھ ہو جائے وہ اپنے آپ کو بڑے پجاری کی اس

جناتی قوتوں کے مقابلے میں ناکام رہے گی۔ اور جب اس کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہوا کہ وہ اس سب کے باوجود زرتشت کو تباہ کر کے ہمیشہ کے لئے اس کی غیر فطری قوتوں سے نجات پانے کی امید کر سکتی ہے تو اُسے اپنے آپ پر ہنسی آگئی۔ اسے حیرت تھی کہ وہ ایسے آدمی کے ساتھ محبت کرنے کا خیال کس طرح کر سکی لیکن چند لمحوں کے بعد وہ یہ سب کچھ بھول گئی۔ اور اپنے حبشی نژاد غلام کو بلا کر اُسے اُس آخری کارگزاری کے لئے بھیج دیا جس کا انعام اس کی آزادی تھا۔

لیکن نہشتہ متفکر آنکھوں سے محافظین کے دستے کو جاتا ہوا دیکھتی رہی۔ وہ کوشش کر رہی تھی کہ جب تک ممکن ہو سکے وہ بادشاہ کو دیکھتی رہے لیکن چند لمحوں کے اندر اندر یہ سب مل کر ایک متحرک نور میں بدل گئے۔ اور پھر فوراً بعد ہی بڑھتے ہوئے غبار نے ان سب کو اپنے آغوش میں لے لیا۔ خواہ نہشتہ کو اس سے محبت تھی یا نہیں۔ تاہم یہ ایک حقیقت تھی کہ بادشاہ نہشتہ سے ہمیشہ باوفا رہا تھا۔ اور آج ہی جانے سے پہلے اس نے اپنا سیاہ فام چہرہ اس کے کندھے پر رکھ کر اُسے یقین دلایا تھا کہ وہ دنیا کی سب عورتوں سے زیادہ نہشتہ ہی کو چاہتا ہے۔ لیکن اس کا دل کچھ اور چاہتا تھا۔ اور جب دل کی اس عجیب خواہش کی یاد اس کے دماغ میں دوبارہ پیدا ہوئی تو ایسا محسوس ہونے لگا کہ کسی سانپ نے اس کی روح میں اپنے تیز زہریلے دانت گاڑ دیئے ہیں۔ اس کا دل کیا چاہتا تھا؟ یہی نا کہ وہ ایک دفعہ صرف ایک دفعہ اپنا سر زرتشت کے سینے پر رکھ دے۔ سسکیاں لے لے کر روئے اور اپنے دل پر رکھے ہوئے غم کے بوجھ کو لفظوں کی صورت میں ظاہر کر کے چپکے سے آنکھیں موند لے ـــــ ایسی کہ دوبارہ بیدار نہ ہو!

(۱۹)

دارا کی روانگی سے چار روز بعد نہشتہ معمول کے مطابق شام کے وقت باغ میں چہل قدمی کر رہی تھی۔ باغ میں ایک جگہ ایسی بھی تھی جسے نہشتہ بہت چاہتی تھی۔ وہی جہاں باغ کی روش پھیل کر ایک چھوٹے سے گول چکر کی صورت اختیار کر لیتی تھی اور جس کے چاروں طرف گلاب اور چنبیلی کے بڑے بڑے پھول آغاز بہار کی نرم پرور ہواؤں میں اپنا عطر چھڑکا کرتے تھے۔ اور جہاں ننھی ننھی نازک نازک بیلیں اپنی خوبصورت پتلی پتلی باہیں محبت کے ایک بانکے انداز کے ساتھ پھولوں کے گلے میں ڈال دیتی تھیں۔ اس تختے کے اردگرد کی باڑ اتنی بلند تھی کہ سامنے کی ہر چیز اس کی اوٹ میں آجاتی تھی۔ شمال مشرقی پہاڑیاں اس باڑ کے سرے پر کچھ یونہی سی نظر آتی تھیں اور ان پہاڑیوں سے پرے نیلے آسمان کی بے کراں وسعتوں کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ جہاں غروب ہوتے ہوئے سورج کی آخری شعاعوں نے ایک طلائی چادر ڈال دی تھی۔ اسی سورج کے لمبے لمبے ہاتھوں نے رس بھری کی جھاڑیوں کے پتوں پر بھی سنہلا پانی پھیر دیا تھا۔ اور گلاب کے بڑے بڑے پھولوں کو جو ذرا بلندی پر واقع تھے گہرے طلائی رنگ میں رنگ دیا تھا۔ تمام پرندے یک زبان ہو کر الوداعی گیت سنا رہے تھے اور چھوٹے چھوٹے

بھنکے بجلی کی سی تیز رفتاری کے ساتھ سروں سے کچھ بلندی پر ایک دوسرے کا پیچھا کر رہے تھے۔

نہشتہ کو اس خطے سے محبت تھی کیونکہ آج سے ایک سال پہلے اس نے زرتشت کو یہیں بلایا تھا۔ اور اسی ہوا میں اس کے وہ الفاظ گونجے تھے جن کے ذریعہ سے اس نے محبت کا اعتراف کیا تھا۔ وہ ایک طرف کھڑی پرندوں کے گیت سنتی رہی۔ دور پہاڑیوں کی چوٹیوں پر سورج کے گہرے سرخ رنگ کو عجلت سے گلابی ہوتا دیکھتی رہی۔ گرم ہوا کے لمبے لمبے سانس لے لے کر ٹھنڈی ٹھنڈی آہیں بھرتی رہی۔ اب اس کے سینے میں وہی تمنا مچل رہی تھی جو ہر رات مچلا کرتی تھی ــــ کاش شام کا یہ دھندلکا رات کی تاریکی میں تبدیل ہو جائے اور پھر سورج کبھی طلوع نہ ہو۔

وہ دارا کے جانے کے بعد تقریباً تنہا رہی تھی۔ وہ آٹوسہ سے ملنا نہیں چاہتی تھی اور ہمیشہ اُس سے الگ الگ رہنے کی کوشش کرتی تھی۔ زرتشت کو بلانے کی اس نے کبھی کوشش نہیں کی تھی۔ کیونکہ زرتشت ملک کے نظم و نسق میں ہمہ تن محو تھا۔ اب محل میں دعوتیں بھی نہیں ہوتی تھیں۔ اس لئے دونوں بیگمیں ایک دوسرے سے الگ تھلگ اور درباریوں کے ہجوم سے بچ کر اپنی مرضی کے مطابق زندگی کے دن گزار رہی تھیں۔ آٹوسہ نے یہی مناسب سمجھا تھا کہ وہ دن رات اپنے کمرے کی تنہائیوں میں پڑی رہے اور نہشتہ بھی شام تک اپنے کمرے ہی میں بند رہتی۔ لیکن جب سورج افق مغرب کی آغوش میں جانے کی تیاریاں کرنے لگتا وہ باہر نکل آتی اور گلاب کے پھولوں میں چہل قدمی کیا کرتی یہاں تک

کہ چاند کی سیمیں کرنیں آسمان کی خاموش تنہا وادیوں کا ایک لمبا سفر طے کرتیں یا ٹمٹماتے ہوئے ستارے اپنی پوری تابانیوں کے ساتھ چمکنے لگتے اور باغ کے اس سرے سے لے کر اُس سرے تک بلبل کا غمناک نغمہ گونج اُٹھتا۔

آج بھی وہ اسی طرح باغ میں کھڑی آسمان کی ساکن تنہائیوں میں نگاہیں جمائے تک رہی تھی۔ اور اس کی کنیزیں کچھ فاصلے پر اس کے حکم کی منتظر کھڑی تھیں۔ وہ اسی طرح کھڑی دیکھ رہی تھی کہ روش پر کسی کے تیز قدموں کی چاپ سنائی دی اور باغ کے دروازے پر مستعد باندیاں یکدم سمٹ کر ایک طرف ہٹ گئیں۔ نہشتہ نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ آٹوسہ کے سامنے کھڑی تھی جو سیاہ لبادہ اوڑھے سر پر باریک ہندوستانی ململ کا دوپٹہ باندھے اُس سے ملنے کے لئے آئی تھی۔ اس کے دوپٹے کا کچھ حصہ اس کے نصف چہرے کو چھپائے ہوئے تھا۔ ان دونوں کو علیحدہ تخلیے میں ملے تقریباً ایک سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔ لیکن اس طویل مدت نے بھی نفرت و حقارت کے چہرے پر نقاب نہیں ڈالی تھی۔ نہشتہ نے اپنے جسم کو سیدھا کیا اور حقارت کے وہی پرانے تاثرات اس کے چہرے سے ظاہر ہونے لگے۔ وہ غضبناک لہجے میں اس کا یہاں آنے کا سبب پوچھنا چاہتی تھی کہ حسین ملکہ نے اپنی بات شروع کر دی۔ اپنے دشمن کے سامنے تن تنہا کسی محافظ کے بغیر آکر کھڑا ہو جانے کے باوجود اس کے لب و لہجہ سے تصنع آمیز دوستانہ رواداری کا شائبہ تک نہ تھا۔

"میں یہ پوچھنے آئی ہوں کہ کیا تم میرے ساتھ چلنے کو تیار ہو؟"

اس نے پوچھا۔

"کہاں؟ میں تمہارے ساتھ کیوں جانے لگی۔"

"میں محل سے اُکتا گئی ہوں۔ میں شاید شوشان چلی جاؤں کم از کم بادشاہ سے قریب ہو جاؤں گی۔ آج میں اُس قلعے میں کچھ آرام کروں گی۔"

نہشتہ نے بے توجہی سے اُس خوبصورت عورت کی طرف دیکھا جو اپنے لباس اور دوپٹے میں لپٹی ہوئی تھی۔

"مجھے اس سے کیا خواہ تم دنیا کے آخری کونوں تک بھٹکتی پھرو یا یہیں پڑی سڑا کرو۔ مجھے تم سے تعلق ہی کیا ہے۔"

"میں یہ چاہتی تھی کہ مجھے معلوم ہو جائے کہ تم میرے ساتھ چلنا چاہتی ہو یا نہیں۔ ورنہ مجھے اس سوال کی ضرورت ہی نہ تھی۔ مجھے خوف ہے تم یہاں اکیلے میں داس ہو جاؤ گی ——— تو نہیں چلو گی میرے ساتھ۔"

"میں پھر پوچھتی ہوں کہ تم یہ بات مجھے کیوں کہنے آئی ہو؟ مجھے تمہارے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔" نہشتہ نے اپنا لبادہ اپنے جسم پر لپیٹتے ہوئے کہا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ جانا چاہتی ہے۔

"اگر شاہِ معظم یہاں ہوتے تو وہ تمہیں چلے جانے کا حکم دیتے۔" آڈوسہ نے اپنے دشمن کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ دیکھنا میرا کام ہے کہ شاہِ معظم میرے لئے کیا مناسب خیال فرماتے ہیں تمہارا کام نہیں ہے۔ مجھ پر مہربانی کرو اور جہاں تمہارا جی چاہے جاؤ ——— مجھ سے کیا؟"

"تم نہیں جاؤ گی" ملکہ کی آواز قدرے نرم پڑ گئی۔ اور تین مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر بکھر گئی۔ نہشتہ غضبناک ہو کر اس پر برس پڑی۔

"—— اگر تم جانا چاہتی ہو تو جاؤ۔ مجھے تمہاری کوئی ضرورت نہیں ہے"

"تمہیں میرے جانے کی خوشی تو ہوئی ہوگی؟" آٹوسہ نے نرمی سے پوچھا۔

"ہاں میں خوش ہوں —— ویسی ہی خوشی جیسی تمہیں ہو رہی ہو۔ کاش تم آج سے بہت پہلے ہمیشہ کے لئے کہیں مر گئی ہوتیں"

"تمہیں خوشی ہے کہ میں تمہارے عاشق کے پہلو میں تمہیں تنہا چھوڑے جاتی ہوں، قدرتی بات ہے"

"میرا عاشق" نہشتہ نے چلا کر کہا۔ اس کا غصہ اس کی آنکھوں میں شعلے بن کر چمک اٹھا تھا۔

"ہاں تمہارا عاشق۔ وہی دبلا پتلا۔ مریل سا سفید بالوں والا بڑا پجاری جو کسی زمانے میں زرتشت تھا —— تمہارا پرانا عاشق —— تمہارا بدنصیب پرانا عاشق"

نہشتہ نے چند لمحوں میں اپنے غصے پر قابو پالیا۔ اُسے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ اس عورت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینا چاہتی ہے۔ لیکن اس نے ضبط کیا اور بصد دقت غصے پر قابو پالیا۔

"میری دعا ہے کہ وہ اہرمنی قوتیں جن میں سے تم بھی ایک ہو تمہارے اس جھوٹ کو تمہارے گلے ہی میں گھونٹ دیں"

یہ کہتے وقت اس کی نظریں آٹوسہ سے پرے دیکھنے لگیں۔ دروازے پر چند حبشی غلاموں اور باندیوں کا ایک کثیر مجمع کھڑا تھا جس سے نہشتہ کو معلوم ہو گیا کہ آٹوسہ دفاعی تدبیر کئے بغیر اس سے ملنے کے لئے نہیں آئی۔

"میں سمجھ گئی ہوں کہ تم اب بھی ویسی ہی احمق ہو جیسی تم ہمیشہ سے تھیں" بڑی

ملکہ نے کہا۔ دفعتہً دُور پہاڑیوں پر سے ایک عجیب غیر انسانی آواز سُنائی دی۔ ایک ایسی آواز جو اُس گرج کی آواز سے مشابہ تھی جو اپنے جوڑے کو کسی نعش پر دعوت دے رہا ہو۔ ایک ہیبت ناک مکروہ آواز جو وادی کے چاروں طرف گونج اُٹھی جس سے خاموش فضا میں ایک رونگٹے کھڑے کر دینے والا ارتعاش پیدا ہو گیا۔ اور آخر یہ آواز ویسی ہی سرعت کے ساتھ ہوا میں ہچکولے لیتی ہوئی شام کی اداس خاموشیوں میں ڈوب گئی۔

نہشتہ چونک سی پڑی۔ ممکن تھا کہ یہ آواز کسی بھیڑیئے کی ہو۔ یہ بھی ممکن تھا کہ کوئی جنگلی جانور پہاڑیوں پر سے دھاڑتا ہوا گزر گیا ہو لیکن نہشتہ نے آج تک ایسی آواز نہ سُنی تھی لیکن اس خوفناک آواز کا اثر آٹوسہ پر مطلقاً نہیں ہوا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر پہلے سے کہیں زیادہ مٹھاس اور کہیں زیادہ دلفریب مسکراہٹ کھیل گئی ——— اُن خوبصورت ہونٹوں پر جو تین بادشاہوں کے پُرجوش ہونٹوں کے بوسے لیتے تھے۔ جن سے آج تک کسی مرد، عورت یا بچے کے لئے سچی ہمدردی یا رحم کا ایک لفظ ادا نہ ہوا تھا۔

"تو پھر الوداع نہشتہ!" اس نے کہا "اگر تم میرے ساتھ جانا پسند نہیں کرتیں تو مت جاؤ ——— اپنے عاشق کے پاس تنہا رہو۔ وہ آواز سنی تھی تم نے؟ یہ تقدیر کی پکار تھی۔ الوداع احمق لڑکی! اور خدا کرے کہ تمہاری موت کے وقت دنیا کے سارے مصائب تمہارے ساتھ ہوں"۔

"جاؤ یہاں سے" نہشتہ نے دفعتہً مڑ کر غیظ و غضب سے لرزتے ہوئے کہا۔

آٹوسہ ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔

"میرے یہاں ٹھیرنے میں تمہیں تعجب کرنے کی ضرورت نہیں ——— میرا خیال تھا کہ اب تم ہمیں تکلیف کا احساس باقی نہیں رہا۔ اگر میرے پاس وقت ہوتا تو

میں تمہیں دکھ دینے کا کوئی نہ کوئی راستہ ضرور نکال لیتی ـــــ تم سخت احمق عورت ہو۔"
نہشتہ لپک کر اس کی طرف بڑھی۔ گویا اپنے ہاتھوں سے اُسے ایک کبھی نہ بھولنے والا سبق دیا چاہتی ہے لیکن آٹوسہ نے جو غضبناک یہودن کے سامنے سے ہٹ گئی تھی، برق کی سی تیزی سے اپنے لبادے کے اندر سے وہی خنجر نکالا جو آج سے کچھ عرصہ قبل اس نے نہشتہ ہی کے ہاتھوں سے چھینا تھا۔ نہشتہ نے جب چمکدار خنجر کو اپنے سینے کے مقابل دیکھا تو یکدم رُک گئی۔ لیکن آٹوسہ نے خنجر چند لمحوں تک ہوا میں بلند رکھنے کے بعد اس کے قدموں کے قریب گھاس پر پھینک دیا۔

"یہ لو" اور اس کی آواز میں جو چند لمحے قبل اتنی دلفریب اور اتنی میٹھی تھی یک دم ایک غیر فطری نفرت اور انتہائی غیظ و غضب کے آثار نظر آنے لگے "سنبھالو اپنی چیز مجھے اس سے سخت نفرت ہے۔ کیونکہ اس میں سے تمہارے ہاتھوں کی بو آرہی ہے مجھے ہر اُس چیز سے بَیر ہے جس کے ساتھ تمہارا ذرہ برابر بھی تعلق ہو۔

وہ دفعتہً پلٹی اور اپنے غلاموں کے ہجوم میں غائب ہو گئی۔ یہ غلام اس کے ساتھ ساتھ تیزی سے قدم اُٹھاتے ہوئے باغ سے جانے والے راستے پر چل دیئے۔

باتوں ہی باتوں میں مغربی آسمانوں میں غروب ہوتے ہوئے آفتاب کی عنابی شعاعیں اشام کے دھندلکے میں تحلیل ہو چکی تھیں اور دنیا پر اندھیرا مسلط ہوتا جاتا تھا نہشتہ اسی اندھیرے میں اپنے دشمن کو جاتے ہوئے دیکھنے کی کوشش کرتی رہی۔

نہشتہ اسی طرح اپنے غصے کی شدت سے منجمد ہو کر جہاں کھڑی تھی نہ جانے کب تک وہیں کھڑی رہی کہ دفعتہً وہی بھیانک آواز سیاہ پہاڑیوں میں بلند ہو کر قلعے کے در و دیوار میں گونج اُٹھی اور پھر خاموشی میں بدل گئی۔

نہشتہ کی کنیزیں جو دہشت کی شدت سے کھڑی کانپ رہی تھیں قدرے آگے بڑھیں اور اپنی مالکہ کے اردگرد ہو گئیں۔

"یہ سب کیا ہو رہا ہے"۔ ملکہ نے دھیمی آواز میں کہا۔ کیونکہ خود اس کا اپنا دل کسی آنے والے فوری خطرے کے احساس سے کانپ رہا تھا۔ "یہ تمہاری تقدیر کی پکار ہے"۔ آٹوسہ نے کہا تھا اور حقیقت یہ ہے کہ یہ آواز آنے والی موت کے فاتحانہ نعروں سے مشابہ تھی!

"یہ پہاڑی درخش ہے"۔ ایک نے کہا۔

"بھیڑیئے دھاڑ رہے ہیں"۔ "راغراز کی رہنے والی نے کہا۔

"آنک کے بچوں کا جنگی نعرہ اسی قسم کا ہوا کرتا ہے"۔ ایک پستہ قامت اسیرن عورت نے کہا۔ اور اس کے دانت خوف کی شدت سے بجنے لگے۔

وہ ڈر کے مارے بغلیں جھانکتیں اور اپنی مالکہ کے قریب سمٹی ہوئی یہ آواز سن رہی تھیں۔ کہ دفعتہً گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز گونج اٹھی۔ آٹوسہ اپنے متعلقین کے ساتھ قلعے کی طرف تیزی سے چلی جا رہی تھی۔

نہشتہ نے دفعتہً اپنی کنیزوں کو اپنے قریب سے دھکیل کر پرے ہٹا دیا اور محل کی طرف بھاگ نکلی۔ اس کی کنیزیں اس کے پیچھے پیچھے بھاگ کھڑی ہوئیں ان میں سے ایک نے جھک کر ہندوستانی خنجر پکڑ لیا۔ اور اپنے لبادے میں چھپا لیا۔ بھیانک حقیقت اپنی ساری ڈراؤنی جزئیات کے ساتھ یکدم نہشتہ کے ذہن میں آ گئی۔ کوئی مسلح فوج اس کی ہستی کو کچل دینے کے لئے پہاڑیوں پر جمع ہو رہی تھی۔ اور آٹوسہ اپنے دشمن کو آخری لمحوں تک تکلیف دینے کے بعد ایک

محفوظ مقام پر چلی گئی تھی لیکن اس حقیقت کے اس فوری انکشاف کے ساتھ ہی نہشتہ کے ذہن میں ایک خیال پیدا ہوا۔ زرتشت کو ڈھونڈ نکالنا اور اُسے اس آنے والی مصیبت سے آگاہ کر دینا اس کا فرض تھا۔ اب بھی شاید ان دونوں کو بھاگ نکلنے کا وقت مل جائے۔ کیونکہ یہ سب کیا دھرا آٹوسہ ہی کا تھا۔ اس لئے اُسے حملے کے وقت کا پورا علم ہوگا۔ اور ابھی اُسے سڑک پر گئے زیادہ دیر نہ گذری تھی۔

وُہ باغ میں سے بھاگتی ہوئی سیڑھیوں پر چڑھ کر برآمدے میں پہنچ گئی۔ غلام بڑے آرام سے اِدھر اُدھر ٹہلتے ہوئے شمعیں روشن کر رہے تھے۔ پہاڑیوں پر کی غیر فطری آواز ان کے کانوں تک شاید پہنچی ہی نہ تھی۔ اور اگر کوئی دھیمی سی گونج سنائی دی بھی ہو تو اُنہوں نے اس کی طرف توجہ ہی نہیں کی تھی۔

نہشتہ بھاگتے بھاگتے ہانپ گئی تھی۔ وہ برآمدے میں آکر قدرے رُک گئی۔ جب اُسے اُس جگہ کے مکمل سکون و سکوت کا احساس ہوا جہاں غلام اپنے روز کے فرائض اتنے اطمینان سے انجام دے رہے تھے گویا کچھ ہوا ہی نہیں یا ہونے والا ہی نہیں تو نہشتہ کو ایسا محسوس ہونے لگا کہ یہ سب کچھ اُس نے خواب میں دیکھا تھا۔ یہ ناممکن امر تھا کہ ایسے اہم اور خطرناک حادثے کی خبر اُن لاتعداد غلاموں میں سے کسی کو بھی نہ ملی ہو۔ جو بیرونی صحنوں اور برآمدوں میں بکھرے پڑے تھے۔ اس علاوہ محل میں ہزاروں پاسبان اور بے شمار افسر موجود تھے جو سلطنت کے کاموں سے متعلق تھے۔ ان میں سے کچھ وہ امرأ

تھے جن کو دارا اپنے بعد سلطنت کے انتظام کے لئے چھوڑ گیا تھا۔ محل کے لاتعداد حصّوں اور عمارت کے زیریں حصّوں میں سپاہیوں اور افسروں کی بیویاں اور اُن کے خاندان رہتے تھے۔ اس کے علاوہ پارسی محافظوں کا ایک مضبوط دستہ محل کے دروازوں پر متعیّن تھا۔ اگر خطرہ ہوتا یا خطرے کا امکان محسوس ہوتا تو ان میں سے کسی نہ کسی کو ضرور خبر ملتی۔

وہ نہیں جانتی تھی کہ نچلی عمارتوں میں رہنے والوں کو خطرے کا احساس ہو چکا تھا۔ اور ان میں سے بعض اپنا گھر بار چھوڑ کر دُور وادی میں استادہ قلعے کی حفاظت میں جانے کی تیاری کر چکے تھے۔ وہ جہاں تھی وہاں کی ہر چیز مطمئن اور پُرسکون تھی۔ اس لئے نہشتہ نے تن تنہا زرنشت کو ڈھونڈنے کا عہد کر لیا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ بے قراری یا پریشانی کا اظہار کر کے اس پُرسکون فضا میں خلل پیدا کرے۔ جونہی وہ بڑے ہال کے دروازے پر پہنچی وہی دہشت آفریں آواز پھر گونج اُٹھی۔ اس آواز کو سُن کر وہی خوف دوبارہ اس کے قلب و روح پر مسلّط ہونے لگا۔ لیکن نہشتہ نے انتہائی کوشش سے اس خوف کو دبایا۔ اور جس طرح بھی اُس سے بن پڑا اطمینان کا اظہار کرتی ہوئی جھکے ہوئے غلاموں کی لمبی قطاروں کے درمیان سے گزرتی گئی۔ اور آخر اندرونی کمرے کے دروازے پر پہنچ گئی۔ جہاں بلند قامت پاسبانوں نے فوجی شان کے ساتھ اپنے نیزے زمین پر ٹیک دیئے۔

اس کے پاس ایک ہی کنیز ایسی تھی جس پر اُسے مکمل اعتماد تھا۔ وہ وہی پستہ قامت اسیر بن عورت تھی جو اپنی طبیعت کے اعتبار سے نصف

یہودن تھی۔

"جا" نہشتہ نے اپنی زبان میں کہا۔ "تو ایک طرف جا اور میں دوسری طرف جاتی ہوں۔ زرتشت کو ڈھونڈ کر میرے کمرے میں لے آ۔ اگر وہ مجھے نہ ملا تو میں اپنے کمرے میں تیرا انتظار کرونگی"۔

سیاہ فام لڑکی مڑی اور شکاری کے خوف سے سہمے ہوئے راج ہنس کی سی تیزی کیساتھ بڑے کمروں میں سے گزرتی چلی گئی۔ نہشتہ بھی دوسری طرف ہولی۔ اس کے ذہن میں اب بھی اس کی دشمنی کے الفاظ گونج رہے تھے۔ "اپنے محب کے ساتھ تنہا"، شاید یہی جملہ دربار میں عام ہو چکا ہو۔ اور اسے اس کے متعلق کچھ خبر نہ ملی ہو۔ اسی خیال میں مستغرق نہشتہ آہستہ آہستہ اپنے راستہ پر چلتی رہی وہ زرتشت کی جائے قیام سے واقف تھی۔ اور آخر وہ سادہ وضع کے کمرے میں پہنچ گئی جہاں پارسی سلطنت کا بڑا پجاری رہتا تھا۔ کمرے کا معمولی سا پردہ ایک طرف پڑا تھا۔ اور ایک چھوٹا سا چراغ اپنی دھندلی روشنی سے کمرے کی تاریکی پر غلبہ پانے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔ کمرہ خالی تھا۔ اور ایک کھلا کاغذ سرخ رنگ کے گدے کے قریب پڑا تھا۔ زرتشت کا سفید لبادہ اُس پلنگ پر پڑا تھا جس پر وہ لیٹا کرتا تھا۔

نہشتہ محبت آمیز نظروں سے چند لمحوں کے لئے اُس چھوٹے سے کمرے کو دیکھتی رہی اور پھر اُن وسیع برآمدوں میں سے ہوتی ہوئی دوسری طرف چل کھڑی ہوئی۔ جنہیں چھوٹے چھوٹے روغنی چراغ دھندلی دھندلی روشنی بکھیر رہے تھے۔ اُس نے دارا کے ایوانِ خاص کو بھی دیکھا۔ لیکن وہاں بھی کوئی متنفس موجود

نہ تھا۔ البتہ قطار در قطار نشست گاہیں چراغوں کی دھندلی روشنی میں چمک رہی تھیں۔ اور دُور بلند کرسی پر سونے چاندی اور ہاتھی دانت کا بنا ہُوا تخت بچھا تھا۔ جس پر بادشاہ مشورہ کے وقت بیٹھا کرتا تھا۔ اس سے کچھ پُور خزانے کے دروازے پر چار لمبے تڑنگے مضبوط نیزہ بردار کھڑے پہرہ دے رہے تھے۔ اور جب ملکہ اُن کے قریب سے ہو کر گزری تو اُنہوں نے اپنے نیزے زور سے زمین پر دے مارے۔ لیکن نہشتہ نے دیکھ لیا۔ کہ عظیم الجثہ زنجیریں چڑھی تھیں اور ان پر بڑے بڑے تالے اپنی اپنی جگہ پر موجود تھے۔ اندر کوئی شخص نہ تھا۔ برآمدے کے دوسرے سرے پر چند امراء کھڑے آپس میں گپیں ہانک رہے تھے۔ اور اُس وقت کا انتظار کر رہے تھے جب لذیذ کھانے ان کے خوبصورت پُر تکلف دسترخوانوں پر چُنے جائیں گے۔ کھانے کے کمرے کے دروازے چوپٹ کھُلے تھے اور دم بدم بڑھتی ہوئی رات کی ٹھنڈی ہوائیں کمرے میں آجا رہی تھیں۔ جب ملکہ ان امراء کے قریب سے ہو کر گزر گئی تو یہ بلند مرتبت رئیس جھک کر آداب بجا لائے۔ لیکن انہیں ملکہ کو اس وقت یہاں دیکھ کر سخت حیرت ہوئی تھی۔ ملکہ نے ان کے آداب کے جواب میں سر کو خفیف سی جنبش دی اور پورے سکون اور اطمینان کا اظہار کرتی ہوئی ان کے قریب سے گزر گئی۔ گویا اُسے کسی غیر معمولی ابتری کا احساس ہی نہیں ہے۔

اسی طرح آہستہ آہستہ قدم دھرتی اور دائیں بائیں دیکھتی ہوئی وہ محل کے اس حصے میں سے گزر کر اپنے کمرے میں آگئی۔ اس تلاش میں اُسے زرتشت تو کیا کوئی پجاری بھی نظر نہیں آیا تھا۔ یہ یقینی امر تھا کہ زرتشت محل کے

اس حصے میں نہیں ہے۔ اپنے کمرے میں پہنچ کر نہشتہ نے اسیرین کنیز کو دیکھا۔ لیکن وہ بھی ابھی تک نہیں آئی تھی۔

نہشتہ انتظار اور شک و شبہ کی اس کشمکش کو زیادہ دیر تک برداشت نہ کر سکی۔ اور اس نے فوراً ہی بعد بڑے پجاری کو تلاش کرنے کے لئے دوسری کنیز بھیج دی ـــــ مادیا کی رہنے والی ایک عورت جو آلبانتا میں بھی اس کے ساتھ رہتی تھی۔

ایسا محسوس ہوتا تھا کہ لمحے پھیل کر گھنٹے بن گئے ہیں۔ نہشتہ سر تھام کر بیٹھ گئی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ رنج اور فکر کی شدت اس کا دماغ پھاڑے دیتی ہے۔ اور سیاہ فام پنکھا کش لونڈی نے یہ سمجھا کہ مالکہ گرمی کی شدت سے بے تاب ہیں۔ اس لئے وہ تیزی سے پام کا پنکھا جھلنے لگی۔ اس نے اپنی دوسری کنیزوں کو باہر بھیج دیا اور خوشبودار شمعوں کی روشنی میں تن تنہا بیٹھی رہی۔ درد و کرب کا ایک مجسمہ!

اس کا خنجر اُسے پکار پکار کر کہتا تھا کہ وہ کسی ناگہانی اور قاتلانہ مصیبت میں گرفتار ہو چکی ہے۔

پہاڑی پر سے گونجی ہوئی اُن تین دہشت افزا آوازوں نے اُسے لرزہ براندام کر دیا تھا۔ اور محل کا ظاہری سکوت و جمود اس خوف کو اطمینان میں بدل دینے سے قاصر تھا۔ جب اُسے اُس آواز کا خیال آجاتا تو وہ سر سے پاؤں تک کانپ جاتی۔ ایک پُراسرار خوف اس کی رگ رگ میں دوڑ جاتا اور وحشیانہ شدت سے اس کے خون کو منجمد کر دیتا۔

"اپنے محبّب کے ساتھ تنہا رہو" ـــــ "یہ تمہاری تقدیر کی پکار ہے"
آٹوسہ کے الفاظ اس کے کانوں میں گونجتے رہے۔ اور جب اس نے اپنی خوفناک
دشمن کے اُن زہریلے طعنوں پر غور کیا تو اُسے ایسا محسوس ہونے لگا۔
کہ یہ الفاظ اس کی ذلّت آمیز موت کی پیشین گوئی ہیں۔ اس کا خون پہلے سے بھی
زیادہ کھولنے لگتا۔ آخر وہ زیادہ دیر تک بیٹھ بھی نہ سکی۔ اور بے چینی کے عالم میں
کمرے میں اِدھر اُدھر پھرنے لگی۔ کیا وہ کبھی بھی نہ لوٹینگی ـــــ وہ مُستعد
منحوس کنیزیں؟

پنکھا کش کنیز نے اپنی مالکہ کے ساتھ ساتھ رہنے کی کوشش کی۔ اس کی
سُرخ چھوٹی چھوٹی آنکھیں نہشتہ کی ہر حرکت کا بغور جائزہ لے رہی تھیں۔
لیکن نہشتہ نے پریشان ہو کر اُسے ہاتھ کے اشارے سے پرے ہٹ جانے
کو کہا۔ اور وہ اُس کرسی کے قریب جا کر کھڑی ہو گئی۔ جہاں نہشتہ بیٹھی تھی۔
پام کا پتا اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس وقت مادیا کی رہنے والی کنیز کمرے میں
داخل ہوئی۔

"کہاں ہے وہ؟" نہشتہ نے دفعتہً اس کی طرف مڑتے ہوئے پوچھا۔
کنیز جُھک کر آداب بجا لائی اور کانپتی ہوئی آواز میں بولی۔ "کہا جاتا ہے کہ بڑا
پجاری اب سے دو گھنٹے قبل ملکہ آٹوسہ کے ہمراہ محل سے باہر چلا گیا ہے"۔
"کہا جاتا ہے" وہ جھوٹ بکتی ہو تم!" نہشتہ نے چلا کر کہا اور اس کا رنگ موم
طرح سفید پڑ گیا۔ کنیز خوف سے چیخ کر سیدھی کھڑی ہو گئی۔ اور دروازے
کی طرف بھاگی۔ اس نے آج تک اپنی مالکہ کو غصّے کی اس خوفناک حالت میں نہیں

دیکھا تھا۔ لیکن نہشتہ نے اُسے واپس بلا لیا۔

"اِدھر آؤ ——— اور کیا خبر لائی ہو؟" اس نے حتے الامکان ضبط کرتے ہوئے پوچھا۔

"یہ افواہ گرم ہے کہ مشرقی صحرا کے وحشی شہسوار پہاڑیوں پر سے حملہ کر رہے ہیں۔" کنیز نے جلدی سے جواب دیا۔ وہ ہانپ رہی تھی۔ "سب بھاگے جا رہے ہیں ——— ہر جگہ ابتری پھیلی ہوئی ہے ——— مجھے اب بھی سپاہیوں کے اِدھر اُدھر بھاگنے کی آوازیں سنائی دے رہی ہیں ———"

وہ ابھی یہ سب کچھ سُنا ہی رہی تھی کہ کمرے کے پردوں میں سے غلغلہ سنائی دینے لگا۔ اِدھر اُدھر تیزی سے بھاگتے ہوئے ہجوم کے پاؤں کی آواز سہمے ہوئے مردوں کی بلند آوازیں اور ڈری ہوئی عورتوں کی چیخیں آپس میں مدغم ہو کر ایک سمع خراش شور کی صورت میں بلند ہو رہی تھیں۔ جو دم بہ دم بڑھتا جا رہا تھا۔

عین اس وقت اسیرین کنیز آئی۔ اس نے اندر داخل ہوتے وقت دروازے کے پردوں کو کھینچ کر پرے ہٹا دیا۔ اور نہشتہ کے پاؤں میں گر کر اس کی ٹانگوں سے لپٹ گئی۔

"بھاگو ——— بھاگئے ——— پیاری مالکہ" اس نے پکار کر کہا ——— "پہاڑیوں کے شیطان ہم پر امڈ آئے ہیں ——— وہ پہاڑی کے چپے چپے پر چھا گئے ہیں ——— ہر دروازے پر پہنچ گئے ہیں۔ محل کے نچلے حصّوں میں سہمنے والے بھیڑ بکریوں کی طرح کاٹے جا رہے ہیں ———"

"زرتشت کہاں ہے"، جب خطرہ اپنے معراج پر پہنچ گیا۔ نہشتہ کو سکون مل گیا اور اس کا دماغ آئینے کی طرح صاف ہو گیا۔

وہ دوسرے پجاریوں کے ساتھ معبد میں ہے ـــــ اب تک ضروری بات ہے کہ وہ قتل کر دیا گیا ہو ـــــ انہیں کچھ بھی معلوم نہیں کہ محل میں کیا قیامت نازل ہوئی ہے ـــــ بھاگئے۔ بھاگئے"۔ اسیرین لڑکی نے خوف کے شدید کرب سے چلا کر کہا۔

نہشتہ نے محبت سے ننھی کنیز کے سر پر ہاتھ رکھا۔ اور اُس اطمینان و سکوت کے غرور میں جو اُسے اب میسّر آ گیا تھا پلٹ کر دوسری کنیزوں کی طرف دیکھا جو خوف کی شدت سے سمٹ سمٹ کر اس کے اردگرد جمع ہو رہی تھیں۔ ان میں سے بعض گھبراہٹ کے عالم میں ہانپ گئی تھیں۔ اور بعض انتہائی ڈر سے مغلوب ہو کر سسکیاں بھرنے لگی تھیں۔

"وہ لوگ کس طرف آ رہے ہیں" اس نے پوچھا۔

"پہاڑیوں پر سے ـــــ وہ ہزاروں کی تعداد میں پہاڑیوں پر سے اُتر رہے ہیں ملکۂ عالیہ!" نصف درجن عورتوں نے یک زبان ہو کر پکارا اور باقی عورتیں بھیڑوں کی طرح ممنا تیں اور بلکتیں اس کے اردگرد سمٹ گئیں۔

"تم سب اُس کھڑکی کی طرف جاؤ" نہشتہ نے تحکمانہ انداز میں کہا۔ اس میں سے برآمدے کی چھت پر کود جاؤ ـــــ یہ صرف ایک مرد کی اونچائی پر ہے ـــــ اس چھت پر سے ہو کر اُس طرف نکل جاؤ جہاں بڑی دیوار ہے۔ دیوار پر بھاگتی رہو۔ یہاں تک کہ تمہیں اُترنے کے لئے کوئی جگہ مل جائے۔

باغ میں سے تمہیں شمال کی طرف جانے والی سڑک کے لئے نہایت آسانی سے راستہ مل سکتا ہے۔ اگر جلدی جاؤ گی تو صبح ہونے سے پہلے قلعے تک پہنچ جاؤ گی۔" اس نے کسی قدر نفرت سے کہا۔ کیونکہ اس سے پہلے کہ وہ انہیں پورا راستہ بتا دے آخری کنیز کھڑکی میں سے نیچے کود چکی تھی۔ اور نہشتہ برآمدے کے مرمریں فرش پر ان کے یکے بعد دیگرے گرنے کی آواز سن رہی تھی۔ وہ تنہا تھی لیکن جب اس نے آنکھیں جھکائیں تو اس کی نظریں ننھی اسیرین کنیز کی ملتجیانہ آنکھوں سے الجھ گئیں جو ابھی تک اس کے قدموں کے قریب بیٹھی اس کا چہرہ تک رہی تھی۔

"تم کیوں نہیں جاتیں ان کے ساتھ"، نہشتہ نے جھک کر ایک ہاتھ کنیز کے کندھے پر رکھتے ہوئے پوچھا۔

"باندی نے حضور کا نمک کھایا ہے ـــــ کیا موت سے ڈر کر یہ بھی بھول جاؤں؟" ننھی کنیز نے پوچھا۔

"جاؤ! بچی!" نہشتہ نے انتہائی نرم لہجے میں کہا۔ "ہم تمہاری وفاداری اور ایثار کوشی کی داد دیتے ہیں ـــــ تمہارے جیسی زندگی کو ضائع نہ ہونا چاہئے"

لیکن اسیرین کنیز سیدھی کھڑی ہو گئی اور جب اس نے ملکہ کو جواب دینے کے لئے زبان کھولی تو اس کی آنکھوں میں غرور کے شرارے چمک رہے تھے۔

"کنیز کو حضور نے خریدا ہے اور کنیز حضور کی باندی ہے۔ لیکن ان رگوں میں بھی مقدس اسرائیلیوں کا وہی خون دوڑ رہا ہے جو حضور کی رگوں میں موجود ہے۔ خواہ دنیا کا ہر متنفس حضور سے پیٹھ پھیر لے لیکن باندی یہ جرأت نہیں کر سکتی۔

بہت ممکن ہے کہ باندی حضور کی کوئی خدمت انجام دے سکے"۔

"تم بہت بہادر ہو" نہشتہ نے کہا اور کنیز کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ "مجھے زرتشت کے پاس جانا ہی ہوگا۔ تم یہیں رہو۔ ان پردوں میں چھپ جاؤ۔ اگر وہ تمہیں نقصان پہنچانے کے لئے آئیں تو اس کھڑکی میں سے بھاگ نکلنا!" وہ مڑی اور تیزی سے پردوں کو اُٹھا کر باہر چلی گئی۔ وہ نعش کی طرح مطمئن اور زرد رُو تھی!

محل کا شور و غوغا قدرے دھیما پڑ گیا تھا۔ اور عجیب و غریب ناقابل فہم چیخیں بلند ہونے لگی تھیں۔ کبھی کبھار وحشیانہ چیخ سنائی دیتی کبھی کسی دروازے کے گرنے کی آواز سنائی دیتی۔ پھر وہی لمبی خوفناک آواز سنائی دیتی جس میں چلانے اور بلبلانے کی آوازیں ملی ہوئی تھیں۔ جب نہشتہ نے جانے کے لئے پردہ اُٹھایا تو ایسا محسوس ہونے لگا کہ ان آوازوں نے مل کر اس کا استقبال کیا ہے۔

لیکن ننھی اسیرین کنیز نے چھوٹے سے ہندوستانی خنجر کے دستے کو مضبوطی سے داہنے ہاتھ میں پکڑ لیا اور چپکے سے اپنی مالکہ کے نقشِ قدم پر چل کر کھڑکی ہو گئی۔

(۲۰)

نہشتہ کسی بھوت کی طرح برآمدوں اور بڑے بڑے کمروں میں سے گزرتی چلی گئی۔ ابھی تک یہ ساری ابتری محل کی نچلی منزل تک ہی محدود تھی۔ لیکن خوفناک آوازیں بلند سے بلند تر ہوتی جاتی تھیں ـــــ زخمی عورتوں کی چیخیں اور زخمی مردوں کی آہ وزاری، تلواروں کے ٹکرانے کی کھنکھناہٹ اور کبھی کبھار ایک تیز کھٹ کھٹ کی آواز جس سے معلوم ہوتا تھا کہ بہت سے تیر نشانہ چوک جانے کی وجہ سے دیوار سے ٹکرا گئے ہیں۔

اُسے خوف تھا کہ چند ہی لمحوں میں جنگ کا یہ خونیں سیلاب سیڑھیوں سے ٹکرانے لگیگا۔ اور اُس تک پہنچ جائیگا۔ اس لئے وہ ان آوازوں کو سننے کے لئے نہ رُکی بلکہ سیدھی، تیزی سے قدم اُٹھاتی ہوئی بھاگتی چلی گئی۔ سیڑھیوں کی ڈیوڑھی کے قریب سے گزرتے وقت اس نے ایک بلند وحشیانہ چیخ سُنی۔ جو دفعتہً دم توڑتے ہوئے آدمی کی آخری ہچکی میں بدل گئی ـــــ یہ آواز اُف! نہشتہ سر سے پاؤں تک کانپ اُٹھی!

وہ خزانے کے قریب سے گزری۔ جہاں سے محافظ بھاگ چکے تھے اور ایک لمحے کے اندر اُن سیڑھیوں پر پہنچ گئی جو محل کے عقب میں معبد کی طرف جاتی تھیں۔ جہاں تک تاروں کی روشنی میں اس کی نظر کام کرتی تھی اُسے وہاں ابھی تک کچھ نظر نہیں آیا۔ دروازے بند تھے اور عظیم الجثہ عمارت جو اپنے سائے سے بھی کہیں تاریک، نظر آتی تھی۔ رات کی دھندلی روشنی بچھری ہوئی سی معلوم ہوتی تھی۔

نہشتہ دروازے پر پہنچ کر ٹھیر گئی اور کان لگا کر سننے لگی۔ شام کے بھجنوں کی آواز دھیمے دھیمے سنائی دے رہی تھی۔ سارے پجاری زرتشت کے ساتھ آنے والے خطرے اور محل کی ابتر حالت سے بے خبر مقدس آگ کے سامنے قربانی پیش کر رہے تھے ـــــ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنا مرثیہ کہہ رہے ہیں عظیم الہیت برنجی دروازے مضبوطی سے بند کر دیئے گئے تھے۔ نہشتہ نے اپنی انتہائی طاقت سے انہیں دھکیلا۔ لیکن ان میں بال برابر جنبش نہ ہوئی "دروازے کے درمیانہ حصے کی کیل کو دبایئے ملکۂ عالیہ!" ایک ننھی سی آواز نے اس کے کان میں کہا۔ نہشتہ نے چونک کر اپنے چاروں طرف دیکھا ننھی اسیرین کنیز سائے کی طرح اس کے قریب کھڑی تھی۔ ملکہ نے کنیز کے کہنے پر عمل کیا اور کیل کے چھوٹے سے گول سرے کو دبا دیا۔ دروازہ دھیرے دھیرے مکمل خاموشی کے ساتھ اپنے کابلوں پر گھوما اور کھل گیا۔ دونوں اندر داخل ہوئیں ننھی کنیز نے بڑی احتیاط سے اپنی پشت کی طرف دیکھا۔ اور دروازہ بند کر دیا۔ جس مصری صناع نے یہ دروازہ بنایا تھا ملکہ آتوسہ کی ایک

کنیز سے محبت کرتا تھا۔ اس نے دروازے کو کھولنے کا راز بھی اس کنیز کو بتا دیا تھا۔ ننھی اسیرین کنیز نے یہ راز اُسی کے منہ سے سُنا تھا اور اب تک اس کے ذہن میں موجود تھا۔

ایک دفعہ اندر داخل ہو جانے کے بعد نہشتہ تیزی سے دیواروں کے درمیان بھاگتی ہوئی معبد کے اندرونی کمرے میں پہنچ گئی اور چند لمحوں کے اندر اندر پجاریوں اور خود زرتشت کے سامنے پہنچ گئی۔ لیکن اسیرین کنیز نے جو دروازہ بند کرنے کے لئے رُک گئی تھی۔ ہزاروں قدموں کی چاپیں۔ خوفناک نعرے اور اسلحہ کی کھنکھناہٹ سُن لی۔ وحشی معبد کی طرف بھاگے آ رہے تھے۔

بھجن ایک خاص شانِ وقار کے ساتھ اُس آگ کے اردگرد بلند ہو رہے ہے جو کسی غیر فطری قوت کی مدد سے سیاہ پتھر پر جلتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ زرتشت آگ کے سامنے کھڑا تھا۔ اسکے ہاتھ دعا کیلئے آسمان کی طرف اُٹھے ہوئے تھے۔ اور اس کا موم جیسا سفید چہرہ اور برف جیسی سفید داڑھی چکا چوند پیدا کرنے والی روشنی میں چاند کی طرح دمک رہی تھی۔

سنز پجاری سیدھی قطار میں کھڑے تھے۔ ان کے ہاتھ بڑے پجاری کی طرح آسمان کی طرف اُٹھے ہوئے تھے۔ اور وہ ایک بلند شان دار سیدھا سادا بھجن گا رہے تھے۔ جس کی دلکش موسیقی در و دیوار کو مسخر کئے ہوئے تھی۔ لیکن نہشتہ نے بھاگ کر اپنی بے ہنگم چیخوں سے اس ملکوتی موسیقی میں خلل ڈال دیا۔

"بھاگو زرتشت! ——— ابھی وقت ہے۔ دشمن ہزاروں کی تعداد میں ہم پر پل پڑے ہیں ——— محل میں خون کے دریا بہ رہے ہیں۔ بہت تھوڑا

وقت ہے۔" یہ کہتے وقت وہ زرتشت کی طرف بھاگی اور اپنا ایک ہاتھ اس کے کندھے پر رکھ دیا۔

لیکن بڑے پجاری نے مکمل سکوت و سکون کے ساتھ اس کی طرف دیکھا اور باوجودیکہ وہ دوسرے پجاری ایک فوری خوف کے اثر سے مغلوب ہو کر اپنے افسر کے اردگرد جمع ہو گئے تھے۔ لیکن زرتشت کا چہرہ اب بھی ویسا ہی مطمئن تھا۔ جب معبد میں خاموشی طاری ہو گئی تو باہر سے ایک دھیما شور سنائی دینے لگا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ غضب ناک سمندر کی طوفانی موجیں معبد کے دروازے سے ٹکرا رہی ہیں۔

زرتشت نے نہشتہ کے ہاتھ اپنے کندھے سے پرے ہٹا دیئے۔ "تم جاؤ اور اپنی حفاظت کرو" اس نے بڑے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔ "میں نہیں جاؤنگا اگر عقل کل کی یہی مرضی ہے کہ میں مر جاؤں تو میں اسی قربان گاہ کے سامنے مرونگا جلدی جاؤ اور اپنی حفاظت کرو۔ ابھی وقت ہے۔"

لیکن نہشتہ نے اس کا ہاتھ اپنے جذبات کی شدت سے کانپتے ہوئے ہاتھوں میں پکڑ لیا۔ اور غور سے اس کی سکون پرور آنکھوں میں دیکھنے لگی ——— اس کی نظروں میں محبت اور رنج کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔

"زرتشت تم نہیں جانتے کہ میں تمہارے ساتھ مرنے کو دوسرے کے ساتھ زندہ رہنے پر ترجیح دیتی ہوں۔ میں اپنے اباؤ اجداد کے خدا کی قسم کھاتی ہوں۔ کہ میں تمہیں تنہا نہ چھوڑونگی" اس کی نرم آواز میں کپکپی کا احساس ہونے لگا تھا ——— وہ اپنی موت کے فیصلے پر خود مہر لگا رہی تھی۔

"اب وقت نہیں ہے" ننھی اسیرین نے کہا "اب وقت نہیں موت تم سب پر مسلط ہو چکی ہے۔ دیکھو وہ دروازہ توڑا جا رہا ہے"

یکایک کسی بھاری چیز کے برنجی دروازے سے ٹکرانے کی آواز ایک طبلِ خان کی طرح معبد کے در و دیوار میں گونج اٹھی مسلسل ضربیں پڑنے لگیں اور ہر ضرب کے ساتھ خوفناک لمبے لمبے نعرے سنائی دینے لگے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جہنم کے شیطان گنہگاروں کی روحوں کے گرد گرد ناچ ناچ کر خوفناک گیت گا رہے ہیں۔

پجاری گو بہادر اور مرنے مارنے کو تیار تھے لیکن سہم گئے اور اپنے افسر کے اردگرد جمع ہو گئے۔ ان میں سے کچھ دروازے کی طرف لپکے۔ لیکن اسیرین کنیز ان کے درمیان حائل ہو گئی۔

"تم سب موت کے پنجے میں ہو اور اس کا کوئی علاج نہیں ——— اس لئے تم سب کو بہادروں کی موت مرنا چاہیئے" اس نے جلدی سے کہا "مجھے میری مالکہ کے پاس جانے دو" وہ سفید پوش پجاریوں کے پریشان مجمع کو چیرتی تلاطم زا ہوا کے تھپیڑے سے سمندر کے جگر میں سے ابھری ہوئی کف در دہن موج کی طرح پیچ و تاب کھا رہے تھے چیرتی ہوئی نکل گئی۔

نہشتہ اب بھی زرتشت کے ہاتھ پکڑے پاگلوں کی طرح پریشان پجاریوں کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کے ذہن میں صرف ایک خیال تھا اور وہ اُس شخص کی حفاظت کرنے کا خیال تھا جس کو کبھی وہ محبت کیا کرتی تھی۔ لیکن اُسے معلوم تھا کہ وقت اپنی تیز کروٹوں میں بچاؤ کی ساری ممکن تدبیروں کو لپیٹ کر اپنے

ساتھ ماضی کی انتھاہ گہرائیوں میں لے گیا ہے۔ لیکن اس نے آخری حربہ استعمال کیا اور پجاریوں سے استدعا کی۔

"کیا تم میں سے کوئی بھی ایسا بہادر نہیں ہے جو اس کی جان بچائے" اس نے پکار کر کہا۔

اس مجمع میں سب سے آگے ایک سیاہ فام آدمی کھڑا تھا ـــــ وہی جو زرتشت سے پہلے بڑا پجاری تھا۔ وہی جس نے سب سے پہلے زرتشت کو جھوٹا کہا تھا۔ وہی آگے بڑھا اور بلند آواز میں بولا "اگر ممکن ہو سکا تو ہم انہیں بھی اور آپ کو بھی بچانے کی کوشش کرینگے" اس نے پُرجوش لہجے میں کہا "ہم آپ دونوں کو اپنے درمیان لے کر دروازہ کھول دیں گے۔ بہت ممکن ہے۔ کہ ہم راستہ نکال سکیں۔ ہم مر جائیں گے۔ یہ درست ہے لیکن آپ دونوں بچ جائیں" وہ زرتشت کا ہاتھ پکڑنے ہی کو تھا اور حقیقت یہ ہے کہ ان ستر پجاریوں میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جو زرتشت کے لئے اپنے خون کا آخری قطرہ بہا دینے کے لئے تیار نہ ہو۔ لیکن زرتشت نے آہستہ سے اس کا ہاتھ پرے ہٹا دیا۔

"میرا وقت پورا ہو چکا اس لئے تم میں سے کوئی بھی مجھے بچانے میں کامیاب نہیں ہو سکتا!" اس نے کہا اور ایک ملکوتی نور آہستہ آہستہ رینگتا ہوا اس کے چہرے پر چھا گیا۔ یہاں تک کہ وہ اپنے ماتحت پجاریوں کی آنکھوں کے سامنے یکایک ایک انسان سے نورانی فرشتہ میں بدل گیا "دشمن ایک کے مقابلے میں ہزار ہے۔ ہم سب کو یہاں مردانہ وار موت کا مقابلہ کرنا چاہئے اور ایسی موت مرنا چاہئے جو خداوند کے سچے پجاریوں کی شایانِ شان ہو"

دروازے پر پڑتی ہوئی بھیم چوٹوں کے دھماکے مسلسل جاری رہے اور ان کے ساتھ غضب ناک حملہ آوروں کی وہ خوفناک آوازیں دم بہ دم بڑھتی رہیں یہاں تک کہ دوسری آوازیں اسی میں ڈوبتی ہوئی سی معلوم ہونے لگیں۔

زرتشت کی آواز صاف اور بلند کمرے میں گونج رہی تھی۔ اور پجاریوں کا مجمع دم بہ دم اس کے قریب سمٹا آتا تھا۔ نہشتہ نے اب بھی اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں مضبوطی سے پکڑا ہوا تھا۔ اور جب زرتشت نے دوبارہ زبان کھولی وہ نعش کی طرح ساکن و حیران آنکھوں سے اس کے ملکوتی نور سے معمور چہرے کی طرف دیکھنے لگی۔ ننھی اسیرین کنیز اپنی مالکہ کے پہلو میں متین صورت بنائے خاموش کھڑی تھی۔

"خداوند کے پجاریو! سنو!" زرتشت نے کہا۔ "ہمارے لئے موت مقدر ہو چکی ہے۔ اور باوجود یکہ ہم نہیں جانتے کہ ہم کس کے ہاتھوں مرنے پر مجبور کئے جائینگے۔ لیکن یہ امر بدیہی ہے کہ ہم قتل کر دیئے جائینگے۔ لیکن میں التجا کرتا ہوں کہ تم اس موت کی پروا نہ کرو جس کی حکومت ہمارے فانی جسموں پر ہے بلکہ اُس لافانی برکتوں کی طرف دھیان لگاؤ جو ہمیشہ کے لئے ہیں۔ اور جنہیں موت کا ہاتھ چھو نہیں سکتا۔ انسان انتہائی کمزور مخلوق ہے وہ دنیا کی دوسری چیزوں سے بہت کم عرصہ تک زندہ رہتا ہے۔ اور ہر وقت بیماریوں اور دوسری تکلیف کا شکار! لیکن انسان کی روح موت کی دستبرد سے باہر ہے۔ یہ وہ چیز ہے جس پر موت کی حکومت نہیں۔ یہ ہمیشہ زندہ رہیگی اور ستاروں کے اُس پار اس کا قیام ہوگا۔ جس طرح آج ہمارے جسم اس مقدس قربان گاہ کے سامنے

موت سے آشنا ہوں گے ۔ اسی طرح ایک دن یہ زمین اور وہ جگمگاتے ہوئے ستارے فنا سے متعارف ہونگے ۔ لیکن انسان کی روح اس وقت بھی زندہ ہوگی اور عقلِ کل کی شان و شوکت کا نظارہ کریگی جس کے لئے ہمیشگی ہے ۔

سورج طلوع ہوتا ہے اور زمین کے ہونٹوں پر مسکراہٹوں کے پھول کھل جاتے ہیں ۔ صبح بیدار ہوتی ہے ۔ لیکن اس کے بعد رات اپنی تاریکیوں کے ساتھ دنیا پر تسلط جمالیتی ہے ۔ اور ساری کائنات ایک ہمہ گیر افسردگی میں ڈوب جاتی ہے ۔ باوجودیکہ آج ہمارا سورج غروب ہو چکا ہے اور ہم اُسے دوبارہ طلوع ہوتا نہیں دیکھ سکینگے ہماری آنکھیں عنقریب اُس آفتاب عالمتاب کے دیدار سے بہرہ اندوز ہوگی جس کے لئے غروب نہیں ۔ اور جس کی بخشی ہوئی مسرتیں لامحدود ہیں ۔ وہ صبح طلوع ہو رہی ہے جس کے لئے شام نہیں بنی ۔ یزدان پاک جو ساری کائنات کا خالق ہے اُسی نے ہمارے اس جسدِ خاکی کی تشکیل فرمائی ۔ اور اس میں ہمیں رکھا ۔ تاکہ ہم ایک متعینہ وقت تک اس میں رہیں ۔ حرکت کریں ۔ اور فانی خوشیوں اور فانی رنجوں میں شرکت کرتے رہیں ۔ اب وہی ان کا مطالبہ فرماتا ہے ۔ کیونکہ یہ سب اُسی کی دین ہے ۔ اور وہی ان کا مالک ہے ۔ آؤ ہم سب بڑی خوشی سے اس کی دی ہوئی چیز اُسی کے قدموں میں قربان کردیں ۔ وہ جو سب کچھ جانتا ہے یہ بھی جانتا ہے کہ اس مستعار جسم کا واپس لے لینا کیوں ضروری ہے ۔ اور وہ جس نے یہ سب چیزیں خلق فرمائی ہیں جن کو ہم دیکھتے ہیں اور جو بڑی سرعت سے موت کے منہ میں گم ہوئی جاتی ہیں ۔ اُسی نے ایسی چیزیں بھی پیدا کی ہیں جو ہماری نظروں سے اوجھل ہیں ۔ لیکن اب ہم انہیں بھی دیکھ لینگے ـــــ وہ وقت

آگیا ہے جب ہماری آنکھیں اُس دنیا کا نظارہ کرینگی جو باقی ہے۔ گو یہی آنکھیں موت کی انگلیوں سے اُس دنیا کے نظارے سے محروم کردی جائینگی جو فانی ہے۔
اس لئے اُس یزدانِ پاک کی حمد و ثنا میں میرے ساتھ شکرانے کا بھجن گاؤ۔ جس نے زمان و مکان کی قید سے آزاد کر کے لامکان کی لامحدود پنہائیوں میں پہنچا دینے کا ارادہ فرمایا ہے۔ جس نے ہمیں تاریکی سے نکال کر نور میں بلایا ہے جس نے تغیر سے نکال کر استقلال میں جگہ دی ہے اور جس نے موت ہی کی مدد سے ہمیں موت سے بچا کر اُس زندگی سے سرفراز فرمایا ہے جس کے لئے موت نہیں!

تعریف اُس عقلِ کل کی جس نے سال بنائے۔ زمانے بنائے۔
اس کی تعریف کرو جس نے آسمانوں میں ستاروں کے بیج بوئے ہیں۔
اس کی تعریف کرو جو اُن تین وقتوں میں رہتا ہے۔ جو تھے، ہیں، اور رہینگے۔
اس کی تعریف کرو جو موت پر سوار ہے جس کے ہاتھوں میں سب قدرت ہے۔ ساری عزت ہے۔ ساری شان ہے۔
اس کی تعریف کرو جو زندگی کے مجسمے اور زندگی کے سائے کا خالق ہے۔
اس کی تعریف کرو جس نے لافانی حقیقت کی تخلیق فرمائی۔
جس نے دن بنایا رات بنائی اور تاریکی کو نور کے پیچھے پیچھے چلنے کی ہدایت کی
جس نے زندگی کا دن بنایا جو طلوع ہوگا اور موت کے تاریک سائے کو منور کریگا"

زرتشت نے ایک ہاتھ اُٹھا کر مترنم آواز میں بھجن گایا اور دوسرے پجاری اس کے ساتھ آواز ملا کر ایسے مطمئن انداز میں محو نغمہ ہو گئے گویا موت اِس وقت بھی ان کے پاس

نہیں پھٹک سکتی۔ لیکن نہشتہ نے ابھی تک زرتشت کے ہاتھوں کو مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔ اور اس کے اپنے ہاتھ برف کی طرح سرد پڑ گئے تھے۔

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کائنات کے عناصر کسی خوفناک انقلاب کے زیر اثر تحلیل ہو کر آغاز کائنات کے ابتلائے عظیم میں بدلتے جا رہے ہیں۔ ایک خوفناک دھماکے کے ساتھ عظیم الہیت پر نجی دروازہ مرمرین فرش پر گرا۔ اور حملہ آوروں کی شیطانی آوازیں پجاریوں کے کانوں پر ٹوٹ پڑیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جہنم کے کسی غار کا منہ دفعتہً کھل گیا ہے اور جہنمیوں کی آہ و بکا اور ان کو آزار دینے والے مکروہ شیطانوں کے فلک شگن نعرے ایک غوغے میں بدل کر کائنات کی دھجیاں اڑا دینے کے لئے دنیا پر پھٹ پڑے ہیں۔

ایک لمحے کے اندر اندر مقدس معبد کریہہ اور بدصورت انسانوں سے کھچا کھچ بھر گیا۔ جن کی آنکھیں خون آشامی سے سرخ ہو رہی تھیں اور جن کے ہاتھ ہزاروں کے خون میں رنگے ہوئے تھے۔ جب وہ ایک دوسرے پر گرتے اور ایک دوسرے کو دھکیلتے ہوئے آگے بڑھتے تو ان کی خمدار تلواریں ہوا میں لہرا رہی تھیں اور ان کے بلند نعرے معبد کی چھت کو پھاڑ دیتے تھے۔

اُنہیں خزانہ ملنے کی امید تھی لیکن یہاں خلاف توقع انہیں چند سفید پوش بے ہتھیار مرنجاں مرنج انسانوں کا گروہ ملا۔ جو ایک سرد قامت فرشتوں جیسی شکل و صورت کے انسان کے چاروں طرف نورانی ہالے کی طرح کھڑا تھا۔ اس ہجوم میں دو عورتیں بھی تھیں اور یہی سب کچھ اس عظیم الشان معبد کا فقید المثال خزانہ تھا۔ یہ دیکھ کر ان کے غصے کی انتہا نہ رہی۔ اُنہوں نے پہلے سے بلند اور پہلے سے کہیں زیادہ خوفناک

آواز میں دھاڑنا شروع کیا۔ وحشی درندوں کا یہ بے زنجیر گروہ ان بے کس انسانوں پر ٹوٹ پڑا اور ٹیڑھی بیڑھی تلواریں اُس سُرخ اور قوی خون میں رنگی گئیں جو برف جیسے سفید کپڑوں میں جذب ہُوا جاتا تھا۔

پجاری آخر دم تک بہادروں کی طرح لڑتے رہے۔ اُنہوں نے بعض حملہ آوروں کو بازو سے، کمر سے، گردن سے پکڑ پکڑ کر ان کے ساتھیوں پر دے دے مارا اور اپنے محبوب قائد کی زندگی کو بچانے کے لئے ان اسلحہ پوش وحشیوں سے لڑتے رہے لیکن دشمن ایک کے مقابلے میں سَو تھے۔ اس لئے ایک کے اوپر ایک پجاری کٹ کٹ کر گرتا رہا اور ان کا مقدس خون وحشی درندوں کے قدموں میں ایک ندی کی طرح لُوٹتا رہا۔ یہ وحشی مارتے رہے۔ اور دھاڑتے رہے دھاڑتے رہے یہاں تک کہ آخری جانباز اپنے سینے میں قاتل زخم کھا کر گر پڑا۔

آخر ایک بلند قامت خونی نے جس کی آنکھیں شدّتِ غضب سے انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں پجاریوں کی نعش پر سے کود کر نہشتہ کو بالوں سے پکڑ لیا اور اپنی طرف کھینچنے لگا۔ لیکن زرتشت کا سفید پتلا بازو بجلی کی طرح لپک کر اس کی نازک کمر میں حمائل ہو گیا۔ اور اس نے نہشتہ کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ ننھی اسیرن کنیز نے اپنا تیز ہندوستانی خنجر دونوں ہاتھوں میں پکڑ کر ہوا میں بلند کیا۔ اور اپنی پوری قوّت سے اس کی پانچویں پسلی کے قریب اس کی کمر میں گھونپ دیا۔ زخم اتنا گہرا اور قاتلانہ تھا۔ کہ وحشی خونی دوسرا سانس نہ لے سکا۔ اور وہیں ڈھیر ہو گیا۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ گرے ایک تیز تلوار بجلی کی طرح تڑپی اور وہ نازک چھوٹا سا ہاتھ کلائی سے علیحدہ ہو گیا۔ شیر دل اور وفادار کنیز ایک دلدوز چیخ مار کر ایک

قدم پرے گری ـــــ ایک اور چیخ ـــــ اور دنیا نے اس کے لئے آنکھیں موند لیں۔ کیونکہ اُسی تلوار نے اس کے گرتے ہی اس کا سر دھڑ جدا کر دیا تھا۔

لیکن نہشتہ کا سر تیزی سے بڑے پجاری کے سینے سے لگ گیا اور اس کے بازوؤں نے زرتشت کے سراپا کو بھینچ لیا

"زرتشت! میرے محبوب! میرے پیارے زرتشت۔ اب نہ کہو کہ میں بیوفا ہوں کیونکہ میں نے آخری سانسوں تک اپنا قول نبھایا ہے اور اب میں ستاروں کے اُس پار ہمیشہ کے لئے تمہارے ساتھ رہونگی۔"

زرتشت نے اُسے زور سے اپنے ساتھ بھینچ لیا اور ایسے وقت جبکہ خود قیامت انگڑائیاں لیتی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ زرتشت کا چہرہ اُس زندگی کے نور سے معمور ہو گیا جو فقط موت کے بعد ہی حاصل ہوا کرتی ہے۔

"ستاروں کے اُس پار اور ہمیشہ کے لئے" اس نے پکار کر کہا۔ "یزدان پاک کی لافانی شوکت و عظمت کے نور کی آغوش میں!"

وہی تیز تلوار پھر تڑپی اور نہشتہ کی گردن کاٹتی ہوئی اس کے محب کے جگر میں ڈوب گئی اور وہ دونوں اکٹھے زمین پر گر پڑے۔ گھناؤنے قتل عام کا آخری باب اپنے خونیں انجام کو پہنچ گیا۔

لیکن ابھی پورے تین دن نہ گزرنے پائے تھے کہ شاہِ دارا بنفس نفیس واپس آ گئے۔ کیونکہ راستے ہی میں انہیں ایک قاصد مل گیا تھا۔ جس نے انہیں بتا دیا تھا کہ اس کے نمک حلال سپاہیوں نے قلیل التعداد ہونے کے باوجود باغیوں کا قلع قمع کر دیا ہے۔

استخار پہنچ کر جب اس نے وہ خونیں منظر دیکھا جو اس کی عدم موجودگی میں وقوع پذیر ہوا تھا۔ اور جب اس نے اپنی آنکھوں سے اپنی محبوب ترین بیوی کی نعش کو اپنے سب سے زیادہ وفادار اور محبوب خادم کی بغل میں دیکھا۔ تو اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا امنڈ پڑا۔ وہ غیظ و غضب اور شدتِ غم کے خونیں امتزاج سے دیوانہ ہو گیا۔ اور انتہائی تیزی اور سفاکی کے ساتھ پہاڑی وحشیوں پر ٹوٹ پڑا۔ اس نے ان کے بچے بچے کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کر دیا۔ یہاں تک کہ کسی نعش پر رونے کے لئے کوئی متنفس باقی نہ بچا۔ ان میں سے دو ہزار زندہ آدمی ہاتھ لگ گئے۔ دارا انہیں اپنے ساتھ استخار میں لے آیا۔ اور انہیں سڑک کے کنارے اور بازاروں کے چوک میں صلیب پر کھینچ دیا۔ تاکہ اُس خون کا بدلہ پورا ہو جس کی محبت اس کی کائنات کا اہم ترین جزو بن چکی تھی۔

اس کے بعد اس نے بڑے پجاری زرتشت، ملکہ نہشتہ اور اسیرین کنیز کی نعشوں کو محفوظ کر کے انہیں خوشبودار مصالحجات اور بیش قیمت ململ کے ساتھ سونے کی بڑی چادروں میں لپیٹ کر محل کے سامنے والی پہاڑی میں ایک وسیع و عریض قبر میں دفن کر دیا ۔